معاشرتی امن کے لئے خلفاء راشدین کے اقدامات سے عصری استفادہ

(تحقیقی مقالہ برائے ایم فل علوم اسلامیہ)

مقالہ نگار

محمد قاسم

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

شعبہ اسلامی فکر و ثقافت،

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد

جنوری، ۲۰۲۳

بسم الله الرحمن الرحيم

منظوری فارم برائے مقالہ و دفاع مقالہ

(Thesis and defense approval form)

زیر دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انہوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھا ہے اور مقالہ کے دفاع کو جانچا ہے، وہ مجموعی طور پر امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہیں اور فیکلٹی آف سوشل سائنسز کو مقالے کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالہ بعنوان: **معاشرتی امن کے لئے خلفاء راشدین کے اقدامات سے عصری استفادہ**

Translation of Title in English &Roman :

Contemporary use of the Measures taken by of the Pious Caliphs for Social Peace

نام ڈگری: ماسٹر آف فلاسفی علوم اسلامیہ (ایم فل)

نام مقالہ نگار: محمد قاسم

رجسٹریشن نمبر: 1804-M,PHIL/IS/F19

ڈاکٹر مظفر علی _____

(نگران مقالہ) دستخط نگران مقالہ

پروفیسر ڈاکٹر مستفیض احمد علوی _____

(صدر، شعبہ علوم اسلامی فکر و ثقافت) دستخط صدر شعبہ علوم اسلامی فکر و ثقافت

پروفیسر ڈاکٹر خالد سلطان _____

(ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز) دستخط ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز

تاریخ _____

حلف نامہ فارم

(Candidate Declaration Form)

میں محمد قاسم ولدیت: غلام مصطفی

رول نمبر:MP-F19-524 رجسٹریشن نمبر1804-M,PHIL/IS/F19

طالب علم ،ایم فل ، شعبہ علوم اسلامیہ ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز(نمل) اسلام آباد حلفاً اقرار کرتا ہوں کہ مقالہ بعنوان: **معاشرتی امن کے لئے خلفاءراشدین کے اقدامات سے عصری استفادہ**

Contemporary use of the Measures taken by of the Pious Caliphs for Social Peace

ایم فل علوم اسلامیہ کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے سلسلہ میں پیش کیا گیا ہے،اور **ڈاکٹر مظفر علی** کی نگرانی میں تحریر کیا گیا ہے، راقم الحروف کا اصل کام ہے۔ اور یہ کہ مذکورہ کام نہ تو کہیں اور جمع کرایا گیا ہے۔نہ ہی پہلے سے شائع شدہ ہے اور نہ ہی مستقبل میں کسی بھی ڈگری کے حصول کے لئے کسی دوسری یونیورسٹی یا ادارے میں میری طرف سے پیش کیا جائے گا۔

میں اس بات کو سمجھتا ہوں کہ ایچ ای سی اور نمل علمی سرقہ کے حوالے سے عدم برداشت کی پالیسی پر سختی سے عمل پیرا ہیں۔اس لئے میں بطور مقالہ نگار اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ یہ میرا ذاتی علمی کام ہے۔ اس مقالہ کا کوئی حصہ بھی سرقہ شدہ نہیں ہے۔ اور میں نے جہاں سے بھی کسی علمی کام کو لیا ہے اس کا باقاعدہ حوالہ دیا ہے۔ میں اس بات کا بھی اقرار کرتا ہوں کہ اگر میرے مقالے میں کسی بھی قسم کا باقاعدہ علمی سرقہ پایا جائے تو یونیورسٹی میری ڈگری کو ختم کرنے / واپس لینے کا اختیار رکھتی ہے۔

نام مقالہ نگار: _____

دستخط مقالہ نگار: _____

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد

(ABSTRACT)

Title: Contemporary use of the Measures taken by of the Pious Caliphs for Social Peace

The actions of the Caliphs, who were the leaders of the Islamic community after the death of the Prophet Muhammad (PBUH), can provide important lessons for promoting social peace in contemporary times. Some of the actions of the Caliphs that could be relevant for promoting social peace include

1. Emphasis on justice: The Caliphs emphasized the importance of justice and fair treatment for all members of society, regardless of their religion or ethnicity. This emphasis on justice can provide a model for contemporary leaders to follow in promoting social peace.
2. Tolerance and respect for diversity: The Caliphs were known for their tolerance and respect for diversity, which helped to create a society in which people of different religions and ethnicities could live together in peace. This emphasis on tolerance and respect can be an important tool for promoting social peace in contemporary times.
3. Promotion of education: The Caliphs were strong supporters of moral and general training and education, which helped to create a society in which people were able to think critically and engage in meaningful dialogue with one another. This emphasis on education can be an important tool for promoting social peace by fostering understanding and empathy among people.
4. Emphasis on consultation and consensus-building: The Caliphs were known for their emphasis on consultation and consensus-building, which helped to create a sense of community and shared responsibility among members of society. This emphasis on consultation and consensus-building can be an important tool for promoting social peace in contemporary times by fostering a sense of ownership and shared responsibility for solving social problems.

In conclusion, the actions of the Caliphs can provide important lessons for promoting social peace in contemporary times. By emphasizing justice, tolerance, education, and consultation and consensus-building, contemporary leaders can help to create a society in which people of different religions and ethnicities can live together in peace and harmony.

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
.1	منظوری فارم برائے مقالہ و دفاع مقالہ	iii
.2	حلف نامہ	iv
.3	ملخص	v
.4	فہرست عنوانات	vi
.5	اظہار تشکر	viii
.6	انتساب	ix
.7	مقدمہ	1
.8	**باب اول: معاشرتی امن کی حقیقت؛ ضرورت و اہمیت اور اصول و ضوابط**	7
.9	فصل اول: معاشرتی امن اور اس کی ضرورت و اہمیت دینی تعلیمات کی روشنی میں	7
10	فصل دوم: معاشرتی امن کے بنیادی اصول و ضوابط	33
11	**باب دوم: معاشرتی امن میں خلافت راشدہ کا کردار اور اسکی عصری معنویت**	59
12	فصل اول: داخلی امن و امان کے متعلق خلفاء راشدین کی تعلیمات و اقدامات اور ان کی عصری معنویت	59
13	فصل دوم: خارجی امن و امان کے متعلق خلفاء راشدین کی تعلیمات و اقدامات کی عصری معنویت	112
14	**باب سوم: اجتماعی امن کے قیام میں حائل رکاوٹوں کا حل؛ خلافت راشدہ کی روشنی میں استفادہ**	143
15	فصل اول: عہد خلفاء راشدین میں اجتماعی امن کے قیام میں حائل رکاوٹیں	143

16	فصل دوم: معاشرتی امن کے قیام میں حائل رکاوٹوں کے سدباب کے متعلق خلفاءراشدین کا طرز عمل	166
17	خلاصہ بحث	176
18	نتائج	179
19	سفارشات	181
20	فہارس	184

اظہارِ تشکر

معاشرتی امن کے متعلق خلفاء راشدین کے اقدامات کے متعلق تحقیق کرنا اور اس کا عصری استفادہ پیش کرنا خاصہ مشکل اور محنت طلب امر تھا جو محض اللہ کے کرم اور اس کی بے پایاں مہربانی سے پایہ تکمیل تک پہنچا۔ اس پر میں اللہ رب العزت کا جس حد تک شکر ادا کروں کم ہے۔

میں ممنون ہوں اپنے والدین مکرمین اور خصوصی طور پر اپنے بھائیوں کا جنہوں نے اس کام میں میرا حوصلہ بڑھایا۔ خصوصی طور پر والدہ کا جنہوں نے ہمیشہ اپنی دعاوں میں مجھے یاد رکھا اور ہر معاملہ میں بڑھ چڑھ کر مجھے حوصلہ دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ اپنے تمام اساتذہ کا جنہوں نے علمی میدان میں مسابقت کا جذبہ پیدا کیا۔ اس کے ساتھ اپنے طلباء حسنین معاویہ، عبدالباسط، اور دیگر تمام ساتھیوں کا بھی انتہائی شکر گزار ہوں جنہوں نے مقالہ کی تکمیل کے دوران میری مدد و نصرت کی۔ ان تمام حضرات کی دعاوں، محنتوں اور بے لوث محبتوں کی وجہ سے میں آج اس مقام تک پہنچا ہوں۔ اللہ تعالیٰ تمام حضرات کو اپنی محبت اور اپنی طرف سے ایسی جزاء عطاء فرمائیں جس سے سب کے سب راضی ہو جائیں۔

نگران مقالہ **محترم ڈاکٹر مظفر علی صاحب** کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ جن کی مسلسل توجہ اور ہمہ وقت رہنمائی کی وجہ سے یہ مقالہ تکمیل کو پہنچا۔ استاد محترم نے ہمیشہ مفید مشوروں سے نوازا اور مقالہ میں جہاں جہاں اصلاح کی ضرورت تھی موقع بموقع بڑے احسن انداز سے اس کی نشاندہی فرمائی اور انتہائی خلوص اور ہمدردی سے مقالہ کی تکمیل کے لئے ہمت بندھائی۔ اللہ تعالیٰ ان کے علم و عمل میں مزید برکتیں عطاء فرمائے اور انہیں اپنی محبت عطاء فرمائے۔

شعبہ علوم اسلامیہ جامعہ نمل کے تمام اساتذہ اور بالخصوص پروفیسر ڈاکٹر مستفیض علوی صاحب (صدر شعبہ اسلامی فکر و ثقافت) ، استاذ محترم ڈاکٹر نور حیات خان صاحب، استاذ محترم ڈاکٹر امجد حیات صاحب اور ڈاکٹر ریاض سعید صاحب، ان سب کا تہہ دل سے ممنون ہوں کہ جنہوں نے اپنی خاص رہنمائی سے مقالہ کو مزید مفید بنایا۔

تمام اساتذہ کرام اور ان تمام اہل علم حضرات کا تہہ دل سے ممنون ہوں جن کی بروقت رہنمائی سے مقالہ کو مزید مفید بنانے میں مدد ملی۔

انتساب(Dedication)

حضرت نبی اکرم ﷺ کے بعد کائنات کی مقدس ترین ہستیوں یعنی خلفاء راشدین کے نام جنہوں نے انسانیت تک اسلام کو عملی صورت میں پہنچانے میں اہم کردار ادا کیا۔ اپنے والدین کے نام جن کی دعاوں اور محنتوں نے ایک ناکارہ کو کارآمد بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔

مقدمہ

موضوع تحقیق کا تعارف:

انسان اس زمین پر خدا تعالیٰ کا خلیفہ ہے اور خدا تعالیٰ نے انسان کیلئے اس کائنات کی تمام مخلوقات کو مسخر فرمادیا ہے۔ خدا تعالیٰ نے انسان کو اپنا نائب بنانے کے ساتھ ساتھ کچھ حدود و قیود کا مکلف بھی بنایا ہے۔ اور کچھ احکامات کا مکلف بھی بنایا ہے۔ جن پر عمل پیرا ہونے کی صورت میں وہ خود بھی مصائب سے بچ سکتا ہے اور باقی مخلوقات کو محفوظ رکھنے کا بھی سبب بن سکتا ہے۔ اور اس کی وجہ سے ایک ایسے صالح معاشرے کی تشکیل ہو سکتی ہے کس معاشرے میں موجود تمام افراد معاشرہ ایک دوسرے کے لئے نعمت کا سبب ہوں۔ اور ایک ایسا نظام انسانوں کو عطاء فرمایا ہے جس نظام کے تحت انسانی معاشرہ ایک بہترین معاشرہ میں ڈھل سکتا ہے۔ اور نہ صرف اس دنیا میں بلکہ اصل رہائش گاہ یعنی آخرت میں بھی سرخرو ہو سکتا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسانی معاشرہ کی بھلائی اور افراد معاشرہ کے باہمی تعامل میں مثبت تبدیلیاں لانے اور معاشرتی امن وامان کے لئے تمام انبیاء کرامؑ کو احکامات دے کر بھیجا۔ ان احکامات پر نبی اکرم ﷺ نے کیسے عمل فرمایا اور کیسے ایک صالح معاشرہ تشکیل دیا، خلفاء راشدین نے معاشرتی امن کیلئے کیا گراں قدر خدمات سرانجام دی ہیں۔ اور وہ کون سی وجوہات تھیں اور کیا عوامل تھے جن کی وجہ سے خلفاء راشدینؓ کا دور اسلامی سلطنت کی وسعت اور اسلامی حکومت کے عروج کا دور تھا۔ ایک ایسا معاشرہ جس میں مختلف رنگ و نسل، مختلف قبائل اور ممالک کے رہنے والے، مختلف ادیان و مذاہب کے پیروکار اور الگ الگ خطوں میں رہنے والے، مختلف ثقافتوں کے حامل افراد ایک معاشرہ میں ایک دوسرے کے ساتھ ایک دوسرے کے حقوق ادا کرتے ہوئے امن وسکون کے ساتھ زندگی بسر کرنا شروع ہو گئے۔ اور یہ عمل کوئی صدیوں پر محیط نہ تھا۔ بلکہ حضرت نبی اکرم ﷺ کی آمد مسعود سے قبل یہی معاشرہ انسانی تاریخ کا بدترین معاشرہ کہلانے کے لائق تھا۔ ان عوامل اور اسباب کو جاننا اور اپنے معاشرے میں ان اقدامات کو لاگو کرنا، ہمارے معاشرے کی اولین ضرورت ہے۔ اس مقالہ میں عہد خلافت راشدہ میں اٹھائے گئے ان اقدامات کا بغور جائزہ لیا گیا ہے جو کہ اس معاشرہ کو انسانی تاریخ کے سنہری ادوار میں شامل کرتا ہے۔ اس حوالے سے خلفاء راشدین کا اپنی عوام کے ساتھ رویہ اور بحیثیت اسلامی حکومت کے حکمران افراد معاشرہ کے حقوق و فرائض کو ان تک پہنچانے میں ان کے کردار کا بغور جائزہ لیا گیا ہے۔ مزید برآں معاشرے کے عروج کے بعد اس میں پڑنے والے خلل کا جائزہ لینے کی بھی سعی کی گئی ہے۔ اور ایسے اسباب کو بھی تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے جن کی وجہ سے کوئی معاشرہ تباہی و فساد میں پڑ جاتا ہے۔ تاکہ معاشرے کو ایسے اسباب سے بچایا جاسکے جو اس معاشرے کی بنیادوں کو کھوکھلا کرنے کا باعث بنے اور اس معاشرہ میں بدامنی اور فتنہ وفساد کا بیج بو دے۔

موضوع تحقیق پر سابقہ کام کا جائزہ:

اس موضوع پر سابقہ کام کا جائزہ لیا گیا تو یہ بات سامنے آئی کہ قیام امن کے حوالے سے کچھ پہلوؤں پر کام ہوا ہے۔ لیکن حضرات خلفاء راشدینؓ کے متعلق تخصیصی کام نہیں ہوا ہے۔ ابتدائی سیرت و تاریخ کی کتب کا مطالعہ کیا جائے تو حضرات خلفاء راشدین کے انتظام سلطنت اور معاشرتی استحکام کے متعلق کہیں نہ کہیں کام ضرور موجود ہے مگر عمومی طور پر ہر خلیفہ راشدؓ کے دور مبارک کو الگ الگ طور پر زیر بحث لایا گیا ہے۔ کہیں بھی عہد خلافت راشدہ کے معاشرہ یا معاشرتی امن کے متعلق یکجا طور پر اقدامات کا تذکرہ نہیں کیا گیا۔ کچھ بنیادی کتب و مقالہ جات جن میں اس حوالے سے کام ہوا ہے ان کا تذکرہ ذیل میں کیا جاتا ہے:

مقالہ جات:

۱۔ امن کا قرآنی تصور اور پاکستان میں اس کا قیام اس کا مقالہ نگار ظفر اقبال بن غلام قادر اور نگران مقالہ ڈاکٹر عبد الحمید خان عباسی صاحب ہیں۔ یہ مقالہ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی سے ۲۰۱۱ تا ۲۰۱۳ کے دوران مکمل ہوا۔ اس مقالہ میں امن کے قرآنی تصور کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

۲۔ معاشرتی جرائم اور اُن کی روک تھام: اسلامی شریعت اور مغربی قانون کا تقابلی مطالعہ، اس کا مقالہ نگار محمد عرفان رمضان اور نگران مقالہ محمد اکرم ورک صاحب ہیں۔ یہ مقالہ برائے ایم فل گفٹ ہونیورسٹی گوجرانوالہ سے ۲۰۱۲ میں مکمل ہوا۔ اس مقالہ میں معاشرتی جرائم کے حوالے سے بحث کی گئی ہے۔

۳۔ عالمی قیام امن میں اسلام اور دیگر مذاہب کا کردار اس کی مقالہ نگار عنصر پروین مرزا، اور نگران مقالہ ابرار محی الدین مرزا صاحب ہیں۔ یہ مقالہ برائے پی ایچ ڈی اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور سے ۲۰۰۷ تا ۲۰۱۰ کے دوران مکمل ہوا۔ اس مقالہ میں اسلام اور دیگر مزاہب کا امن کے حوالے سے تجزیاتی مطالعہ کیا گیا ہے۔

۴۔ عالمی معاشرے کے قیام میں اخوت اور رواداری کی اہمیت اور تصوف کا کردار، اس کا مقالہ نگار صبیحہ بانو، اور نگران مقالہ ریحانہ فردوس صاحبہ ہیں۔ یہ مقالہ برائے پی ایچ ڈی یونیورسٹی آف کراچی سے ۲۰۱۱ میں مکمل ہوا۔ اس مقالہ میں اخوت اور رواداری کا تخصیصی مطالعہ و تحقیق کی گئی ہے۔

۵۔ اسلام کا قانون جنگ اور قیام امن عالم میں اس کا کردار، اس کا مقالہ نگار، ہاشم الدین اور نگران مقالہ طاہر اے ملک صاحب ہیں۔ یہ مقالہ برائے پی ایچ ڈی یونیورسٹی آف کراچی سے ۱۹۹۹ میں مکمل ہوا۔ اس مقالہ میں عالمی امن کے متعلق بحث ہے لیکن خلفاء راشدین کے عہد کے متعلق بحث نہیں کی گئی۔

۶۔ قیام امن: افراد اور اداروں کا کردار، تاریخی و تجزیاتی مطالعہ اس کا مقالہ نگار حسن احمد اور نگران مقالہ نور حیات خان صاحب ہیں۔ یہ مقالہ برائے پی ایچ ڈی نمل اسلام آباد سے ۲۰۱۶ میں مکمل ہوا۔ اس مقالہ میں خلفاء راشدین کے عہد کا انتہائی اجمال سے تذکرہ کیا گیا ہے۔

۷۔ امن کا قیام: اسلامی تعلیمات کے تناظر میں: پاکستان کے حوالے سے خصوصی مطالعہ۔ اس کی مقالہ نگار اقرا مریم اور نگران مقالہ عمر حیات صاحب ہیں۔ یہ مقالہ برائے ایم فل گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد سے ۲۰۱۴ میں مکمل ہوا۔ اس مقالہ میں بنیادی اسلامی تعلیمات بیان کی گئی ہیں لیکن خلفاء راشدین کے عہد کا ذکر نہیں کیا گیا۔

۸۔ قیام امن کے لیے اقدامات شریعتِ اسلامیہ کی روشنی میں: تحقیقی مطالعہ، اس کا مقالہ نگار محمد زبیر حسن، اور نگران مقالہ حافظ محمد سجاد صاحب ہیں۔ یہ مقالہ برائے ایم فل علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد سے ۲۰۱۴ میں مکمل ہوا ہے۔ اس مقالہ میں بھی حضرات خلفاء راشدین کے عہد کے متعلق کام نہیں کیا گیا۔

۹۔ قیام امن کی اسلامی بنیادیں اور مسلم ممالک میں بدامنی کے اسباب اس کا مقالہ نگار اسامہ شفیق اور نگران مقالہ حافظ افتخار احمد صاحب ہیں۔ یہ مقالہ برائے ایم فل اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور سے ۲۰۱۷ میں مکمل ہوا۔ اس مقالہ میں اسلامی ممالک کی بدامنی کا تخصیصی مطالعہ کیا گیا ہے۔

۱۰۔ معاشرتی امن کے قیام اور جرائم کی روک تھام کے لیے اسلام اور دیگر مذاہب کا تصور سزا: ایک تقابلی جائزہ، اس کا مقالہ نگار ہدایت اللہ اور نگران مقالہ صاحب زادہ باز محمد صاحب ہیں۔ یہ مقالہ برائے ایم فل یونیورسٹی آف بلوچستان سے ۲۰۱۸ کو مکمل ہوا۔ اس مقالہ میں اسلام اور دیگر مذاہب کا تصور سزا کے متعلق تقابلی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

کتب:

قرآن، کریم اور کتب احادیث کے علاوہ درج ذیل کتب سے مقالہ کی تحقیق کرنا ممکن ہو سکا۔

۱۔ تاریخ الخلفاء از امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ، مترجم حضرت شمس بریلوی رحمہ اللہ، پروگریسیو بکس اردو بازار لاہور۔ اس کتاب میں عہد بنی امیہ و بنی عباس متعلق جامع تاریخ ذکر کی گئی ہے۔ اس کتاب میں حضرات خلفاء راشدینؓ کے دور مبارک کا خاکہ بہترین انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ لیکن معاشرتی اطوار اور حقوق و فرائض کے متعلق یکجا اور جامع کام موجود نہیں ہے۔

۲۔ عہد نبوی میں نظام حکمرانی، ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ، باب الاسلام پرنٹنگ پریس لاہور، اس کتاب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں موجود نظام حکمرانی کے متعلق تحریر کیا گیا ہے۔ جس میں اسلامی مملکت کے اپنے شہریوں کے ساتھ تعلق اور رابطہ کے متعلق رہنمائی کی گئی ہے۔ حضرت نبی اکرم ﷺ کا حکمرانی کا انداز پیش کیا گیا ہے۔ جس سے ہمیں حضرات خلفاء راشدین کے نظام حکومت کو سمجھنے میں معاونت ملی ہے۔

۳۔ الفاروق علامہ شبلی نعمانیؒ، دارالاشاعت اردو بازار کراچی، مصنفؒ نے اس کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے پہلے حصہ میں حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جہاد فی سبیل اللہ کا تفصیلی تذکرہ ہے اور دوسرے حصہ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے نظام حکومت کے حوالے سے تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ اس سے معاشرتی امن کے متعلق ان کے اقدامات کو سمجھنے میں معاونت حاصل ہوئی ہے۔

۴۔ ایام خلافت راشدہ، معاشی اور سماجی عدل و انصاف اور امن و امان کا ایک بہترین دور، از مولانا عبد الرؤف رحمانی جھنڈا نگری، مکتبہ قدوسیہ اردو بازار لاہور، اس کتاب میں حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے عوام کے ساتھ ربط کو مختلف واقعات کی صورت میں

بیان کیا گیا۔ جس میں رفاہ عامہ، عدل، اور مساوات کے واقعات قلمبند کئے گئے ہیں۔ لیکن کسی خاص ترتیب یا جامعیت سے تذکرہ نہیں کیا گیا۔

۵۔ خلفائے راشدین، علامہ شاہ معین الدین احمد ندوی، مکتبہ المعارف اعظم گڑھ، اس کتاب میں خلفائے راشدین کے متعلق الگ الگ تذکرہ کیا گیا ہے۔ جس میں ابتدائی طور پر ان کی فتوحات، اور پھر ان کے طرز حکمرانی کے متعلق اختصار سے تذکرہ کیا گیا ہے۔

۶۔ اسلام کا معاشرتی نظام، ڈاکٹر خالد علوی ، الفیصل ناشران و تاجران کتب، اردو بازار لاہور، اس کتاب میں اسلامی معاشرت کے بنیادی تصورات، معاشرتی ادارے، جدید معاشرتی تعبیرات، اور مختلف حقوق و فرائض کو بالتفصیل ذکر کیا گیا ہے۔

۷۔ اسلام کا انتظامی قانون، از ڈاکٹر لیاقت علی خان نیازی، دیال سنگھ لائبریری لاہور، اس کتاب میں اسلامی حکومت کے ماتحت آنے والے مختلف انتظامی اداروں کے متعلق تفصیلی بحث کی گئی ہے۔

۸۔ اسلامی ریاست، ڈاکٹر حمید اللہ، الفیصل ناشران و تاجران اردو بازار لاہور، اس کتاب میں نظام مملکت کے حوالے سے بحث کی گئی ہے۔ اسلامی ریاست میں اختیارات اور انتظام کے متعلق بحث کی گئی ہے۔

۹۔ السیاسیۃ الشرعیہ، حکمران بیورو کریسی اور عوام، شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ، دائرہ نور القرآن اردو بازار کراچی، اس کتاب کو ۲۸ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اور ہر باب میں نظام حکومت اور عوام و حکمرانوں کے مابین ربط کو بیان کیا گیا ہے۔

جواز تحقیق

اس موضوع پر سابقہ کام کا جائزہ لیا گیا تو یہ بات سامنے آئی کہ معاشرتی امن کے حوالے سے بنیادی طور پر کچھ پہلوؤں پر کام ضرور ہوا ہے جیسے قرآنی تصور امن، قیام امن میں افراد کا کردار، قیام امن کے لئے تصور سزا، عالمی امن کے متعلق اسلام اور دیگر ادیان کا تقابلی مطالعہ وغیرہ لیکن معاشرتی کیلئے خلفاء راشدین کی تعلیمات کے حوالے سے کوئی معتد بہ کام نہیں ہوا۔ لہٰذا اس حوالے سے کام کرنا اور معاشرتی امن و امان کے متعلق حضرات خلفاء راشدین کے اقدامات سے عوام الناس کو روشناس کرانا وقت کی اہم ضرورت ہے۔

بیان مسئلہ:

معاشرتی امن و امان ہر ملک اور علاقہ کی تعمیر و ترقی کے لئے نہایت بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ ہمارے معاشرے میں فتنہ و فساد اور انارکی کا علاج ڈھونڈنا، اور معاشرے کو پر امن بنانے کے لئے کوششیں کرنا ہر فرد کی ذمہ داری ہے۔ معاشرتی امن کے لئے خلفاء راشدین کے اقدامات کو اس لئے اہمیت حاصل ہے کہ وہ حضرت نبی اکرم ﷺ کی دنیا سے رحلت کے بعد آپ ﷺ کی تعلیمات کے عملی شارح تھے۔ لہٰذا ان کے اٹھائے گئے اقدامات اور ان کے طرز عمل کے مطالعہ سے ہی ہمیں ہمارے معاشرے کی اصلاح کے لئے راہ مل سکتی ہے۔

موضوع تحقیق کی ضرورت و اہمیت:

انسان کی اجتماعیت سے معاشرے کی موجودہ صورت اور مرکزی حیثیت قائم ہے۔ ایک معاشرہ میں مختلف طرز فکر کے لوگ رہتے ہیں۔ بطور حکمران اور بطور مصلح کس طرح ایک بہترین معاشرہ کی تشکیل صحیح اور مثبت انداز میں ممکن ہے۔ اس کے لیے ہمارے پاس

ذات نبوی ﷺ اور خلفاء راشدینؓ بطور نمونہ ہیں۔لہذا ان کی خدمات و تعلیمات کا جاننا اور لوگوں تک پہنچانا نہایت اہمیت کا حامل ہے۔امن و سلامتی، افراد، اقوام اور ملکوں کی ترقی و کمال کے لئے انتہائی ضروری ہے۔ اسی طرح اگر تمام اسلامی عبادات اور معاملات سے لے کر آئین اور قوانین، سیاست و حکومت تک کا بغور جائزہ لیا جائے تو ان تمام چیزوں سے امن و سلامتی اور صلح و آشتی کا عکس جھلکتا ہے جو اسلام کا مقصود و مُدّعا ہے۔یہی وجہ ہے کہ اسلام نہ صرف امن کا حامی اور دعویدار ہے بلکہ قیام امن کو ہر حال یقینی بنانے کی تاکید بھی کرتا ہے۔لہذا معاشرتی امن کے لئے خلفاء حضرات خلفاء راشدین کی تعلیمات کو سامنے رکھتے قیام امن کی کوشش کرنا اور ملک اور قوم کو ترقی کا ضامن بنانا وقت کی ضرورت ہے۔کسی بھی معاشرے کے لئے اس معاشرے کے افراد نہایت ہی اہمیت رکھتے ہیں کیونکہ افراد معاشرہ ہی ایک معاشرہ تشکیل دیتے ہیں۔لہذا افراد معاشرہ کی اصلاح کی فکر کرنا اور ان کی بہترین ذہن سازی کرنا معاشرے کو ایک صالح اور ترقی یافتہ معاشرہ میں تبدیل کر دیتا ہے۔لہذا افراد معاشرہ کی اصلاح اور ان کی تعلیم و تربیت کے متعلق خلفاء راشدین کے اقدامات کا جائزہ لینا بھی معاشرہ اور افراد معاشرہ کی تعمیر و ترقی میں نہایت اثر انداز ہو سکتا ہے۔اس لئے اس مقالہ میں ان تمام عوامل کا جائزہ لیا گیا ہے جو کہ ہمارے معاشرے کو امن و سکون کا مرجع بنانے میں مدد و معاون ہو سکتے ہیں۔اور ان اسباب پر بھی بحث کی گئی ہے جن کی وجہ سے کوئی معاشرہ انارکی اور فساد کا شکار ہو سکتا ہے۔تاکہ ہم اپنے معاشرے کو ان عوامل سے بچا کر ایک صالح اور کارآمد معاشرہ میں تبدیل کر سکیں۔

مقاصد تحقیق:

۱۔معاشرتی امن کے لئے بنیادی عناصر کا مطالعہ و تحقیق کرنا

۲۔معاشرتی امن کے لئے خلفاء راشدین کے اقدامات کا تحقیقی مطالعہ کرنا

۳۔معاشرتی امن میں حائل رکاوٹوں کو دور کرنے کے لئے خلفاء راشدین کے طرز عمل کا تحقیقی مطالعہ کرنا

۴۔عصر حاضر میں معاشرتی امن کی ضرورت اور اس کے قیام کے لئے اقدامات کرنا

۵۔عہد خلافت راشدہ کے نظائر سے عصری استفادہ کے لئے سفارشات مرتب کرنا

موضوع تحقیق کے بنیادی سوالات

۱۔معاشرتی امن کے بنیادی اسلامی اصول و ضوابط کیا ہیں؟

۲۔معاشرتی امن کے لئے خلفاء راشدینؓ کے اقدامات کی تحقیق کیوں ضروری ہے؟

۳۔معاشرتی امن کے اسلامی اصولوں کی عملی تطبیق کیسے ممکن ہو سکتی ہے؟

۴۔معاشرتی امن کے لئے تاریخی نظائر کا تجزیہ کر کے استفادہ کرنا کیسے ممکن ہے؟

موضوع تحقیق کی تحدید:

میں نے اس مقالہ میں حضرات خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے معاشرتی امن کے لئے کئے گئے اقدامات کو بیان کیا ہے۔اور معاشرتی امن میں حائل رکاوٹوں کے متعلق ان کے طرز عمل کو بیان کیا ہے۔اس مقالہ میں بطور خاص افراد معاشرہ کے باہمی حقوق کی ادائیگی کے لئے خلفاء راشدین کی کوششوں اور اس میں آنے والی رکاوٹوں کے متعلق ان کا طرز عمل بیان کیا گیا۔اور اس

کے ساتھ ساتھ آج کے معاشرہ میں قیام امن کے لئے خلفاء راشدین کے اقدامات سے استفادہ کرتے ہوئے قابل عمل اقدامات اور اس کے لئے سفارشات پیش کی گئی ہیں۔

منہج تحقیق:

یہ تحقیق، اصول تحقیق کے مشہور اصولوں کے مطابق کی گئی ہے جس کے نکات درج ذیل ہیں۔

۱۔ مقالہ کی تحقیق کیلے بیانیہ اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔

۲۔ استفادہ کیلے بنیادی مصادر کو استعمال میں لایا گیا ہے۔

۳۔ ثانوی مصادر بوقت ضرورت استعمال میں لایا گیا ہے۔

۴۔ حوالہ جات کیلے فٹ نوٹس کا طریقہ اپنایا جائیگا جو کہ ہر صفحہ کے آخر میں دیا گیا ہے۔

۵۔ مقالہ کو ابواب اور فصول میں تقسیم کیا گیا ہے۔

۶۔ حوالہ میں پہلے مصنف کا نام، پھر کتاب کا نام، پھر مکتبہ کا نام، پھر شہر کا نام، پھر سن اشاعت، پھر جلد اور آخر میں صفحہ نمبر درج کیا گیا ہے۔

۷۔ آیات قرآنیہ رسم عثمانی کے مطابق لکھی گئی ہیں۔

۸۔ مقالہ کے آخر میں حاصل بحث، سفارشات اور تجاویز، فہرست آیات اور احادیث، اور فہرست مصادر و مراجع درج کی گئی ہیں۔

۹۔ جدید تحقیق کے ذرائع، ڈجیٹل اسلامی مکتبات کا استعمال۔ مثلاً: مکتبہ شاملہ اور ایزی قرآن و حدیث وغیرہ عمل میں لایا گیا ہے۔

۱۰۔ مقالہ کی تحریر و تسوید میں یونیورسٹی فارمیٹ کو مد نظر رکھا گیا ہے۔

ابواب و فصول کی تقسیم و ترتیب:

اس مقالہ میں تین ابواب اور ہر باب کے تحت دو دو ذیلی فصول تحریر کی گئی ہیں۔ ہر ذیلی فصل دو دو مباحث پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں معاشرتی امن کی حقیقت کو بیان کیا گیا ہے۔ جس میں معاشرتی امن کا معنی و مفہوم، اس کی ضرورت و اہمیت اور اسکے بنیادی اراکین و اصول و ضوابط کو بیان کیا گیا ہے۔ دوسرے باب میں معاشرتی امن میں خلافت راشدہ کا کردار اور اسکی عصری معنویت بیان کی گئی ہے اس ضمن میں باب کو داخلی اور خارجی دو فصول میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اور ہر ایک کی عصری معنویت تحریر کی گئی ہے۔ تیسرے باب میں معاشرتی امن کے قیام میں حائل رکاوٹوں کے سد باب کے لئے خلفاء راشدین کا طرز عمل پیش کیا گیا ہے اور معاشرتی امن کے لئے سفارشات اور نتائج پیش کئے گئے ہیں۔

محمد قاسم

۳۰۔۰۱۔۲۰۲۳

باب اول: معاشرتی امن کی حقیقت؛ ضرورت واہمیت اور اصول وضوابط

فصل اول: معاشرتی امن اور اس کی ضرورت اور اہمیت دینی تعلیمات کی روشنی میں

انسانوں پر مشتمل افراد کا ایسا مجموعہ جو خاص نظام، خاص قوانین اور آداب ورسوم کا حامل ہو اور انہی خصوصیات کے باعث ایک دوسرے سے منسلک ہو اور ایک ساتھ زندگی گذارتا ہو معاشرہ تشکیل دیتا ہے۔ انسان کی زندگی اجتماعی یا معاشرتی اس معنی میں ہے کہ وہ ایک "اجتماعی ماہیت" کی حامل ہے۔ ایک طرف تو اس کے مفادات، اس کے تعلقات اس کے کام کاج "اجتماعی ماہیت" رکھتے ہیں اور اپنے رسم ورواج کے دائرے میں تقسیم کار' تقسیم مفادات اور ایک دوسرے کی مدد کے بغیر اس کا گذارہ نہیں' دوسری طرف کچھ ایسے افکار، نظریات اور مزاج بھی لوگوں پر حاکم ہیں جو انہیں وحدت ویگانگت بخشتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں معاشرہ انسانوں کے اس مجموعے کا نام ہے جو ضرورتوں کے جبری سلسلے میں اور عقائد، نظریات اور خواہشات کے زیر اثر ایک دوسرے میں مدغم ہیں اور مشترک زندگی گذار رہے ہیں۔ مشترک معاشرتی ضرورتوں اور زندگی سے متعلق خصوصی تعلقات نے نوع انسانی کو اس طرح ایک دوسرے سے منسلک کر دیا ہے اور زندگی کو اس طرح وحدت اور یکتائی بخشی ہے جیسے حالت سفر میں کسی گاڑی یا جہاز کے مسافر ہوا کرتے ہیں جو ایک مقصد کی سمت آگے بڑھتے ہیں، ایک ساتھ منزل پر پہنچتے ہیں یا ایک ساتھ رہ جاتے ہیں، ایک ساتھ خطرے میں گھرتے ہیں اور ان سب کی تقدیر ایک جیسی ہو جاتی ہے۔ معاشرہ کیا ہے اور معاشرتی امن وامان لغت واصطلاح میں کس معنیٰ میں استعمال ہوتے ہیں۔ مزید برآں معاشرتی امن وامان کی دینی تعلیمات میں کیا ضرورت واہمیت ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو معاشرے میں رہنے اور دیگر افراد معاشرہ کے ساتھ زندگی گزارنے کے کیا گر اور اطوار سکھائے ہیں۔ اس سے متعلق بنیادی باتیں اس باب کی پہلی فصل میں ذکر کی گئی ہیں۔ اس باب کی دوسری فصل میں معاشرتی امن کے بنیادی اراکین وعناصر کی فرد، خاندان، ملک، یا اجتماع، اور عالمی معاشرے میں تقسیم کر کے ہر ایک کے متعلق بنیادی احکامات یا اس کے بنیادی عنصر کو بیان کیا گیا ہے۔ اور قرآن وحدیث سے اس تناظر میں رہنمائی لی گئی ہے۔ پہلی فصل کو دو بنیادی مباحث میں تقسیم کیا گیا ہے۔ مبحث اول میں معاشرتی امن کے لغوی واصطلاحی معنی ومفہوم کو بیان کیا گیا ہے۔ اور مبحث دوم میں قرآن وحدیث سے اس کی ضرورت واہمیت سے متعلق سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ اسی طرح فصل ثانی کو بھی دو بنیادی مباحث میں تقسیم کیا گیا ہے۔ مبحث اول میں انفرادی وخاندانی معاملات میں امن وامان کے بنیادی عناصر وآداب بیان کئے گئے ہیں۔ جب کہ دوسری مبحث میں عالمی واجتماعی امن کے متعلق بنیادی ضرورتوں کو تفصیل سے درج کیا گیا ہے۔ ان تمام کے متعلق قرآن وحدیث اور آثار صحابہ وخلفاء راشدین کو مد نظر رکھا گیا ہے۔

مبحث اول: معاشرہ اور امن کا معنیٰ ومفہوم

معشر اس جماعت کو کہتے ہیں جس کے افراد کسی خاص مقصد کے لئے جمع ہوئے ہوں اور ایک دوسرے سے مختلف معاملات میں افادہ واستفادہ کرتے ہوں۔ جیسے معشر انس، معشر جن وغیرہ۔ اسی طرح معاشرہ کے لئے مجتمع کا لفظ بھی استعمال کیا جاتا ہے جس کا مطلب ہے جمع ہونے کی جگہ، لیکن مجازی طور پر لوگوں کی اس جماعت کے لئے بھی استعمال ہو سکتا ہے جو لوگ خاص قوانین وخاص نظام کے پابند ہوتے ہیں جیسے المجتمع القومی اور المجتمع الانسانی وغیرہ۔ اس سے انسانی اور قومی سطح پر افراد کی سوسائٹی مراد ہے۔ اردو

زبان میں معاشرہ اور مجتمع وغیرہ کے لئے مختلف الفاظ اور محاورے استعمال کئے جاتے ہیں جیسے سماج، اجتماعی گھرانہ، ریاست، جماعت سوسائٹی، ماحول، بیتِ اجتماعی، تہذیب، تمدن، اجتماعیہ،[1] جماعتی زندگی جس میں ہر فرد کو رہنے سہنے اپنی ترقی و بہبود کے لئے دوسروں سے واسطہ پڑتا ہے۔ ایسے ہی ایک ساتھ زندگی گزارنے کے لئے معاشرہ اور تعاشر مستعمل رہا ہے۔

علامہ شاہ ولی اللہؒ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں معاشرے کے لئے معاش کا لفظ استعمال کیا ہے۔[2] ایسے ہی معاشرے کے لئے بہت سے اور بھی الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں اور ان کے کچھ خصوصی معانی بھی مراد لئے جاتے ہیں جیسے رفقہ، جمیعۃ یا مجتمع افراد کی جماعت خصوصاً ترقی یافتہ سوسائٹی کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ مرتضیٰ مظہری اپنی شہرہ آفاق کتاب اسلامی تصور کائنات پر ایک تمہید میں سوسائٹی کی تعریف یوں کرتے ہیں:

> "انسانوں پر مشتمل وہ خاص جماعت جو خاص قوانین، خاص آداب و رسوم، اور خاص نظام کی حامل ہو اور انہی خصوصیات کے باعث ایک دوسرے سے منسلک اور ایک ساتھ زندگی گزارتی ہو، معاشرہ تشکیل دیتی ہے"[3]

معاشرہ کن عناصر سے تشکیل پاتا ہے اور کیا چیز معاشرہ کا اصل محور اور مدار ہے، انسان کی معاشرہ میں کیا حیثیت ہے ان سب امور کہ حوالے سے ابتدائی باتیں بیان کی جاچکی ہیں، البتہ معاشرہ کو مختلف مفکرین کس نظر سے دیکھتے ہیں اور اس کی کیا تعریف کرتے ہیں۔ اور مختلف مفکرین کے مطابق وہ کون سے عوامل ہیں جو کسی بھی معاشرے کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرسکتے ہیں ذیل میں اس حوالے سے تفصیل درج کی جاتی ہے۔

مغربی مفکرین کی نظر میں معاشرہ: البرٹ ایس وڈورتھ (یہ بیسویں صدی کا مشہور امریکن سائیکالوجسٹ تھا[4]) کہتا ہے

> "اجتماعیت پسندی انسان کی مجبوری ہے جو رفتہ رفتہ اس کے فطری شعور کا حصہ بن گئی ہے"[5]

ماٹیسکو (۱۶۸۹ کو فرانس میں پیدا ہوئے[6]) معاشرے اور اس کی ابتداء کے حوالے سے کہتا ہے

> "آدمی کی معاشرت پسندی کا باعث ماحول کا خوف تھا نتیجہ یہ ہے کہ جوں جوں انسان کے لئے ماحول شدائد کا سبب بنا انسان کی کمزوری اجتماعیت کا سبب بنی اور اس نے اس طرح ماحول پر قابو پالیا۔[7]

مورس گنسبرگ کے مطابق سوسائٹی یا معاشرہ کی تعریف کچھ یوں ہے:

> "A society is a collection of individuals united by certain relations or models of behavior which mark them off from others who do not inter to these relations or who differ from others in behavior"[8]

---

[1] سرہندی، وارث، قاموس مترادفات، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۱۹۸۶، ص ۱۱۷۳

[2] ولی اللہ، شاہ، احمد بن عبد الرحیم، حجۃ اللہ البالغۃ، دار الجیل، بیروت، ۲۰۰۵ ص ۴۰

[3] مظہری، مرتضی، اسلامی تصور کائنات پر ایک تمہید، سازمان تبلیغات اسلامی تہران، ۲۰۰۰ ص ۴۰۰

[4] Tunnel.E H A bibliography of articals and books,1887, university of USA press

[5] علوی، خالد، اسلام کا معاشرتی نظام، الفیل ناشران و تاجران کتب، لاہور ۲۰۰۹، ص ۰۳

[6] The political theory of monstequee ,Cambridge university press London 1977pg,318

[7] The political theory of monstequee ,Cambridge university press London 1977,pg324

[8] Man and society-DDCE, Utkal University press London,pg38

معاشرہ کے حوالے سے کی گئی مختلف تعریفات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ معاشرہ انسان افراد کے ایسے مجموعہ کو کہا جاتا ہے جو اپنے افراد کے مشترکہ مفادات پر قائم ہو اور اس کی وجہ سے افراد آپس میں میل جول اور باہم تعاون کرتے ہوں۔

اسلامی مفکرین کی نگاہ میں معاشرہ: مفکرین اسلام نے عمرانیات اور معاشرت کے حوالے سے انسان کی راہ نمائی کی ہے۔ انسان کے دنیا میں آنے کے مقاصد، اس کے رہن سہن اور بود و باش کے طریقوں کے متعلق اسلامی مفکرین نے تحقیقات کی ہیں اور انسانوں کی راہنمائی کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس حوالے سے متقدمین میں سے الفارابی، ابن خلدون وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

ابن خلدون (عالم اسلام کے مشہور و معروف مورخ ابن خلدون کا پورا نام ابو زید عبد الرحمٰن بن محمد بن محمد بن خلدون المالکی تھا وہ تیونس میں پیدا ہوئے اور پھر مصر میں جامعہ الازہر میں تدریس کے فرائض سرانجام دیے، مصر میں ان کو فقہ مالکی کا قاضی القضاۃ کا منصب عطا ہوا۔ ان کی پیدائش ۱۳۳۲ء میں تیونس میں ہوئی اور وفات ۱۴۰۶ء میں مصر میں ہوئی[9]) اپنی مشہور اجتماعی تصنیف میں اس کی تعریف کچھ یوں لکھتا ہے؛

"معاشرہ محض انسانوں کے مجموعے کو نہیں کہتے بلکہ معاشرہ مشترکہ مفادات اور مشترکہ سوچ رکھنے والے انسانوں کے اجتماع سے ترتیب پاتا ہے۔"[10]

الفارابی (ابو نصر فارابی، pharabious کا پورا نام ابو نصر محمد بن اوزلغ بن طرخان ہے وہ ۸۷۰ء میں طرخان میں پیدا ہوئے۔ وہ ایک ماہر فلسفی، طبیعات دان اور موسیقار تھے، ان کا شعبہ عمل، ریاضی منطق، طب، فلکیات اور ماوراء طبعیات تھا وہ ۹۵۰ء میں شہر بخارا میں فوت ہوئے) کہتے ہیں

"انسانی معاشرہ درحقیقت انسان کی فطری ضرورت بھی ہے جو کمال انسان کی پیدائشی فطرت کا تقاضا ہے اس کا حصول اس وقت تک ممکن نہیں جب تک بڑی بڑی جماعتیں اکھٹی ہو کر ایک دوسرے کے تعاون پر آمادہ نہ ہو جائیں تاکہ وہ ایک دوسرے کی ضروریات کو پورا کر سکیں"۔[11]

ابن مسکویہ (ابن مسکویہ کا پورا نام ابو علی احمد بن محمد بن یعقوب مسکویہ ہے وہ ۹۴۲ء میں پیدا ہوئے۔ انہیں مورخین موجودات عالم پر سائنسی نقطہ نظر سے بحث و تحقیق کرنے والا حکیم، حیاتیات کا ماہر، نباتات، علم سماجیات اور معاشرت کا محقق علم تمدن کے نکتے بیان کرنے والا علم نفسیات کا ماہر قرار دیتے ہیں۔ ان کی پیدائش ۹۳۲ء میں اصفہان میں پیدا ہوئے اور ۱۰۳۰ء میں وفات پائی۔)

"انسان مدنی الطبع ہے انسان فطری اور پیدائشی طور پر اپنے ابنائے جنس کے مختلف النوع تعاون کا محتاج ہے اور یہ تعاون شہری زندگی کے سبب عملی شکل میں آسکتی ہے"[12]

امام غزالی (امام غزالی ۱۰۵۸ء میں شہر طوس میں پیدا ہوئے، آپ عالم اسلام کی مشہور و معروف شخصیت ہیں آپ کا پورا نام حجۃ الاسلام محمد بن محمد بن محمد الغزالی ہے۔ آپ کا شمار شافعی مسلک کے کبار علماء میں ہوتا ہے، آپ ایک عظیم فلسفی، متکلم، الٰہیات دان اور عمدہ

---

[9] عبد الرحمٰن ابن خلدون، علامہ، مقدمہ ابن خلدون، نفیس اکیڈمی اردو بازار کراچی ۲۳/۱

[10] عبد الرحمٰن ابن خلدون، علامہ، مقدمہ ابن خلدون، نفیس اکیڈمی اردو بازار کراچی، ۲۹/۱

[11] احمد عبد العلی، علم عمرانیات، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد ا ص ۱۴

[12] علوی، خالد، اسلام کا معاشرتی نظام، الفیل ناشران و تاجران کتب، لاہور ۲۰۰۹، ص ۳۲

پائے کے شاعر تھے۔ آپ نے سالہا سال تک مدرسہ نظامیہ بغداد میں علم و حکمت کے موتی بکھیرے۔ آپؒ کی وفات ۱۹ دسمبر ۱۱۱۱ء کو علاقہ طوس میں ہی ہوئی۔)

"انسان کا مل جل کر رہنا فطری امر ہے لیکن جب تک اس فطری امر کو منظم نہ کیا جائے معاشرہ وجود پذیر نہیں ہو سکتا"[13]

شاہ ولی اللہ صاحب (برصغیر پاک و ہند میں عہد مغلیہ کے مشہور عالم دین، محدث اور مصنف تھے۔ آپؒ کی پیدائش ۱۷۰۳ء کو موضع پھلت، مظفر نگر میں ہوئی۔ آپ علم حدیث، علم اصول حدیث، علم تفسیر سمیت کئی علوم میں مرجع خلائق تھے۔ آپ کی وفات ۲۰ اگست ۱۷۶۲ء کو دہلی میں ہوئی۔) فرماتے ہیں:

"معاشرہ اور اجتماعی زندگی کا سرچشمہ خود انسان کی ذات ہے اس کی طبیعت میں جو رجحانات پائے جاتے ہیں وہ اکھٹے رہن سہن کی صورت میں ہی ممکن ہو سکتے ہیں جن کے پس پشت فطری اور نوعی تقاضے ہوتے ہیں"[14]

معاشرے کے حوالے سے بیان کیے گئے مفاہیم سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ معاشرے کا مرکزی کردار انسان ہے۔ اس بنیاد پر انسان کو معاشرے میں مرکزی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ اور یوں محسوس ہوتا ہے گویا پوری کائنات انسان ہی کے گرد گھومتی ہے۔ اس کائنات میں موجود تمام موجودات کا آپس کا تعلق انسان کے واسطے سے سامنے آتا ہے۔ لیکن بعض مغربی فلاسفہ کے نظریہ معاشرت میں بعض مواقع پر انسان کو انتہائی پستی اور ذلت والا مقام دیا گیا ہے۔ فلاسفہ نے معاشرے میں انسان کو ایک معاشرتی حیوان قرار دیا گیا ہے اور مادی لحاظ سے سے انسان کی تعریف حیوان ناطق کے لفظ سے کی گئی ہے۔ لیکن اس نظریہ کا لادینی اور برا پہلو یہ ہے کہ انسان کو اشرف المخلوقات کے سب سے اعلی درجہ سے گرا کر عام دوسرے حیوانوں کے برابر کر دیا گیا ہے جو کہ انسان کی توہین دکھائی دیتا ہے۔

ایک مغربی مفکر "برگ سن" کا کہنا ہے کہ:

"The basic element of man and human society is lust and sexual attraction"[15]

ترجمہ: انسان اور انسانی معاشرہ کا بنیادی عنصر شہوت اور جنسی کشش و میلان ہے۔

گویا ان کے مطابق انسان کے وجود اور انسانی معاشرے کا اصل مقصد صرف اور صرف انسانی اشتہاء کی تکمیل ہے جس کے نتیجہ میں انسانی آبادی کا ارتقاء ہو رہا ہے۔ مزید برآں فلاسفہ و مناطقہ کے نظریہ معاشرت کے مطابق جب انسان کے لئے حیوان ناطق یا حیوان اجتماعی کا لفظ استعمال کیا جائے گا اور انسان کی اصل وجہ اور بنیاد ہی جنسی میلان اور شہوت قرار دی جائے گی تو اس سے یہ تصور ابھرے گا کہ انسان اور حیوان ایک ہی ہیں بس فرق یہ ہے کہ وہ بول نہیں سکتے جبکہ انسان اپنی مرضی سے بول کر اپنی بات سمجھا سکتا ہے۔ حالانکہ انسان کی عظمتیں لامتناہی ہیں کیونکہ انسان ہی وہ وحد مخلوق ہے جس کے گرد باقی ساری مخلوقات کا دائرہ چلتا ہے اور انسان ہی وجہ تخلیق کائنات ہے۔ اگرچہ مسلم فلاسفہ کے مطابق حیوان ناطق میں نطق سے مراد صرف بولنے کی صلاحیت ہی نہیں ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ انسان میں سوچ سمجھ کر موقع کی مناسبت سے بات کرنے کی فی نفسہ صلاحیت موجود ہو وگرنہ تو گونگے انسانوں کو انسانیت کی

---

[13] علوی، خالد اسلام کا معاشرتی نظام، الفیل ناشران و تاجران کتب، لاہور ۲۰۰۹، ص ۳۲

[14] محمد احمد، مرزا معاشرتی تحقیق، پروگریسو پبلیکیشنز، لاہور، ۱۹۸۹، ص ۳۱

[15] A.B,Berg son ,The new encyclopedia o bitannica

تعریف شامل نہیں ہو گی۔ گویا اس کائینات کا اصل محور اور مرکز انسان ہی ہے اور انسان ہی کے لئے تمام جہان کی رنگینیاں تخلیق کی گئی ہیں اور وہی محور و مرکز کائنات ہے۔ مگر انسان کو مرکز کائنات ہونے کا ساتھ ساتھ اس کائنات میں سب سے زیادہ عقل و شعور بھی دیا گیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس کائنات میں انسان کو خدا کا خلیفہ کا مقام دیا گیا ہے۔ اللہ تعالی نے حضرت آدمؑ کو تخلیق فرمایا اور حضرت حوا کو ان کی مصاحبت کے لیے تخلیق فرمایا اور ان کو زمین پر بھیجنے کے بعد ان کے ذریعے نسل انسانی کو بڑھایا جس سے خاندان، و قوم، قبیلہ اور معاشرہ کی بنیاد پڑی ارشاد باری تعالی ہے:

"یٰٓاَیُّهَاالنَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّ نِسَآءً ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَیْكُمْ رَقِیْبًا"[16]

حضرت آدمؑ اور حضرت حوا کی اولاد بڑھتی گئی اور بڑھتے بڑھتے خاندان، گروہ، قبیلے اور اقوام میں تقسیم ہوتی گئی۔ اور یوں معاشرے کی تشکیل کے ساتھ ساتھ معاشرے میں موجود افراد کے باہمی میل جول اور تعلقات کے لئے ایسے باہمی اصول و ضوابط کی ضرورت پڑی جن پر عمل کرتے ہوئے معاشرہ پر امن رہے اور تمام افراد کے حقوق ان تک کما حقہ پہنچ جائیں۔ چونکہ دین اسلام دین فطرت ہے اور تمام نسل انسانی کے تمام جہات میں راہنمائی کرتا ہے لہذا خدا تعالی نے اس کے متعلق اصول و ضوابط مقرر کیے ہیں۔

ہر دور میں معاشرے میں موجود فساد کو ختم کرنے اور معاشرے کو پر امن بنانے کے لئے مثبت سوچ و فکر رکھنے والے اور صاحب بصیرت افراد نے معاشرے کے اصلاح کے لئے کوششیں کی ہیں لیکن بہت ہی کم ایسا ہوا ہے کہ کسی بھی مصلح اور دانشور کی راہنمائی مکمل طور پر درست ہوئی ہو اور تاریخ بھی اس بات پر شاہد ہے کہ مختلف اوقات یا ادوار میں مختلف دانشوروں نے اصلاح معاشرہ کے لئے ایسے نظریات دیے جو کہ ایک دوسرے سے متصادم ہوئے اور مزید الجھاؤ اور پریشانی کا سبب بنے۔ لہذا معاشرے کی بقاء اور بہتری کی کوششیں کرنا اور اس کی اچھائی اور امن و امان کا خیال رکھنا ہمیشہ ہی انسانوں کے لئے سب سے اہم مقاصد میں شامل رہا ہے اور اپنے ماحول اور ارد گرد کا خیال رکھتے ہوئے اسے دشمنوں اور فتنہ و فساد کرنے والوں سے بچانے کے لئے انسان نے بہت سی جنگیں لڑی اور یہ اس کے خمیر میں رہا ہے کہ وہ اپنے ماحول کی اور اپنے گھر والوں کی حفاظت کرے، مگر اس کے مقابل بھی بہت سے لوگ رہے ہیں جو معاشرتی بد سکونی اور بد امنی سے اپنے ذاتی مفادات کا حصول چاہتے تھے۔

Hasting James لکھتے ہیں:

"The reason for the shrinking of religion in European society is that the papacy, which was a symbol of religious domination, has failed miserably, fed up with the corruption and fundamentalism of church clergy Insight saw the need for a renaissance and thus limited the involvement of religion in social life[17]"

ترجمہ: یورپی معاشرہ میں مذہب کے عمل دخل کو اس حد تک سکھیڑنے کا سبب یہ ہے کہ وہاں پاپائیت جو مذہبی تسلط کی نشاندہی کرتی تھی بری طرح ناکام ہوئی کلیسا کے پادریوں کی بد عنوانیوں اور بنیاد پرستیوں سے تنگ آکر یورپ کے دانشوروں اور اصحاب بصیرت نے نشاۃ ثانیہ کو ضروری سمجھا اور یوں معاشرتی زندگی میں مذہب کے عمل دخل کو بالکل محدود کر دیا گیا

---

[16] القرآن، سورہ نساء آیت ا

[17] Hasting,James Encyclopedia of religion and ethics new York, 1928 vol-3

ڈاکٹر محمد عبدہ[18] (محمد عبدہ بن خیر اللہ مصر کے ایک قصبہ شنسرا میں پیدا ہوئے1849-1905 جامعہ ازہر سے تعلیم حاصل کی۔) کہتے ہیں:

"لقد ورثنا ديننا عن أجدادنا،والسبب الوحيد لإسلام شخص ما هو أن أسلافه كانوا مسلمين"[19]

ترجمہ: ہمارا دین ہمیں اپنے آباءواجداد سے وراثت میں ملاہے۔ کسی بھی شخص کے اسلام کی وحید اور پہلی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اس کے آباءو اجداد کا مذہب اسلام رہاہے۔

لہٰذا معاشرہ کے متعلق ان تمام ابحاث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ معاشرہ انسانوں اور کائنات کے تمام موجودات کے ملاپ کا نام ہے۔ کائنات میں موجود تمام مخلوقات کا آپس میں باہمی ربط ہے اور انسان کو اللہ تبارک اپنا خلیفہ بنا کر بھیجا ہے اور تمام مخلوقات کا اصل مرکز اور محور انسان کو ہی قرار دیاہے۔ لیکن پھر انسان کو معاشرے میں رہنے کے اصول وضوابط بھی عطاء فرمائے ہیں جن پر عمل پیرا ہونے کی صورت میں صرف انسان ہی نہیں معاشرے کی بھی بقاہے اور اس کے برعکس کی صورت میں انسان اپنی ذات کے ساتھ ساتھ کائنات میں موجود دوسری مخلوقات کے لئے بھی خطرے کا سبب بن جاتا ہے۔

امن کی لغوی اور اصطلاحی تعریف: امن لغت میں میں امن يامن ايمانا سے ہےوالامان والامانة بمعنی و قد امنت فانا آمن آمنت غيری[20]۔ امن کبھی امان مصدر سے آتاہے اور امن خوف کی ضد ہے ہے جس طرح امن کبھی امانۃ مصدر سے آتا ہے اور امانت کی ضد خیانت ہے اسی طرح امن کبھی ایمان مصدر سے آتاہے اور اس کی ضد کفر ہے۔ اور ایمان بمعنٰی تصدیق کے ہے اور تکذیب اس کی ضد ہے اسی طرح امن خوف کی بھی ضد ہے قرآن کریم میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"الَّذِیۡۤ اَطۡعَمَہُمۡ مِّنۡ جُوۡعٍ ۬ۙ وَّ اٰمَنَہُمۡ مِّنۡ خَوۡفٍ"[21]

ترجمہ: وہ ذات جس نے انہیں بھوک (کی حالت) میں کھانا دیا اور ان کو (ہر طرح کے) خوف سے محفوظ کر دیا۔

اس آیت مبارکہ میں کفار قریش پر اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے احسانات بیان کرتے ہوئے ان کو اپنی عبادت اور اپنی وحدانیت کا درس دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ کفار قریش کو یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا ہی ان پر احسان تھا کہ ان کے لئے یمن کا سفر بھی مامون اور محفوظ بنادیا اور شام کا سفر بھی مامون و محفوظ بنا دیا۔ اس مقام پر امن کے ساتھ ضمیر منصوب متصل لگائی گئی اور اس کا معنی ہوا "ان کو امن دیا"۔ ابو اسحاق فرماتے ہیں کے امن کا معنی اس طرح سمجھنا آسان ہے کہ جو شخص کسی کو امن دینا چاہتا ہے وہ اٰمن ہے ہے یا امین ہے[22]۔ جیسے کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے

"وَ ہٰذَا الۡبَلَدِ الۡاَمِیۡنِ"[23]

---

18 محمد عبدہ، علامہ شیخ الاسلام، عباس محمد، الموسسہ المصریہ العامۃ، قاہرہ ۱۹۶۲

19 محمد عبدہ، علامہ شیخ، الاسلام والنصرانیہ مع العلم المدنیہ، دار الحداثہ، بیروت، ۱۹۰۳، ص ۱۵۰

20 ابن منظور محمد بن مكرم بن علي، جمال الدين ابن منظور، لسان العرب، دار صادر، ص١٦/ ١٦٢

21 القرآن، سورۃ القریش۱۰۶/ ۴

22 المرتضى الزبيدي، محمد بن محمد بن عبد الرزاق، تاج العروس من جواهر القاموس، ص١/ ١٢۴

23 القرآن، سورہ التین، ۹۵/ ۳

ترجمہ: اور قسم ہے اس امن والے شہر کی

اور اس امن والے شہر سے مراد مکہ کا شہر ہے اور امن کی اصل مراد بھی نفس کا اطمینان اور دل سے خوف کا چلا جانا ہے خوشی اور امن مترادفات میں سے ہیں۔ اس لحاظ سے امن خوف کی ضد ہے یعنی جب کوئی کسی دوسرے شخص کو کو امان دیتا ہے تو وہ امن میں آجاتا ہے اور مطمئن ہو جاتا ہے اس پر اللہ تعالی کا یہ ارشاد واضح دلیل ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَ اِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَ اَمْنًا"[24]

ترجمہ: اور اس وقت کو یاد کرو جب ہم نے اس گھر کو لوگوں کے لئے مرکز اور امن کی جگہ قرار دیا تھا

المعجم الوسیط کے مصنف امن کے مادہ کے تحت لکھتے ہیں: امن امنا وامانا و امانة وامنا و قد امن واطمان و لم يخف و قد امن البلد يعنى اطمان اهله[25]

گویا امن یا اطمان کا مطلب ہے دل سے خوف کا چلا جانا اور دل کا مطمئن ہو جانا۔ جب کسی شہر کے بارے میں کہا جاتا ہے امن البلد اس کا مطلب ہوتا ہے کہ اس شہر کے رہائشی ہر طرح کے خوف سے مطمئن ہو گئے ہیں اور اس شہر میں کسی طرح کی خوف اور دہشت نہ رہی ہو ہو میں شر اور فتنہ موجود نہ ہو ہو اور شہر والے ہر طرح کی برائی سے محفوظ ہو۔ اور امن ایمانا کا مطلب ہوتا ہے امن اور سلامتی میں ہونا اور جب اس کے ساتھ بہ کا لفظ لگ جاتا ہے یعنی امن بہ تو اس کا معنی ہوتا ہے اعتماد کرنا بھروسہ کرنا جیسے کہ اللہ تعالی کا قرآن کریم میں ارشاد ہے:

"وَمَآ أَنتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صَٰدِقِينَ"[26]

ترجمہ: اور آپ ہم پر ایمان نہیں لاتے یعنی اعتبار و اعتماد نہیں کرتے اگرچہ ہم درست ہی کہہ رہے ہوں۔

اور جب لفظ امن کے ساتھ فلانا آجاتا ہے یعنی امن فلانا تو اس کے مطلب ہوتا ہے کسی شخص کو بے خوف کر دینا والامنة والامن کا ایک مطلب دل کا سکون و اطمینان بھی ہوتا ہے۔[27] مامن اس جگہ کو کہا جاتا ہے جہاں سے امن کا حصول ممکن ہو یا وہ جگہ جگہ جہاں آدمی امن حاصل کر سکتا ہو اس کے لیے عربی میں موضع الامن کا لفظ بھی بولا جاتا ہے جب کسی شخص کے بارے میں بولا جاتا ہے ہے امنه فلان اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ فلاں آدمی نے اس شخص سے خوف کو دور کر دیا ہے اور اس کو امان دے دیا ہے لہذا امنہ میں فاعل اُمن ہے اور مفعول مامون ہے اور مامون اس شخص کو کہا جاتا ہے ہے جو امن کو حاصل کر چکا ہو۔[28]

اسی طرح ابھی میں ایک جملہ بولا جاتا ہے امن على دعائه مطلب یہ ہوتا ہے کہ فلاں شخص نے دوسرے شخص کی دعا پر آمین کہا عربی میں ایک اور جملہ بولا جاتا ہے امن على ماله یا امن على الشیء اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ فلاں شخص نے مال بطور امانت اپنے

---

[24] القرآن، سورۃ البقرہ ۱۲۵/۲

[25] ابراہیم مصطفیٰ، المعجم الوسیط، دار الدعوۃ، استنبول ص ۲، ۱/ ۱۲۸

[26] القرآن، سورۃ یوسف، ۱۲/ ۱۷

[27] الشرتونی، سعید، قرب الموارد، بیروت منظمۃ الاوقاف والشؤون الخیریۃ، دار الأسوۃ للطباعۃ والنشر، تہران، ایران، ص ۱/ ۲۰

[28] حاصل مطالعہ، معجم متن اللغۃ، الشیخ محمد رضا، مکتبہ الحیاۃ، بیروت، ص ۱/ ۲۰۸

پاس رکھ لیا ہے یا کوئی بھی شیء بطور امانت اپنے پاس رکھ لی ہے اور یہ مال وہ امانت رکھنے والے کو حسب ضرورت واپس کر دے گا یا اگر اپنی غلطی سے مال ضائع کرے گا تو اس کا عوض مالک کے حوالے کرے گا۔

امن کے بیان کردہ ان لغوی و مستعمل مباحث سے یہ بات بخوبی واضح ہوتی ہے کہ اس سے مراد وہ کیفیت یا حالت ہوتی ہے جس میں انسانوں کو راحت، سکون، دل جمعی اور بے خوفی حاصل ہوتی ہے اور کسی بھی طرح کی دہشت اور بے یقینی کی کیفیت سے سے چھٹکارا حاصل ہو جاتا ہے۔ کسی شہر یا علاقے کے پر امن ہونے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ تمام شعبہ ہائے زندگی میں شہر کے رہنے والے تمام افراد کو اعتماد، امن اور سکون حاصل ہو۔

مبحث دوم: معاشرتی امن کی ضرورت واہمیت دینی تعلیمات کی روشنی میں

قرآن کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے معاشرتی اقدار واطوار اور انسانوں کے باہمی معاملات کو بالتفصیل ذکر کیا ہے۔ معاشرہ کون سے عوامل کے اختیار کرنے سے پنپتا ہے اور کون سے ایسے عوامل ہیں جو کسی معاشرے کی جڑوں کو کھوکھلا کر دیتی ہیں قرآن کریم نے اس حوالے سے بھی انسانوں کی راہنمائی فرمائی ہے۔ قرآن کریم نے انسانوں کے بنیادی حقوق کا بھی تذکرہ فرمایا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ لوگوں کی جان مال عزت و آبرو کی حفاظت پر بھی زور دیا ہے، معاشرتی امن کے حصول کے لئے ایسے واضح اصول وضوابط عطاء فرمائے ہیں کہ جن پر عمل پیرا ہونے کی صورت میں معاشرے سے شر وفساد کا جڑ سے خاتمہ کیا جاسکتا ہے۔ انہیں ابحاث کے تحت عدل وانصاف کی تاکید کی گئی ہے اور عدل وانصاف کے قیام میں کسی رشتہ داری یا دشمنی کو اہمیت نہ دینے کی بھی تاکید کی گئی ہے۔ اسی طرح معاشرے سے ظلم وستم کے خاتمے اور شر وفساد کی روک تھام کے لئے بھی معاشرتی اقدار اپنانے کی تاکید کرتا ہے اور انسانوں کے باہمی معاملات میں حسن سلوک اور انسانی ہمدردی کے ساتھ ساتھ اخلاق حسنہ اپنانے پر بھی زور دیتا ہے تاکہ معاشرہ امن وامان کی دولت سے مالا مال ہو سکے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قران کریم میں فساد کو انتہائی ناپسند فرمایا ہے، کیونکہ شر اور فساد سے معاشرے کا امن و سکون برباد ہوتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

"واللہ لا یُحبّ الفسادَ"[29]

ترجمہ: اور اللہ تبارک وتعالیٰ فساد کو پسند نہیں فرماتے

اب چاہے اس فساد اور شر کی کوئی بھی وجوہات ہوں اور کسی کی طرف سے بھی ہو اللہ تعالیٰ فساد اور معاشرتی بگاڑ کو ناپسند فرماتے ہیں اور صرف فساد کو ہی نہیں بلکہ فساد کا سبب بننے والوں کو بھی ناپسند فرماتے ہیں۔ اور اس فساد کے معاملے میں کسی مسلم یا کافر کی تحدید نہیں کی گئی بلکہ تمام فسادیوں اور شر انگیزی پھیلانے والوں کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے:

"انّ اللہ لا یحبّ المُفسِدینَ"[30]

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ فساد برپا کرنے والوں کو ناپسند فرماتا ہے

---

[29] القرآن، سورۃ البقرہ، ۲/۲۰۵

[30] القرآن، سورۃ القصص ۲۸/۷۷

اور قرآن کریم میں بارہا اس بات کی تاکید کی گئی ہے کہ کسی بھی معاشرے کا امن وسکون برباد نہ کیا جائے اور اس کی اصلاح کی کوششیں کی جائیں۔ قرآن کریم میں امن وامان کے حوالے سے تاکید کا اندازا اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ امن کے مشتقات، جیسے ،الایمان، الامانۃ، المومنون، یا اس طرح کے دوسرے مشتقات کی تعداد ۷۰۰ تک پہنچتی ہے۔ اور جو آیات بطور خاص امن کے موضوع کے متعلق ہیں ان کی تعداد ۵۰ تک ہے۔ اور وہ آیات جن میں امن بطور ثلاثی مجرد، اور ایمان سے مشتق بتایا گیا ہے ان کی تعداد ۳۰۰ تک پہنچتی ہے۔ حضرت نبی اکرم ﷺ کی بعثت کا اصل مقصد اور مدعا یہی تھا کہ تمام اقوام عالم کو ایک خدا تعالیٰ کی وحدانیت اور الوہیت کا قائل کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کے احکامات کو تمام لوگوں تک پہنچایا جائے اور ان احکامات کی تعمیل کرائی جائے۔ اس تمام کا نتیجہ اور کمال معاشرتی امن وامان کا قیام ہی ہے۔ حضرت نبی اکرم ﷺ کی بعثت چونکہ ایسی قوم میں ہوئی تھی جس معاشرے اور قوم میں امن وامان کا قیام خواب وخیال ہی تصور کیا جاسکتا تھا۔ ہر طرف ظلم وفساد اور بربریت کا دور دورا تھا۔ تب اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت نبی اکرم ﷺ کو ظہور بخشا اور مکہ معظمہ میں نبی امن ورحمت بنا کر بھیجا۔ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی امن ورحمت کے متعلق حضرت خبابؓ کا سے روایت ہے:

"عن أبي عبد الله خباب بن الأرت ﷺ قال: شكونا إلى رسول الله ﷺ وهومُتَوَسِّدٌ بُرْدَةً له في ظِلِّ الكعبة، فقلنا أَلاَ تَسْتَنْصِرُ لنا، ألا تدعو الله لنا فقال:قد كان من قبلكم يُؤخذ الرجل فيُحفر له في الأرض، فيُجعل فيها، ثمَّ يُؤتى بالمِنْشَارِ فيوضع على رأسه فيُجعل نصفين، ويُمشط بأمشاطِ الحديد ما دون لحمه وعظمه، ما يَصُدُّهُ ذلك عن دينه، والله لَيُتِمَّنَّ الله هذا الأمر حتى يسير الراكب من صنعاء إلى حضرموت لا يخاف إلا الله والذئب على غَنَمِه، ولكنكم تستعجلون. وفي رواية: هو مُتَوَسِّدٌ بُرْدَةً، وقد لقينا من المشركين شدة"[31]

ترجمہ: حضرت خباب بن الارت تمیمیؓ سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے پاس شکایت کی، اس وقت آپ ﷺ خانہ کعبہ کے سائے میں اپنی چادر مبارک کا تکیہ بنائے لیٹے ہوئے تھے (شکایت یہ تھی کہ ہمیں مشرکین سخت اذیتیں دیتے ہیں) آپ ﷺ ہماری مدد کریں اور مشرکین کے خلاف اللہ تعالیٰ سے ہمارے لئے دعا کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم سے پہلے جن لوگوں کا گزر ہوا ہے ان میں سے کسی شخص کے لئے زمین میں گھڑا کھودا جاتا تھا پھر اس کو اس میں گاڑا جاتا، پھر آرا لایا جاتا جو اس کے سر پر رکھا جاتا اور اس سے اس کے دو ٹکڑے کر دئے جاتے اس کے باوجود نہ وہ اپنے دین سے پھرتا تھا۔ پھر ان میں سے کسی کو لوہے کی کنگیوں کے ذریعے گوشت کے نیچے ہڈیوں اور پٹھوں تک کو چھیل دیا جاتا مگر اس کے باوجود وہ اپنے دین سے نہ پھرتا اللہ کی قسم یہ دین غالب ہو کر رہے گا یہاں تک کہ ایک سوار صنعاء یمن سے حضر موت تک سفر کرے گا اور اسے اللہ کے سوا کسی کا ڈر نہ ہو گا۔ یا اسے اپنی بکریوں کے لئے بھیڑیے کا ڈر ہو گا لیکن تم جلدی کرتے ہو۔

اس حدیث مبارکہ میں آپ ﷺ نے اسلام کے آنے کا جو نتیجہ اور مقصد بیان کیا ہے وہ معاشرے کا پر امن اور فسادات سے محفوظ ہونا ہے۔ حضرت نبی اکرم ﷺ کی پاکیزہ سیرت کو جس جہت سے بھی دیکھا جائے آپ کی حیات طیبہ کا جس مقام سے بھی مطالعہ کیا

---

[31] بخاری، محمد بن اسماعیل، الصحیح البخاری، کتاب المناقب باب علامات النبوۃ حدیث نمبر ۳۶۱۲

جائے۔ ہر مقام پر حضرت نبی اکرم ﷺ داعی امن اور نبی رحمت نظر آتے ہیں۔ وہ چاہے حرب فجار کا موقع ہو جو قریش و قیس کے مابین تھی یا معاہدہ حلف الفضول ہو جو کہ ذی القعدہ ۵۹۰ء میں طے پایا۔ جس میں تمام قبائل نے مل کر معاشرتی امن و امان کے حوالے سے معاہدہ کیا تھا، اس معاہدے کے کچھ اہم نکات یہ تھے:

۱۔ ہم مظلوموں کا ساتھ دیں گے خواہ وہ کسی بھی قبیلے کے ہوں یہاں تک کہ ان کا مکمل حق ان کو مل جائے

۲۔ ملک میں ہر طرح کا امن و امان قائم کریں گے

۳۔ مسافروں کی حفاظت کریں گے

۴۔ کسی بھی ظالم شخص کو مکہ میں نہ رہنے دیں گے۔

چونکہ یہ امن کا معاہدہ تھا اس لئے حضرت نبی اکرم ﷺ نے اس معاہدہ میں بھرپور شرکت کی۔ اس معاہدے میں شرکت اور اس کے قیام کے لئے کوششوں سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت محمد ﷺ کس حد تک معاشرے میں امن کے قیام کے لئے کوشاں رہے۔[32]

اسلام امن و صلح کو ترجیح دیتا ہے: اسلام ہمیشہ امن و امان کا درس دیتا ہے چاہے وہ مسلمانوں کے مابین کسی معاملے میں ہو یا غیر مسلموں کو امن و امان دینا ہو۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اسلام کی ابتداء جس شہر سے کی اس شہر کو بھی شہر امن یا بلداً امناً کہا گیا۔ یعنی شہر مکہ یہ شہر امن کا شہر اسی لئے کہلایا کیونکہ حضرت ابراہیمؑ نے نے کعبۃ اللہ کی تعمیر کے بعد اس کے حوالے سے بہت سی دعائیں مانگی تھی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے

"وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّ اجْنُبْنِیْ وَ بَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ"[33]

ترجمہ: اور یاد کرو جب ابرہیمؑ نے دعا کی تھی اے میرے رب اس جگہ کو امن کا شہر بنادے اور مجھے اور میرے بیٹوں کو بتوں کی عبادت کرنے سے بچائے رکھ۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کی دعا قبول فرمائی اور بیت اللہ کو مقام امن قرار دے دیا۔ اور اس کی قسم کھاتے وقت اس کی سب سے عمدہ صفت کا تذکرہ فرمایا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا اور شاد مبارک ہے:

"و ھٰذَا البَلَدِالاَمینِ"[34]

ترجمہ: اور قسم ہے اس پر امن شہر کی

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس شہر کو شہر امن بنایا اور پھر اس شہر میں تمام انسانوں اور تمام جانوروں کو امن کی جگہ بنادیا۔ اور اس برکت کی جگہ بنادیا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے محبوب ﷺ کے وطن کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

"انّ اوّلَ بیت وُضِعَ للنَّاسِ للّذی بِبَکَّۃَ مُبٰرَکاً و ھدیً لّلعٰلَمینَ فیہِ اٰیاتٌ بیّنٰتٌ مَقَامُ ابراہِیمَ وَمن دَخَلَہُ کانَ اٰمِناً"[35]

---

[32] حمیری، ابو محمد عبد الملک بن ھشام بن ایوب، السیرۃ النبویۃ، سیرت ابن ہشام، ص ۱/ ۱۳۴

[33] القرآن، سورۃ ابراہیم، ۱۴/ ۳۵

[34] القرآن، سورۃ التین: ۹۵/ ۳

[35] القرآن، سورۃ آل عمران، ۳/ ۹۷

ترجمہ: بے شک اللہ کا سب سے پہلا گھر جس کو اس نے لوگوں کی لئے مرکز عبادت قرار دیا وہ ہی ہے جو مکہ میں ہے، برکت والا ہے اور سارے جہان کے لئے ہدایت کا سرچشمہ ہے۔ اس میں اللہ کی واضح اور کھلی نشانیاں ہیں، مقام ابراہیم ہے۔ جو کوئی وہاں داخل ہو جائے اسے امن حاصل ہے۔

قرآن کریم کی تعلیمات امن تمام لوگوں کے لئے عام ہیں اور اسلام میں غیر مسلموں یعنی یہودیوں اور عیسائیوں کو بھی امن کا برابر حقدار ٹھہراتا ہے بلکہ امن کو تمام انسانوں کی مشترکہ میراث قرار دیتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَ لَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَ بِيَعٌ وَّ صَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا وَ لَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ-اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ"[36]

ترجمہ: اور اگر اللہ تعالی انسانوں میں سے بعض کو دوسرے بعض کے ذریعے دفع نہ فرماتا تو خانقاہیں اور گرجا اور کلیسا ضرور ڈھادی جاتیں اور مسجدیں جن میں اللہ کا بکثرت نام لیا جاتا ہے۔ اور بے شک اللہ ضرور مدد فرمائے گا اس کی جو اس کے دین کی مدد کرے گا۔ بے شک اللہ قدرت والا غالب ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے مسلمانوں کو اس بات کی تاکید کی ہے کہ جب بھی کبھی صلح کی امید ہو تو ضرور صلح کی طرف جایا جائے بجائے جنگ و جدل کے۔ اور صلح کے لئے تمام ایسی صورتوں کو اپنایا جائے جن کی صورت میں اسلام یا مسلمانوں کا من حیث المجموع نقصان نہ ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وان جَنَحُوا لِلسَّلم فاجنَح لها"[37]

ترجمہ: اور اگر وہ صلح کے لئے تیار ہو جائیں تو تم بھی تیار ہو جاؤ

اس حوالے سے جب غیر مسلموں کے ساتھ صلح کی تاکید کی گئی ہے تو مسلمانوں کو تو بطور خاص باہمی صلح وصفائی کی تلقین کی گئی ہے اور مسلمانوں کو ہر صورت باہمی امن و امان کے قیام کے لئے کوششیں کرنے کا حکم فرمایا گیا ہے اور اگر کبھی ایسی صورت حال کا سامنا ہو جائے کہ مسلمانوں کے دو گروہ کسی وجہ سے باہمی ناراضگی اور چپقلش کا شکار ہو جائیں تو باقی مسلمانوں کو ان کے مابین صلح کرانے کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وان طائفتٰنِ من المؤمنينَ اقتتلُوا فاصلِحوا بينهما فإن بغت إحدٰهما علىٰ الأُخرىٰ فقاتِلوا الَّتى تبغى حتّىٰ تفىءَ إلىٰ امرِاللّٰهِ فإن فآءَت فأَصلِحوا بينَهُما بالعدلِ واقسِطُوا اِنّ الله يحبُ المقسِطينَ"[38]

ترجمہ: اور اگر مسلمانوں میں سے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کی آپس میں صلح کرادو، پھر اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے گروہ پر زیادتی کرے تو اس گروہ سے لڑو جو زیادتی کرتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔ پھر اگر وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ کر آجائے تو ان کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کراؤ اور انصاف کرو بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

---

[36] القرآن، سورۃ الحج، آیت ۲۲/ ۴۰

[37] القرآن، سورۃ الانفال: ۸/ ۶۱

[38] القرآن سورۃ الحجرات، ۴۹/ ۹

اللہ بارک و تعالیٰ امن کو پسند فرماتے ہیں اور امن کے لئے راہیں ہموار کرنے والوں کی مدد و نصرت فرماتے ہیں اور تمام انسانوں کو اس بات کی تاکید فرماتے ہیں کہ تمام لوگ ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی کریں اور معاشرے میں کسی بھی قسم کے فساد و فتنہ کی سرکوبی کریں۔ اگر ہم نبی اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ اور احادیث مبارکہ کی طرف دیکھتے ہیں تو ہمیں جابجا امن و امان کا درس ملتا ہے۔ حضرت نبی اکرم ﷺ نے جب اسلام اور مسلمانوں کے شعائر اور اوصاف گنوائے تو مومن اور مسلم کی تعریف کچھ یوں فرمائی۔ اور شاد نبوی ﷺ ہے:

"حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي السَّفَرِ، وَإِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِي خَالِدٍ، عَنْ الشَّعْبِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ، وَالْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَا نَهَى اللَّهُ عَنْهُ"[39]

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ کا فرمان مبارک ہے۔ مسلمان وہ ہے کہ دوسرے مسلمان جس کی زبان اور ہاتھ کی ایذاء رسانی سے محفوظ ہوں اور مومن وہ ہے جس سے دوسرے لوگ اپنے مال اور عزتوں کے معاملے میں مامون ہوں۔ اور مہاجر وہ ہے کہ جو اللہ کے منع کردہ امور کو چھوڑ دے۔

اس حدیث مبارکہ سے یہ بات کھل کر سمجھ میں آجاتی ہے کہ اصل ایمان یہ ہے کہ دوسروں کے حقوق کی ادائیگی کی جائے اور دوسروں کی عزتوں اور ان کے اموال پر بری نظر نہ رکھی جائے۔ اور یہی معاشرتی امن کا سب سے بڑا اور اہم اصول ہے۔ جب لوگ دوسروں کے حقوق کو ادا کرتے رہے گے اور کسی کی عزت و ناموس پر ہاتھ نہ ڈالیں گے اور اپنی زبان اور اپنے اختیار سے دوسروں کی ایذاء رسانی سے رکے رہیں گے تو معاشرہ خود بخود امن و سکون کا مرجع بن جائے گا۔

معاشرتی امن کا اسلامی تصور: اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن کریم میں ایسے اصول و ضوابط بیان فرمائے ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر انسانی معاشرہ بہترین معاشرہ بن سکتا ہے اور ان پر عمل پیرا ہوتے ہوئے انسانوں کے مابین الفت و محبت کی فضاء قائم ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے حقوق کو واضح طور پر بیان فرمایا ہے اور پھر ان حقوق کی ادائیگی پر زور بھی دیا ہے ہے اور پھر ایسے اصول و قواعد انسانوں کی راہنمائی کے لئے بنائے ہیں جن کے ذریعے تمام انسانوں کو ان کے حقوق حاصل ہو سکتے ہیں۔ ذیل میں کچھ قرانی اصول بیان کیے جاتے ہیں جو کہ معاشرتی امن کے قیام میں ممد و معاون ہو سکتے ہیں۔

انسانی مساوات اور عدل و انصاف: اسلام میں عدل و انصاف اور مساوات کی بہت تاکید کی گئی ہے۔ کیونکہ جب تک معاشرے میں عدل و انصاف کا دور دورانہ ہو اور مساوات نہ ہو بلکہ معاشرہ مختلف طبقات میں بٹا ہوا ہو تو اس صورت میں معاشرے میں بد امنی اپنی جڑیں مضبوط کر لیتی ہے۔ اور معاشرے کے جس فرد کو اس کا حق نہیں ملتا وہ پورے معاشرے کو مفلوج کرنے پر تلا ہوا ہوتا ہے۔ معاشرتی اور اقتصادی امن و ترقی مکمل معاشرتی امن کے بغیر ناممکن ہے۔ اور اس امن کے حصول کے لئے معاشرے میں مساوات کو رواج دینا اور طبقاتی تفریق کو ختم کرنا انتہائی ضروری ہے۔ اور معاشرے میں عدل و انصاف کا بول بالا کرنے سے ہی معاشرہ ترقی و خوشحالی کی راہ پر

---

[39] قشیری، نیشاپوری، ابو الحسین مسلم بن حجاج، صحیح المسلم، کتاب الایمان۔ حدیث ۱۶۲

گامزن ہو سکتا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے بہت سے مقامات پر عدل و انصاف کرنے کا حکم انتہائی تاکید سے فرمایا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ"[40]

ترجمہ:یقیناً اللہ تعالیٰ عدل کرنے کا اور اچھائی کرنے کا حکم دیتا ہے

اللہ تعالیٰ لوگوں کے مابین فیصلہ کرتے ہوئے عدل و انصاف کرنے کی تاکید کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

"وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ ٱلنَّاسِ أَن تَحْكُمُواْ بِٱلْعَدْلِ"[41]

ترجمہ:اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف سے فیصلہ کرو

عدل و انصاف پر قائم رہنا تمام مومنوں کے لئے لازم ہے چاہے اس عدل و انصاف کرنے میں انہیں اپنے گھر والوں اپنے رشتہ داروں یا کسی کے بھی مقابلے میں جانا پڑے۔ کیونکہ اسلام میں عدل و انصاف کے مقابلے میں کسی کے رتبہ، مقام، یا رشتہ داری۔ یا دوستی دشمنی کا خیال رکھنے کی بالکل اجازت نہیں دی گئی ہے۔ ایک اور مقام پر اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا- اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ[42]

ترجمہ: اے ایمان والو! انصاف کے ساتھ گواہی دیتے ہوئے اللہ کے حکم پر خوب قائم ہو جاؤ اور تمہیں کسی قوم کی عداوت اس پر نہ اُبھارے کہ تم انصاف نہ کرو (بلکہ) انصاف کرو، یہ پرہیز گاری کے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرو، بیشک اللہ تمہارے تمام اعمال سے خبردار ہے۔

اس لئے تقویٰ اور پرہیز گاری یہی ہے کہ کسی بھی شخص کی ذاتی دوستی یا دشمنی انصاف کی راہ میں حائل نہیں ہونی چاہیے۔ اور ہر صورت میں حق اور سچ کا ساتھ دیا جائے۔ اسلام کی یہی خوبصوری ہے کہ معاشرے کے تمام طبقات تمام مذاہب و ادیان کے ماننے والے اسلام کے زیر سایہ رہ سکتے ہیں کیونکہ ان کو معلوم ہے کہ ان کو ان کے مکمل حقوق حاصل ہیں اور ان کے تمام حقوق کا تحفظ اسلامی ریاست و حکومت کرے گی۔ اور یہی ہر مسلمان کے لئے انفرادی و اجتماعی زندگی میں لازمی امر ہے۔

احادیث مبارکہ میں بکثرت عدل و انصاف کرنے اور ہر صورت میں حق دار کو اس کا حق دینے کی تاکید کی گئی ہے اس حوالے سے آپ کا یہ واقعہ ملتا ہے۔ مستدرک حاکم کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہؐ تشریف فرما تھے صحابہ کرامؓ کی مجلس لگی ہوئی تھی، ایک صحابیؓ آکر بیٹھے جنہوں نے جسم پر صرف ایک ہی چادر باندھی ہوئی تھی اور ان کی کمر ننگی تھی۔ اس زمانے میں دو چادریں کم ہی لوگوں کو میسر ہوتی تھیں، زیادہ تر لوگوں کے پاس جسم ڈھانپنے کے لیے صرف ایک ہی چادر ہوا کرتی تھی۔ حضورؐ کے ہاتھ میں کھجور کی ایک ٹہنی تھی آپؐ نے بیٹھے بیٹھے بے تکلفی سے ان صحابیؓ کی ننگی کمر پر چھڑی مار دی۔ حضورؐ کا ہاتھ ذرا سخت لگ گیا اور صحابیؓ کی کمر پر خراشیں آگئی۔ صحابیؓ

---

[40] القرآن، سورۃ النحل۔۱۶/۱۹

[41] القرآن سورۃ النساء۔۴/۵۸

[42] القرآن، سورہ المائدہ:۵/۸

کہنے لگے کہ یارسول اللہ! آپ نے مجھے چھڑی ماری ہے میں تو اس کا بدلہ لوں گا۔ آج کے زمانے میں تو سربراہ مملکت کو عدالت میں ویسے بھی نہیں طلب کیا جاسکتا اور جہاں طلب کیا جاسکتا ہے وہاں بھی حکومتی اثر ورسوخ عدالتی کاروائی میں آڑے آجاتا ہے۔ دنیا بھر میں یہ بات عام ہے کہ بادشاہ ہو یا سربراہِ مملکت جب تک وہ اپنے منصب پر فائز رہتا ہے عدالت میں طلبی سے مستثنیٰ ہوتا ہے۔ چنانچہ ایسی بات حضورؐ کی مجلس میں بھی کہی جاسکتی تھی کہ بھئی حضورؐ سے بدلے کا حق مانگنے کی یہ جسارت تم نے کیسے کی! حضورؐ سے بڑا وی آئی پی اس دنیا میں کون ہوگا؟ لیکن جناب نبی کریمؐ نے صحابی کے مطالبے پر کیا ردعمل ظاہر کیا؟ آپؐ نے چھڑی ان صحابی کے ہاتھ میں دے کر اپنی کمر سامنے کر دی، آپؐ نے اس بارے میں کوئی عذر پیش نہیں کیا اور کوئی ایسی بات نہیں کہی کہ میں اللہ کا نبی ہوں اور میں حاکمِ وقت ہوں اس لیے کوئی مجھ سے بدلہ لینے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ حالانکہ کوئی بات بھی امتیاز کی ایسی نہیں ہے جو حضورؐ میں نہیں تھی۔ ان صاحب نے چھڑی پکڑی اور کہا کہ یارسول اللہ! بدلہ برابر نہیں ہے اس لیے کہ آپ نے میری ننگی کمر پر چھڑی ماری ہے جبکہ آپ نے کرتا پہن رکھا ہے، آپؐ پہلے اپنا کرتا اتاریے۔ ہم تو آج کے ماحول میں اپنے پیر و مرشد کے لیے، اپنے استاد کے لیے ایسی بات برداشت نہیں کرتے۔ حضورؐ مسکرائے کرتا اتارا اور کمر سامنے کر دی، ان صحابیؓ نے چھڑی پھینکی اور حضورؐ سے لپٹ گئے اور کہا کہ یارسول اللہ! وہ ہاتھ ٹوٹ نہ جائیں جو آپ پر اٹھیں، میں تو اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آپ کے جسم سے جسم ملانے کا بہانہ تلاش کر رہا تھا۔ لیکن جناب نبی کریمؐ نے عدل کا تقاضا پورا کیا اور یہ تصور دیا کہ قانون کی نظر میں انصاف سے کوئی مستثنیٰ نہیں ہے۔[43] اسی ایک حدیث مبارکہ میں نبی اکرم ﷺ کا معاشری امن کے قیام کے لئے حکم ملتا ہے۔ حدیث نبوی ﷺ ہے:

"قَالَ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ أَنَّ امْرَأَةً سَرَقَتْ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزْوَةِ الْفَتْحِ مُرْسَلٌ فَفَزِعَ قَوْمُهَا إِلَى أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ يَسْتَشْفِعُونَهُ قَالَ عُرْوَةُ فَلَمَّا كَلَّمَهُ أُسَامَةُ فِيهَا تَلَوَّنَ وَجْهُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَتُكَلِّمُنِي فِي حَدٍّ مِنْ حُدُودِ اللَّهِ قَالَ أُسَامَةُ اسْتَغْفِرْ لِي يَا رَسُولَ اللَّهِ فَلَمَّا كَانَ الْعَشِيُّ قَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطِيبًا فَأَثْنَى عَلَى اللَّهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ ثُمَّ قَالَ أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّمَا هَلَكَ النَّاسُ قَبْلَكُمْ أَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا سَرَقَ فِيهِمْ الشَّرِيفُ تَرَكُوهُ وَإِذَا سَرَقَ فِيهِمْ الضَّعِيفُ أَقَامُوا عَلَيْهِ الْحَدَّ وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا ثُمَّ أَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِ تِلْكَ الْمَرْأَةِ فَقُطِعَتْ فَحَسُنَتْ تَوْبَتُهَا بَعْدَ ذَلِكَ قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا وَكَانَتْ تَأْتِينِي بَعْدَ ذَلِكَ فَأَرْفَعُ حَاجَتَهَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ"[44]

ترجمہ: حضرت عروہ ابن زبیرؓ سے مرسلا روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں فتح مکہ کی جنگ کے وقت ایک عورت نے چوری کرلی۔ اس کی قوم کے لوگ گھبرا کر حضرت اسامہ بن زیدؓ کے پاس آئے کہ وہ اس کی سفارش فرمادیں۔ جب حضرت اسامہ نے آپ سے اس کی بابت بات چیت کی تو رسول اللہ ﷺ کے چہرا اقدس کا رنگ بدل گیا۔ آپ نے فرمایا: "کیا تو اللہ تعالیٰ کی حدود میں سے ایک حد کے بارے میں سفارش کرتا ہے؟" اسامہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! میرے لیے استغفار فرمائیں۔ ظہر کے بعد رسول اللہ ﷺ خطبے کے لیے کھڑے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی تعریف فرمائی جو اس کی شان کے لائق ہے۔ پھر فرمایا: "امابعد (اے لوگو!) تم سے پہلے لوگ اس بنا پر تباہ ہوئے کہ جب ان میں کوئی طاقت ور شخص چوری کرتا تو اس کو چھوڑ دیتے۔ اور جب کوئی کمزور شخص چوری کرتا تو

---

[43] محدث، النیشاپوری، امام الحافظ ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الحاکم المستدرک للحاکم، المستدرک علی الصحیحین، مترجم: ابو الفضل محمد شفیق الرحمن قادری رضوی، ۲۳۳

[44] النسائی، احمد بن شعیب، المجتبی من السنن، سنن النسائی، حدیث نمبر ۴۹۰۷

اس پر حد نافذ کر دیتے۔ قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے! اگر (بالفرض) فاطمہ بنت محمد (ﷺ) چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔" پھر رسول اللہ ﷺ نے اس عورت کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ لیکن اس کے بعد اس نے بہت اچھی توبہ کرلی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اس کے بعد وہ میرے پاس آیا کرتی تھی اور میں اس کی گزارشات وضروریات رسول اللہ (ﷺ) کی میں پیش کیا کرتی تھی۔

اب اس حدیث مبارکہ میں آپ ﷺ نے فاطمہ مخزومیہ کے حوالے سے فرمایا کہ کیا تم ایک عورت کی اس لیے سفارش کرتے ہو کہ وہ بڑے خاندان کی ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ خدا کی قسم اگر میری بیٹی فاطمہ چوری کرے گی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دوں گا۔ اب حضورؐ سے بڑا خاندان کس کا ہو سکتا ہے لیکن نبی کریمؐ نے یہ تعلیم دی کہ جرم کی سزا ایکساں ہے چاہے کسی بڑے خاندان کا فرد جرم کرے یا کسی چھوٹے خاندان کا۔ معاشرے میں عدل قائم ہو گا تو مساوات کا ماحول پیدا ہو گا۔ اور یہی معاشرتی امن وامان کا اصل منبع ومرجع ہے۔

افراد معاشرہ کے بنیادی حقوق کا تحفظ اور معاشرتی امن وامان: کسی بھی معاشرے کو پر امن بنانے میں اس بات کا بہت دخل ہوتا ہے کہ اس معاشرے میں موجود انسانوں کو ان کے بنیادی حقوق حاصل ہیں یا نہیں۔ اگر کوئی معاشرہ ترقی کی راہوں کا مسافر بننا چاہتا ہے تو سب سے پہلا کام جو کرنا ہوتا ہے وہ یہ ہوتا ہے کہ افراد معاشرہ کے حقوق کا تعین کر کے ان کے حقوق کی ادائیگی کو یقینی بنایا جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ معاشرے میں رہنے کے لئے جو انتہائی بنیادی اشیاء ہیں ان کی فراہمی ہر فرد تک آسان بنائی جائے۔ اس حوالے سے اسلام میں حقوق کے ساتھ ساتھ رفاہی کاموں کی بھی تاکید کی ہے اور ایسے لوگوں کی تعریف کی ہے جو اپنے اموال میں سے ایک حصہ معاشرے کے کمزور طبقات پر خرچ کرنے اور ان کے مسائل کے حل کرنے میں لگا دیتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے:

"و فِی اَموَالِهم حقٌّ للسَّائِلِ و المَحرُومِ"[45]

ترجمہ: اور ان کے مال میں سائل اور محروم کا حصہ ہے۔

اسلام کے اس نظام کی بدولت ہی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو وہ شان وشوکت اور وہ عزت عطاء فرمائی تھی کہ معاشرے میں غریب یا مسکین لوگ ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتے تھے اور کوئی بھی انسان بلا ضرورت یا بلا استحقاق ایسے اموال کے حصول کا خواہاں نہ ہوتا تھا جس کا وہ مستحق نہ ہو۔ جب کہ آج کے معاشرے کی تباہی وبربادی کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی ہے کہ جو لوگ کسی خاص مال میں استحقاق نہیں رکھتے وہ بھی اس کو حاصل کرنے کے درپے رہتے ہیں جس کی وجہ سے بہت سے حق داروں کا حق چھن جاتا ہے اور معاشرے کے افراد کو ان کے حقوق کماحقہ نہیں مل پاتے۔

ہر انسان کا یہ فطری حق ہے کہ اسے اپنے جان مال اور عزت وآبرو کی حفاظت ملے۔ اور جب کبھی کوئی اس کی عزت وناموس یا آبرو پر حملہ کرے تو اس کا دفاع کیا جائے۔ ہر انسان کا کوئی خاندان، ماں باپ، بیوی بچے ہوتے ہیں اور ان کے ساتھ جذباتی طور پر لگاو ہونا بھی فطری بات ہے۔ انسان پر اپنے متعلقین کی اخلاقی اور قانونی ذمہ داریاں بھی ہوتی ہیں۔ اور ہر شخص یہی چاہتا ہے کہ اس کے متعلقین امن وامان سے رہیں اور ان کو کسی بھی قسم کی تکیف یا گزند نہ پہنچے۔ اور اگر کسی کے ساتھ ظلم وزیادتی ہو بھی جائے تو اس کا دفاع کیا جائے یا اس کا بدلہ دیا جائے۔ ہر ذی روح کے دفاع کے اس حق کو ہر شخص تسلیم کرتا ہے۔ اور ہر مہذب قانون میں اس کو شامل کیا جاتا ہے

---

[45] القرآن، سورۃ الذاریات ۵۱ / ۱۹

۔اسلام نے بھی اس کو بنیادی حق قرار دیا ہے اور اسلام کے مطابق ہر شخص کو اپنی جان مال، عزت و آبرو یا اپنے خاندان کے دفاع کا مکمل حق حاصل ہے اور اگر کوئی مسلمان ان کے حصول میں مارا جاتا ہے تو اس کو شہادت کا مقام حاصل ہو گا۔ حضرت نبی اکرم ﷺ کے فرمودات سے اس بات کی وضاحت ہوتی ہے۔ حضرت سعید بن زیدؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

"عن سعيد بن زيد، عن النبي ﷺ- قال: «من قُتِلَ دُون مَالِهِ فهو شَهيدٌ، ومن قُتِلَ دُون أهْلِهِ، أو دُونَ دَمِهِ، أو دُون دِيْنِهِ فهو شَهيدٌ"[46]

ترجمہ: جو شخص اپنے مال کو بچاتے ہوئے (اس کی حفاظت کرتے ہوئے) قتل کر دیا گیا وہ شہید ہے۔ اور جو اپنے گھر والوں کی حفاظت کرتے ہوئے مارا گیا وہ شہید ہے۔ یا اپنے خون، یا دین کی حفاظت کرتے ہوئے مارا گیا وہ شہید ہے۔

لیکن دفاع یا سیلف ڈیفنس کے متعلق کچھ ضروری باتیں ہیں جو ہر شخص کے لئے ضروری ہیں۔ دفاع دراصل ریاست کی ذمہ داری ہوتی ہے ہر ریاست پر یہ لازم ہوتا ہے کہ وہ شہریوں کی عزت، جان مال کی حفاظت کرے۔

دفاع کے معاملے میں اس بات کا خیال ضرور رکھا جائے کہ طاقت کا استعمال کم سے کم ہو۔ اگر حملہ آور صرف ڈرانے یا دھمکانے سے یا شور شرابے سے فرار کی راہ اختیار کر لے تو اس کے زخمی کرنا یا قتل کرنا درست نہ ہو گا۔ جان صرف تب ہی لی جا سکتی ہے جب اس کے سوا کوئی چارہ نہ ہو۔ حضور خاتم النبیین ﷺ کے خطبہ حجۃ الوداع کو اگر دیکھا جائے تو ہمیں ہر شخص کے لئے اپنی عزت و آبرو کے تحفظ کا ذکر ملتا ہے، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ تمام مسلمانوں کو اس بات کی تاکید بھی ملتی ہے کہ سب لوگوں کی عزت مال جان کی حفاظت کرنا ایسے ہی ضروری ہے جیسے عرفہ کے دن کی یا مکہ معظمہ کی عزت و حرمت کی جاتی ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

"وعنْ أَبي بكْرةَأنَّ رسُول اللَّه ﷺ قَالَ في خُطْبتِهِ يوْم النَّحر بِمنىً في حجَّةِ الودَاعِ إنَّ دِماءَكُم، وأمْوالَكم وأعْراضَكُم حرامٌ عَلَيْكُم كَحُرْمة يومِكُم هَذَا، في شهرِكُمْ هَذَا، في بلَدِكُم هَذَا، ألا هَلْ بلَّغْت"[47]

ترجمہ: حضرت ابو بکرہؓ سے روایت ہے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا حجۃ الوداع کے موقع پر منیٰ کے مقام پر نحر والے دن۔ بے شک تمہارے خون اور مال اور عزتیں تم پر ایسے ہی حرام ہیں جیسے کہ اس شہر میں اس مہینہ میں اس دن کی حرمت، سنو کیا میں نے پہنچا دیا؟ اسی طرح اگر کسی شخص پر یا کسی گروہ پر حملہ کیا جائے تو اپنی عزت و ناموس کی حفاظت کرنا واجب ہو جاتا ہے ۔اور حتی المقدور دفاع کرنا اور دشمن سے مقابل کرنا لازم ہو جاتا ہے۔ یہی مضمون حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کردہ حدیث مبارکہ سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں:

"عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَرَأَيْتَ إِنْ جَاءَ رَجُلٌ يُرِيدُ أَخْذَ مَالِي قَالَ فَلَا تُعْطِهِ مَالَكَ قَالَ أَرَأَيْتَ إِنْ قَاتَلَنِي قَالَ قَاتِلْهُ قَالَ أَرَأَيْتَ إِنْ قَتَلَنِي قَالَ فَأَنْتَ شَهِيدٌ قَالَ أَرَأَيْتَ إِنْ قَتَلْتُهُ قَالَ هُوَ فِي النَّارِ"

---

[46] سنن الترمذی، کتاب الدیات، باب ماجاء فی من قتل دون مال فھو شھید۔ حدیث نمبر ۱۴۲۱

[47] بخاری، محمد بن اسماعیل، الصحیح للبخاری، کتاب الحج حدیث نمبر: ۱۷۴۱، رواہ أبو داود، والترمذي

ترجمہ: ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں آکر عرض کرنے لگا اے اللہ کے رسول آپ ﷺ اس آدمی کے بارے میں کیا فرماتے ہیں کہ کوئی آدمی میرا مال لینے (چھیننے کیلئے) آئے؟ آپ ﷺ نے فرمایا تو اس کو نہ دے، اس نے عرض کیا اگر وہ مجھ سے لڑے تو آپ ﷺ کیا فرماتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا تو بھی اس سے لڑ، اس نے عرض کیا اگر وہ مجھے مار ڈالے؟ (قتل کر دے) آپ ﷺ نے فرمایا تو شہید ہو گا، اس نے عرض کیا اگر میں اس کو مار ڈالوں (قتل کر دوں)؟ آپ ﷺ نے فرمایا وہ دوزخ میں جائے گا۔

اسلام نے معاشرے کی بنیاد جن عوامل پر رکھی ہے وہ عوامل ہی دراصل بہترین معاشرے کی بنیاد بنتے ہیں۔ اسلام کے نظریہ کے مطابق انسانی معاشرے کی بنیاد بھائی چارے پر ہے اسلام ایک ایسا مذہب ہے جہاں انسان اور انسانیت کی اس قدر وقیمت ہے کہ جب انسان اللہ تعالی عطاء کردہ دین کی پیروی کرتا ہے تو چاہے وہ جس قبیلے سے ہو جس قوم سے ہو ہو وہ باقی مسلمانوں کے ساتھ رشتہ اخوت میں شامل ہو جاتا ہے۔ اور اس کو بھی تمام مسلمانوں جیسے تمام حقوق حاصل ہو جاتے ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

"عن ابي هريرة قال : قال رسول الله ﷺ: لا تحاسدوا ، ولا تناجشوا ، ولا تباغضوا ، ولا تدابروا ، ولا يبع بعضكم على بيع بعض ، وكونوا عباد الله إخوانا المسلم اخو المسلم لا يظلمه ، ولا يخذله ، ولا يحقره التقوى هاهنا ، ويشير إلى صدره ثلاث مرات ، بحسب امرئ من الشر ان يحقر اخاه المسلم كل المسلم على المسلم ، حرام دمه ، وماله ، وعرضه"[48]

ترجمہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک دوسرے کے ساتھ حسد مت کرو، ایک دوسرے کے ساتھ دھوکے بازی مت کرو، ایک دوسرے کے ساتھ بغض مت رکھو، ایک دوسرے کے ساتھ دشمنی مت کرو، کوئی تم میں سے دوسرے کی بیع پر بیع نہ کرے اور اے اللہ کے بندو بھائی بھائی ہو جاؤ۔ یاد رکھو مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرے، نہ اس کو ذلیل کرے، نہ اس کو حقیر جانے، پرہیز گاری اور تقویٰ یہاں ہے۔ اور اشارہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سینے کی طرف تین بار) یعنی ظاہر میں عمدہ اعمال کرنے سے آدمی متقی نہیں ہو تا جب تک سینہ اس کا صاف نہ ہو۔ آدمی کو یہ برائی کافی ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے، مسلمان کی سب چیزیں دوسرے مسلمان پر حرام ہیں اس کا خون، مال، عزت اور آبرو۔

اسلام تمام لوگوں کے حقوق کا تحفظ کرتا ہے اور اور معاشرے کے تمام افراد کو ان کے حقوق کی فراہمی میں مدد فراہم کرتا ہے۔ اسلام میں پڑوسی کو بھی بہت سے حقوق دیے گئے ہیں چونکہ معاشرے کی بناوٹ میں پڑوس کا بہت بڑا حصہ ہے اس لیے اسلام نے نے پڑوسیوں کے بہت سے حقوق اور فرائض رکھے ہیں۔ پڑوسی کے لئے ضروری ہے کہ جب دوسرا پڑوسی بیمار ہو تو اس کی عیادت کرے اور اگر وہ بھوکا ہے تو اس کو کھانا کھلائیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑوسیوں کو بہت سے حقوق عطا فرمائے ہیں۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

---

48 قشیری، نیشاپوری، ابو الحسین مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب تحریم ظلم المسلم حدیث نمبر: ۶۵۴۱

" عن ابي شريح الخزاعي ان النبي صلى الله عليه وسلم قال من كان يؤمن بالله واليوم الآخر ، فليحسن إلى جاره ، ومن كان يؤمن بالله واليوم الآخرفليكرم ضيفه ومن كان يؤمن بالله واليوم الآخرفليقل خيرااوليسكت"[49]

ترجمہ: ابو شریح خزاعی (خویلد بن عمرو، یاعبد الرحمٰن، یاعمرو بن خویلد، یاہانی بن عمرو کعب) سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہو اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو، اسے چاہیے کہ اپنے ہمسایہ کے ساتھ نیکی کرے اور جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہو اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ وہ اپنے مہمان کے ساتھ احسان کرے اور جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہو اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو، اسے چاہیے کہ وہ اچھی بات کہے (جس میں بھلائی ہو یا ثواب ہو) یا چپ رہے۔"

اگر ایک پڑوسی دوسرے پڑوسی کا خیال رکھے گا تو معاشرے میں امن و امان کو رواج ملے گا اور معاشرتی اور سماجی روابط کے بڑھنے کا سبب بنے گا۔ اس کے برخلاف آپ اگر ایک پڑوسی دوسرے پڑوسی کے ساتھ برے رویے کے ساتھ رہے گا اور پڑوسی کو ایذا اور تکلیف دینے کی کوشش کرے گا۔ تو اس سے معاشرے میں بگاڑ آئے گا۔ حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ پڑوسیوں کے حقوق ادا کرنے کی تاکید کی ہے۔ اور ان کو تکلیف اور ایذاء دینے سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ انتہائی تاکید کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ وسلم کا فرمان ہے:

" عن ابي شريح ، ان النبي صلى الله عليه وسلم قال : والله لا يؤمن والله لا يؤمن والله لا يؤمن قيل : ومن يا رسول الله ؟ قال : الذي لا يامن جاره بوايقه"[50]

ترجمہ: ہم سے عاصم بن علی نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے ابن ابی ذئب نے بیان کیا، ان سے سعید نے بیان کیا، ان سے ابو شریح نے بیان کیا اور ان سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا اللہ کی قسم وہ شخص مومن نہیں۔ اللہ کی قسم وہ شخص مومن نہیں۔ اللہ کی قسم وہ شخص مومن نہیں۔ عرض کیا گیا کون: اے اللہ کے رسول؟ فرمایا وہ جس کے شرور سے اس کا پڑوسی محفوظ نہ ہو۔

اسلام نے تمام مسلمانوں کو دوسرے مسلمانوں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی ہے چاہے وہ پڑوسی ہو قریبی رشتہ دار ہو یا کوئی اجنبی ہو۔ لیکن ان حقوق میں ایک ترتیب رکھی ہے وہ شخص جو آپ کا قریبی رشتہ دار بھی ہے اور پڑوسی بھی ہے وہ آپ کی اچھائی کا زیادہ حق دار ہے اس کے بعد رشتہ دار اس کے بعد پڑوسی اس کے بعد اجنبی اسی طرح برائی سے بچانے کے معاملے میں بھی یہی ترتیب ہے کہ سب لوگوں کو برائی سے بچانے کی کوشش کرنی چاہیے لیکن جو جتنا قریبی ہے اسے برائی سے بچانے میں اتنی ہی کوشش کرنی چاہیے اسی حوالے سے اللہ تبارک و تعالیٰ نے سب سے پہلے نبی اکرم ﷺ کو اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرانے کے متعلق حکم فرمایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ"[51]

ترجمہ: اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈراو

---

[49] قشیری، نیشاپوری، ابوالحسین مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، کتاب الإیمان باب الحث علی إکرام الجار والضیف ولزوم الصمت إلا من الخیر وکون ذلک کله من الإیمان: رقم الحدیث: ۱۷۶

[50] بخاری، محمد بن اسماعیل، الصحیح البخاري کتاب الادب باب إثم من لا یامن جاره بوایقه حدیث نمبر: ۶۰۱۶

[51] القرآن، سورۃ الشعراء، 214/26

اسی طرح اسلام نے اپنے اہل و عیال کی دنیاوی ضرورتوں کو پورا کرنے کی بھی تلقین کی ہے اور نہ صرف اس کا حکم دیا ہے بلکہ اس پر ثواب کا وعدہ بھی کیا ہے۔ اپنے اہل و عیال پر خرچ کرنے کو بھی ابھی صدقہ قرار دیتا ہے اور اور اسلام کے مطابق اپنے رشتہ داروں اور اپنے گھر والوں کے پر خرچہ کرنا بہترین صدقہ ہے۔ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

"عن ثوبان ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال افضل الدینار دینار ینفقہ الرجل علی عیالہ ودینار ینفقہ الرجل علی دابتہ في سبیل اللہ ودینار ینفقہ الرجل علی اصحابہ في سبیل اللہ قال ابو قلابۃ بدا بالعیال ثم قال فاي رجل اعظم اجرا من رجل ینفق علی عیال لہ صغار یعفہم اللہ بہ ویغنیہم اللہ بہ"

ترجمہ: سب سے بہترین دینار وہ دینار ہے جو آدمی اپنے گھر والوں پر خرچ کرے۔ اور بہترین مال یا دینار وہ ہے جو کوئی شخص اللہ کے راستے میں نکلنے والی سواری پر خرچ کرے۔ اور بہترین مال و دینار وہ ہے جو کوئی شخص اللہ کے راستے میں نکلنے والے اپنے ساتھیوں پر خرچ کرے۔ حضرت ابو قلابہ فرماتے ہیں حضرت نبی اکرم ﷺ نے اپنے عیال پر خرچ کرنے کی تقدیم فرمائی۔ پھر فرمایا اس شخص سے بڑھ کر اجر والا کون ہو سکتا ہے کو اپنے چھوٹے بچوں پر خرچ کرئے کہ اللہ ان کی وجہ سے اس کو عافیت عطاء فرماتا ہے اور اسے غنی کر دیتا ہے۔

اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مسلمانوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے کی تاکید کی ہے۔ اور دوسرے مسلمانوں کے لئے بھی وہی رویہ اور معاملہ اختیار کرنے کی تاکید کی ہے جس رویہ کی انسان اپنے آپ کو اہل سمجھتا ہے۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"عن انس عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم قال:لا یؤمن احدکم حتی یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ"[52]

ترجمہ حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کوئی شخص تب تک کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے لیے جو پسند کرتا ہے وہ اپنے بھائی کے لیے بھی پسند نہ کرے

وعدے کی پاسداری کرنا اسلام کے ان سنہری اصولوں میں سے ایک ہے جن پر عمل پیرا ہو کر معاشرہ اور افراد معاشرہ کا ایک دوسرے پر اعتماد اور ایک دوسرے سے تعاون بڑھتا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن کریم میں بارہا ایفائے عہد کی تاکید کی ہے اور ان لوگوں کی تعریف کی ہے جو اپنے وعدوں کی پاسداری کرتے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایک مقام پر حضرت اسماعیلؑ کی تعریف کرتے ہوئے ان کی یہ صفت بیان کی کہ وہ اپنے وعدے کے پکے اور سچائی کے خوگر نبی تھے۔ قرآن کریم میں اللہ تبارک و تعالیٰ وعدہ کی پاسداری کی تاکید کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

"وَاَوفُوا بِالعَھدِ اِنّ العَھدَ کَانَ مَسئُولاً"[53]

ترجمہ: اور اپنے وعدوں کی پاسداری کرو، بے شک وعدوں کے متعلق پوچھ گچھ ہو گی

چونکہ وعدہ کے متعلق قیامت کے دن سوال کیا جائے گا اس لئے ہر انسان کو چاہیے کہ اپنے وعدہ کی پاسداری کرے اور اپنی مکمل کوشش کرے کہ وعدہ خلافی نہ ہو کیوں کہ وعدہ کی خلاف ورزی کرنے والے حدیث مبارکہ کے مطابق منافقین کہلاتے ہیں۔

---

[52] بخاری، محمد بن اسماعیل، الصحیح للبخاری، کتاب الإیمان باب من الإیمان ان یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ حدیث نمبر ۱۳

[53] القرآن، سورۃ بنی اسرآئیل: ۱۷/ ۳۴

اسی طرح اپنے معاملات میں کھرا ہونا اور اور کسی بھی قسم کی ہیرا پھیری سے دور رہنا بھی انسانوں کے مابین الفت و موڈّت کا باعث بنتا ہے۔ وہ معاشرے جن میں تمام افراد معاشرہ لین دین میں کسی قسم کی ہیرا پھیری۔ یا مکر و فریب کرنے سے باز رہتے ہیں ان معاشروں میں افراد کا ایک دوسرے پر اعتماد بڑھتا ہے۔ کسی بھی معاشرے میں جب ایک دوسرے پر اعتماد کی فضاء قائم ہو جاتی ہے تو لین دین آسان ہو جاتا ہے جس کے باعث تجارت کو فروغ ملتا ہے۔ اور تجارت سے معاشرہ ترقی کی راہ پر گامزن ہو جاتا ہے۔ اس کے بر خلاف جس معاشرے کے افراد ایک دوسرے پر اعتماد کی کمی کا شکار ہوتے ہیں ان معاشروں میں تجارت اور لین دین کی کمی ہو جاتی ہے اور اس کی وجہ سے معاشرہ تنزلی کی طرف چلا جاتا ہے۔ اسلام نے ایسے تمام معاملات سے بچنے کی تاکید کی جو معاشرتی انارکی یا بگاڑ کا سبب بنتے ہوں۔ قرآن کریم میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے بہت سے مقامات پر ناپ تول صحیح رکھنے کی تلقین کی ہے۔ کیونکہ ناپ تول اور تجارت و معاملات کی درستگی کا معاشرتی امن و امان کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ ناپ تول اور میزان کا تعلق حقوق العباد سے ہے اور اسلام نے حقوق العباد کی ادائیگی پر بہت زور دیا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے:

"وَاَوفُوا الکَیلَ وَ المِیزَانَ بِالقِسطِ"[54]

"ترجمہ: اور ناپ تول میں پورا انصاف کرو"

قرآن کریم میں ایک سورت مبرکہ کا نام ہی مطفّفِین رکھا گیا ہے، مطففین کا ان لوگوں کا کہا جاتا ہے جو معالات میں غلط بیانی اور ہیرا پھیری سے کام لیتے ہیں۔ سورۃ المطففین میں اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

"ویلٌ لّلمُطَفِّفِینَ اَلَّذِینَ اِذَا اکتَالُوا عَلی النّاسِ یَستَوفُونَ وَاِذَا کَالُوھُم اَو وَزَنُوھُم یُخسِرُونَ"[55]

ترجمہ: بڑی خرابی ہے ناپنے تولنے میں ہیر پھیر کرنے والوں کے لئے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب یہ لوگوں سے ناپ کر لیتے ہیں تو پورا پورا لے لیتے ہیں اور جب لوگوں کو ناپ کر دیتے ہیں تو ناپنے میں کمی کر لیتے ہیں۔

اور اسی طرح کسی کا مال ناحق کھانے سے بھی منع کیا گیا ہے۔ کیونکہ جس معاشرے میں لوگوں کے اموال محفوظ نہیں ہوتے اور عزتیں محفوظ نہیں ہوتی وہ معاشرہ کبھی امن و امان کی اماجگاہ نہیں بن سکتا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے:

"وَلَا تَأ کُلُوا اَموَالَکُم بَینَکُم بِالبَاطِلِ"[56]

اور ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے مت کھاؤ

قرآن ہر شخص کی عزت و آبرو کا خیال رکھنے کا درس دیتا ہے: بلاشبہ جس معاشرے کے لوگوں کے اموال اور ان کی عزتیں محفوظ ہوتی ہیں وہ معاشرہ امن و امان اور معاشرتی و اقتصادی ترقی کی اماجگاہ بن جاتا ہے۔ اسلام نے تمام انسانوں کی عزت نفس کا خیال رکھنے کی تاکید کی ہے اور ایسے افعال سے روکا ہے جن سے لوگوں کی عزت نفس اور آبرو پر حرف آتا ہو۔ اسی حوالے سے ایک نہایت ہی اہم معاملہ گالم گلوچ کا رواج ہے۔ کالم گلوچ اور بد تہذیبی کسی بھی معاشرے میں ناسور کی طرح پھیلتی ہے اور اس کے امن و سکون کو برباد کر کے

---

[54] القرآن، سورۃ ھود: ۱۱/ ۸۵

[55] القرآن، سورۃ المطففین آیت ۲،۱

[56] القرآن، سورۃ البقرۃ، ۲ / ۱۸۸

رکھ دیتی ہے۔اس حوالے سے اسلام نے اس حد تک تاکید کی ہے کہ کفار کو ہی نہیں کفار کے بتوں کو بھی گالم گلوچ کرنے اور اور برا بھلا کہنے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ جب آپ ان کے بتوں کو گالی دیں گے تو وہ کفار مقابلے میں آکر اسلام کو اور اللہ تبارک وتعالیٰ کو (نعوذ باللہ) گالی دے دیں گے۔اور اس طرح خدا تعالیٰ کی بے توقیری اور بے ادب کے وبال میں پھنس جائیں گے اسی معاملہ کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يدعُونَ مِن دُونِ اللهِ فَيَسُبّوا اللهَ عَدواً بِغَيرِ عِلمٍ"[57]

ترجمہ:اور جن کو وہ اللہ کو چھوڑ کر پوجتے ہیں تم ان کو گالی مت دو نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہ بھی اللہ کو دشمنی و مقابلے میں گالی دے دیں گے

اسلام چونکہ کائنات کے موجودات کے حقوق کا محافظ ہے اس لیے اسلام نے یہ درس دیا ہے کہ کائنات میں موجود تمام اشیاء کی حفاظت کی جائے ان میں درخت، نباتات، جمادات سب چیزیں شامل ہیں پھر انسانوں کے حقوق کو فرد سے آغاز کر کے اجتماعیت اور پھر اجتماعیت اور معاشرہ کے نقطہ عروج تک ہر طرح کے حقوق ہر طرح کے شخص کو عطا کیے ہیں۔ پھر ان حقوق کو مختلف انواع میں تقسیم کیا ہے۔ اوراخلاقی، قانونی، سیاسی، معاشرتی اور معاشی تمام کے تمام حقوق انسان کو عطا کیے ہیں۔اور ان حقوق کی خلاف ورزی کرنے کی صورت میں حدود اور تعزیرات کی صورت میں جزا اور سزا کا قانون مقرر کیا ہے۔اور اسلام کے ان حدود اور تعزیرات کے فوائد و کمالات کا ہر کائی معترف ہے کہ ان حدود اور تعزیرات کو اگر لاگو کیا جائے تو کرائم ریٹ بالکل گھٹ کر صفر تک آجاتا ہے۔اگر ہم قرآن کریم اور احادیث مبارکہ کو بغور پڑھیں اور ان کے نتائج پر غور کریں تو ہمیں بلاشبہ یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اسلام کے تمام احکامات اور حقوق و فرائض معاشرے کو ایک مثالی معاشرہ بنانے میں مدد و معاون بنتے ہیں۔ان سب احکامات پر جو شخص بھی عمل پیرا ہو گا وہ معاشرے کا بہترین اور کار آمد شخص ہو گا اور اگر معاشرے کے تمام افراد ان احکامات کو پلو سے باندھ لیں اور ان کے مطابق اپنی زندگیوں کو ڈھال لیں تو معاشرہ بلاشبہ ایک عمدہ اور مثالی معاشرہ میں تبدیل ہو جائے گا۔اسلام نے حقوق کی بنیادی تقسیم حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ہے، حقوق اللہ سے مراد وہ حقوق ہیں جو عبادات سے متعلق ہیں یا یوں کہا جائے کہ ان کا تعلق معاشرے کے افراد سے نہیں ہوتا بلکہ یہ خدا تعالیٰ اور اس کے بندے کے مابین ایک تعلق اور رشتہ کی بنیاد ہوتے ہیں۔اس کے ساتھ دوسرے وہ حقوق ہوتے ہیں جو معاشرے کے افراد سے متعلق بھی ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کی بھی بہت تاکید کی ہے۔اور معاشرتی رویوں میں اور معاملات میں کجی اور کمی کو دور کر کے بالکل کھرا ہونے کا حکم دیا ہے۔اسی لئے حقوق العباد کے پورا کرنے پر اپنی خوشنودی اور رضا مندی کا اعلان بھی فرمایا ہے۔اور ان معاملات میں پورا نہ اترنے والے کے لئے سزا اور عذاب کا بھی وعدہ فرمایا ہے۔بلکہ حقوق العباد ایک پہلو سے زیادہ اہمیت اختیاد کر جاتے ہیں کہ اگر حقوق اللہ میں کوتاہی ہو جاتی ہے تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسان کی موت سے قبل اس کی توبہ قبول کرنے کا وعدہ فرمادیا ہے۔لہٰذا موت سے پہلے پہلے انسان خدا تعالیٰ سے حقوق اللہ میں کمی کو معاف کرا سکتا ہے۔مگر حقوق العباد میں کمی کو معاف کرانے کے لئے اس بندے کو بھی راضی کرنا ضروری ہے جس سے یہ حقوق متعلق ہوتے ہیں۔اور اس کے بعد اللہ تبارک و تعالیٰ سے بھی ان حقوق میں کوتاہی کی مافی مانگنی ہوتی ہے۔کیونکہ یہ صرف بندوں کے ہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ سے متعلقہ حقوق بھی ہوتے ہیں۔

---

[57] القرآن، سورۃ الانعام:۶/۱۰۸

سیرت طیبہ معاشرتی امن کی کوششوں کا ایک مثالی نمونہ: اگر ہم نبی اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ پر غور کریں تو حضرت محمد ﷺ کی زندگی کے ہر ہر پہلو سے ہمیں معاشرے کی بھلائی اور معاشرتی امن کے قیام کی کوشش نظر آتی ہے۔ وہ چاہے قبل از نبوت کی زندگی ہو یا نبوت ملنے کے بعد کی زندگی، معاشرتی امن کے قیام کی ہر کوشش میں نبی اکرم ﷺ بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے نظر آتے ہیں۔ قبل از ہجرت کے کچھ واقعات اس سے قبل بیان کئے جا چکے ہیں۔ ہجرت نبوی کے بعد کی زندگی سے معاشرتی امن کی کوششوں کو ذیل میں بیان کیا جاتا ہے۔

میثاق مدینہ: معاشرتی امن کا ایک اہم معاہدہ: حضرت نبی اکرم ﷺ کی مکی زندگی اور اس کے مصائب و مشکلات اور ان مصائب و مشکلات پر حضرت محمد ﷺ کا صبر اور صحابہ کرامؓ کا صبر امر خداوندی تھا جس پر آپ ﷺ اور صحابہ کرامؓ نے عمل فرمایا۔ ہجرت نبوی ﷺ کے بعد مدینہ کو ایک اسلامی ریاست اور ایک مثالی اسلامی معاشرہ کے طور پر پیش کرنا تھا[58]۔ جب نبی اکرم ﷺ مکہ سے ہجرت فرماء کر مدینہ تشریف لے گئے۔ تو مدینہ کے قیام کے دوران مواخات کا رشتہ مسلمانوں کے مابین قائم فرمایا۔ گویا اس معاہدہ مواخات سے مسلمانوں کو یہ سبق دینا تھا مسلمانوں کے معاشرے کی بنیاد بھائی چارے پر ہے۔ حضرت نبی اکرم ﷺ کی ہجرت کے پہلے ہی سال آنحضور ﷺ نے مدینہ کے رہنے والے تمام رہائشیوں کے ساتھ مسلمانوں کا ایک معاہدہ فرمایا جو یکم ہجری ۶۲۳ء میں وقوع پذیر ہوا[59]۔ جو تاریخ میں میثاق مدینہ کے نام سے جانا جاتا۔ اس معاہدے میں نسل اور مذہب کے اختلاف کے باوجود ایک متحدہ قومیت کا تصور موجود تھا۔ جس کا مقصد باہمی حقوق کی پاسداری اور امن و امان کا قیام تھا۔[60]

میثاق مدینہ کا یہ معاہدہ نبی اکرم ﷺ کی حکمت اور امن پسندی کی روشن دلیل ہے جس کے نتیجے میں مسلمانوں کو ایک آزادانہ اور دفاعی لحاظ سے پر امن خطہ قبضہ میں آ گیا۔ جہاں وہ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اور قانون کی بالادستی قائم کر سکے اور حضرت نبی اکرم ﷺ اس معاہدے کے مطابق سیاسی، قانونی اور عدالتی ثالث قرار پائے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مدینہ ہجرت کے بعد یہاں کی آبادی (خصوصاً یہود) کے ساتھ ایک معاہدہ کیا جو میثاق مدینہ کے نام سے موسوم ہے۔ یہ پہلا بین الاقوامی تحریری معاہدہ ہے جو اقوام کے مابین طے پایا۔ میثاق مدینہ ۶۲۲ء میں ہوا. جو کہ ۵۳ دفعات پر مشتمل ہے۔ اس کی سب سے اہم خصوصیت یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے یہود سے اپنی قیادت تسلیم کرائی جو صدیوں سے مدینہ کی قیادت کرتے چلے آ رہے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی آمد کے وقت مدینہ میں تین یہودی قبائل بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ تھے۔ منشور کا اگر بغور جائزہ لیا جائے تو اس معاہدے کے دو حصے نظر آتے ہیں۔ پہلے حصے کا تعلق انصار و مہاجرین سے ہے۔ اس کے کچھ اہم نکات یہ ہیں:

۱۔ یہ ایک میثاق ہے اللہ کے رسول ﷺ اور قریش و اہل یثرب میں سے اللہ اور اسکے رسول ﷺ پر ایمان لانے والوں کا اور ان لوگوں کا جو ان کے تابع ہونگے اور جنگ کی صورت میں ان کا ساتھ دیں گے۔

۲۔ تمام قبائل و مذاہب کے مقابلے میں مسلمانوں کی ایک علیحدہ اور مستقل سیاسی وحدت ہو گی۔

---

[58] حمیری، ابو محمد عبد الملک بن ھشام بن ایوب، السیرۃ النبویۃ، سیرت ابن ہشام، ص ۲۱۳

[59] ایضاً

[60] عبد الرحمٰن ابن خلدون، علامہ، تاریخ ابن خلدون، نفیس اکیڈمی اردو بازار کراچی، ص:۵۹

(۳تا۱۱)۔مہاجرین قریش، بنی عوف، بنی الحارث بن خزرج، بنی ساعدہ، بنی جشم، بنی النجار، بنی عمرو بن عوف، بنی النبیت اور بنی الاوس تمام کے تمام قبائلا پنے اپنے علاقہ جات کے از خود ذمہ دار ہونگے۔اور خون بہاادا کرنے کی صورت میں ہر قبیلہ آپس میں مل کر ادا کرے گا۔ اوراپنے قیدی چڑوانے کے لئے بھی از خود فدیہ ادا کر کے قیدی چھڑوائے گا۔ تا کہ اہل ایمان کا آپس کا بر تاو انصاف اور نیکی پر مبنی ہو۔

۱۲۔اور سب اہل ایمان کسی بھی ایسے شخص کو تنہانہ چھوڑیں گے جو قرض کے بوجھ تلے دب گیاہو۔ تا کہ اہل ایمان کا آپس کا بر تاو انصاف اور نیکی پر مبنی ہو۔

۱۳۔اور یہ کہ مسلمان آپس میں اور ایل دوسرے کے موالی سے سے معاہدہ برادری از خود پیدا نہ کریں گے۔

۱۴۔اور متقین و مومنین ہر اس شخص کے خلاف اٹھیں گے جو سر کشی کا راستہ اختیار کرے گا یا بالجبر استحصال کرنا چاہے گا۔ یا حد سے تجاوز کرئے یا مومنوں میں فساد پھیلانا چاہے۔ اور سب مل کر ایسے شخص کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے خواہ وہ ان میں سے کسی کا بیٹا یا قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔

۱۴۔اور کوئی مومن کسی دوسرے مومن کو کسی کافر کے بدلے قتل نہ کرے گا اور نہ ہی کسی بھی فرد کی مومنوں کے خلاف مدد کرے گا۔

۱۵۔ اور سب کے لئے خدا کا ذمہ ایک ہی ہے۔ مومنوں میں سے ادنی ترین فرد بھی کسی کو پناہ دے کر سب پر پابندی عائد کر سکے گا اور تمام مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں باقی لوگوں کے مقابلے میں۔

۱۶۔اور یہودیوں میں سے جو بھی ہماری پیروی کرے گا اسے مسلمانوں کی طرف سے مدد اور مساوی حقوق حاصل ہوں گے۔ نہ ان پر ظلم کیا جائے اور نہ ان کے خلاف کسی کو مدد دی جائے گی۔

۱۷۔ اور تمام مومنوں کی طرف سے کی گئی صلح ایک ہی شمار کی جائیگی۔ اگر اللہ کی راہ میں لڑائی ہو رہی ہو تو کوئی بھی مومن کسی مومن کو چھوڑ کر دشمن سے صلح نہیں کرے گا جب تک کہ یہ صلح ان سب کے لیے یکساں نہ ہو۔

۱۸۔ اور لڑائی میں شامل ان تمام ٹکڑیوں کو جو ہمارے ساتھ مل کر دشمنوں سے لڑائی کرئے موقع بہ موقع چھٹی دلائی جائے گی۔

۱۹۔اور مومنین باہم اس معاملہ کا انتقام مل کر لیں گے جو کسی بھی مومن کو خدا کی راہ میں ان کے خون اور جسم کو پہنچے۔

۲۰۔بلاشبہ تقوی اختیار کرنے والے مومن سب سے بہترین اور صراط مستقیم پر ہیں۔

۲۱۔ غیر مسلموں میں سے کوئی بھی قریش کی جان مال کا محافظ نہ بنے گا

۲۲۔اور اگر کوئی شخص متعمد اکسی مومن کو قتل کرے گا تو اس سے قصاص لیا جائے گا سوائے اس صورت کہ مقتول کے اولاء دیت کے لئے راضی ہو جائیں[61]۔

---

[61] حمیری، ابو محمد عبد الملک بن ھشام بن ایوب، السیرۃ النبویۃ، سیرت ابن ہشام، ص ۲۱۳ تا ۲۱۵

۲۳۔ اور کسی ایسے ایمان والے کے لیے جو اس دستور العمل کے تمام مندرجات کا اقرار کر چکا ہو یہ جائز نہ ہو گا کہ کسی قاتل کی مدد کرئے یا کسی قاتل کو پناہ دے۔ اور جو شخص بھی اسکی مدد کرے گا یا اسے اپناہ دے گا تو قیامت کے دن اس پر خدا کی لعنت اور غضب نازل ہوں گے اور قیامت کے دن اس سے کوئی رقم یا معاوضہ قبول نہ ہو گا۔

۲۴۔ اور اس بات کا باہمی معاملہ یوں ہے کہ جب بھی آپس میں کسی طرح کا اختلاف پیدا ہو تو فیصلہ کے لئے حضرت محمد ﷺ کی طرف رجوع کیا جائیگا۔

۲۵۔ جب تک یہودی بھی مل کر مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں شریک ہوتے رہیں گے تب تک وہ بھی مسلمانوں کے ساتھ مل کر اخراجات برداشت کریں گے۔

(۲۶تا۳۶)۔ اور بنی عوف کے یہودیوں اور مومنین ایک سیاسی وحدت تسلیم کیے جاتے ہیں۔ اور بنی النجار، بنی الحارث، بنی ساعدہ، بنی جشم، بنی الاوس، بنی ثعلبہ، جفنہ جو ثعلبہ کی ایک شاخ ہے، بنی اشطیبہ، ثعلبہ کے موٰالی یہودیوں کی ذیل شاخوں کے تمام یہودیوں کو بھی وہی حقوق ہوں گے جو بنی عوف کے یہودیوں کو حاصل ہیں۔ ہاں جو شخص ظلم یا عہد شکنی کا ارتکاب کرے گا تو اس کی ذات یا گھرانے کے سوا کوئی مصیبت میں نہیں پڑے گا۔

۵۱۔ اور ہر شخص کے لئے وفاشعاری لازم ہو گی نہ عہد شکنی۔ جو جیسا کرے گا ویسا خود ہی بھرے گا۔

۵۲۔ اور خدا اس کے اس شخص کے ساتھ ہے جو اس دستور کے مندرجات کی زیادہ سے زیادہ احتیاط اور زیادہ سے زیادہ وفاشعاری کے ساتھ تعمیل کرے۔

۵۳۔ اور یہ کہ یہ حکم نامہ کسی بھی ظالم یا عہد شکن کے آڑے نہ آئے گا۔ اور جو جنگ کو نکلے گا تو بھی امن کا بھی مستحق ہو گا اور جو مدینے میں بیٹھا رہے گا تو بھی امن کا مستحق بھی نہ ہو گا ورنہ ظلم اور عہد شکنی ہو گی۔ اور خدا اس کا نگہبان ہے جو وفاشعاری اور احتیاط کرے اور اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بھی جن پر خدا کی توجہ اور سلامتی ہو۔

عرب کے مشہور سیرت نگار محمد حسین ہیکل اس معاہدے کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

> "یہ وہ تحریری معاہدہ تھا جس کی بدولت حضرت نبی اکرم ﷺ نے آج سے چودہ سو سال پہلے ایک ایسا ضابطہ انسانی معاشرے میں قائم فرمایا جس سے شرکاء معاہدہ میں ہر گروہ اور ہر فرد کو اپنے عقیدہ و مذہب کی آزادی کا حق حاصل ہوا اور انسانی زندگی کی حرمت قائم ہوئی۔"[62]

سیرت و تاریخ کی بہت سی کتب میں اس معاہدہ کا تذکرہ موجود ہے۔ ان میں سے چند یہ ہیں۔ امام ابن اسحاق کی کتاب "السیرۃ"، سیرت ابن ہشام میں، حافظ ابن کثیر کی البدایہ والنہایہ، علامہ نویری کی النہایہ، امام بیہقی کی السنن الکبریٰ اور اس کے ساتھ ساتھ بہت سی ابتدائی کتب میں یہ معاہدہ موجود ہے جو اس کی صحت کی بیّن دلیل ہے۔

صلح حدیبیہ، معاشرتی امن کے قیام میں سیرت طیبہ کا ایک روشن پہلو: جب جزیرہ نمائے عرب میں حالات بڑی حد تک مسلمانوں کے موافق ہو گئے تو اسلامی دعوت کی کامیابی اور فتحِ اعظم کے آثار رفتہ رفتہ نمایاں ہونا شروع ہوئے۔ اور مسجدِ حرام میں جس کا دروازہ

---

[62] ہیکل، محمد حسین عبد اللہ، حیاۃ محمد، ۱۹۳۳، ص ۱۲۳

مشرکین نے مسلمانوں پر چھ برس سے بند کر رکھا تھا مسلمانوں کے لیے عبادت کا حق تسلیم کیے جانے کی تمہیدات شروع ہو گئیں۔ رسول اللہ ﷺ کو مدینہ کے اندر یہ خواب دکھلایا گیا کہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسجد حرام میں داخل ہوئے۔ آپ ﷺ نے خانہ کعبہ کی کنجی لی۔ اور صحابہ سمیت بیت اللہ کا طواف اور عمرہ کیا۔ پھر کچھ لوگوں نے سر کے بال منڈائے اور کچھ نے کٹوانے پر اکتفا کی۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس خواب کی اطلاع دی تو انھیں بڑی مسرت ہوئی۔ اور انہوں نے یہ سمجھا کہ اس سال مکہ میں داخلہ نصیب ہو گا۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو یہ بھی بتلایا کہ آپ ﷺ عمرہ ادا فرمائیں گے۔ لہٰذا صحابہ کرام بھی سفر کے لیے تیار ہو گئے۔

مسور بن مخرمہ اس حدیث کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"عن المسور بن مخرمة ، قال : خرج النبي ﷺ زمن الحديبية في بضع عشرة مائة من اصحابه حتى إذا كانوا بذي الحليفة قلد الهدي واشعره واحرم بالعمرة وساق الحديث قال : وسار النبي ﷺ حتى إذا كان بالثنية التي يهبط عليهم منها بركت به راحلته فقال الناس : حل حل خلات القصواء مرتين ، فقال النبي ﷺ : ما خلات وما ذلك لها بخلق ولكن حبسها حابس الفيل ، ثم قال : والذي نفسي بيده لا يسالوني اليوم خطة يعظمون بها حرمات الله إلا اعطيتهم إياها ، ثم زجرها فوثبت فعدل عنهم حتى نزل باقصى الحديبية على ثمد قليل الماء ، فجاءه بديل بن ورقاء الخزاعي ، ثم اتاه يعني عروة بن مسعود ، فجعل يكلم النبي ﷺ فكلما كلمه اخذ بلحيته والمغيرة بن شعبة قائم على النبي ﷺ ومعه السيف ، وعليه المغفر ، فضرب يده بنعل السيف ، وقال : اخر يدك عن لحيته فرفع عروة راسه فقال : من هذا ؟ قالوا : المغيرة بن شعبة ، فقال : اي غدر اولست اسعى في غدرتك ، وكان المغيرة صحب قوما في الجاهلية فقتلهم واخذ اموالهم ، ثم جاء فاسلم فقال النبي ﷺ : اما الإسلام فقد قبلنا ، واما المال فإنه مال غدر لا حاجة لنا فيه فذكر الحديث ، فقال النبي ﷺ : اكتب هذا ما قاضى عليه محمد رسول الله ، وقص الخبر فقال سهيل ، وعلى : انه لا ياتيك منا رجل وإن كان على دينك إلا رددته إلينا ، فلما فرغ من قضية الكتاب قال النبي ﷺ لاصحابه : قوموا فانحروا ، ثم احلقوا ، ثم جاء نسوة مؤمنات مهاجرات الآية ، فنهاهم الله ان يردوهن وامرهم ان يردوا الصداق ، ثم رجع إلى المدينة"[63]

مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ کے سال ایک ہزار سے زائد صحابہ کے ہمراہ نکلے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ذوالحلیفہ پہنچے تو ہدی کو قلادہ پہنایا، اور اشعار کیا، اور عمرہ کا احرام باندھا، پھر راوی نے پوری حدیث بیان کی، اس میں ہے: اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے چلے یہاں تک کہ جب ثنیہ میں جہاں سے مکہ میں اترتے ہیں پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی آپ کو لے کر بیٹھ گئی، لوگوں نے کہا: "حل حل" "قصواء اڑ گئی، قصواء اڑ گئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قصواء اڑی نہیں اور نہ ہی اس کو اڑنے کی عادت ہے، لیکن اس کو ہاتھی کے روکنے والے نے روک دیا ہے"، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے قریش جو چیز بھی مجھ سے طلب کریں گے جس میں اللہ کے حرمات کی تعظیم ہوتی ہو تو وہ میں ان کو دوں گا"، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹنی کو ڈانٹ کر اٹھایا تو وہ اٹھی اور آپ ایک طرف ہوئے یہاں تک کہ میدان

---

[63] السجستانی، سلیمان بن الاشعث، سنن ابي داود، کتاب الجهاد، باب في صلح العدو، رقم الحدیث: ۲۷۶۵

حدیبیہ کے آخری سرے پر ایک جگہ جہاں تھوڑا سا پانی تھا جا اترے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بدیل بن ورقاء خزاعی آیا، پھر وہ یعنی عروہ بن مسعود ثقفی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ سے گفتگو کرنے لگا، گفتگو میں عروہ بار بار آپ کی ریش مبارک کو ہاتھ لگاتا، مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھڑے تھے، وہ تلوار لیے ہوئے اور زرہ پہنے ہوئے تھے، انہوں نے عروہ کے ہاتھ پر تلوار کی کاٹھی ماری اور کہا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی سے اپنا ہاتھ دور رکھ، تو عروہ نے اپنا سر اٹھایا اور پوچھا: یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا: مغیرہ بن شعبہ ہیں، اس پر عروہ نے کہا: اے بدعہد! کیا میں نے تیری عہد شکنی کی اصلاح میں سعی نہیں کی؟ اور وہ واقعہ یوں ہے کہ مغیرہ رضی اللہ عنہ نے زمانہ جاہلیت میں چند لوگوں کو اپنے ساتھ لیا تھا، پھر ان کو قتل کیا اور ان کے مال لوٹے پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر مسلمان ہو گئے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "رہا اسلام تو ہم نے اسے قبول کیا، اور رہا مال تو ہمیں اس کی ضرورت نہیں" اس کے بعد مسور رضی اللہ عنہ نے آخر تک حدیث بیان کی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لکھو، یہ وہ صلح نامہ ہے جس پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مصالحت کی ہے"، پھر پورا قصہ بیان کیا۔ سہیل نے کہا: اور اس بات پر بھی کہ جو کوئی قریش میں سے آپ کے پاس آئے گا گو وہ مسلمان ہو کر آیا ہو تو آپ اسے ہماری طرف واپس کر دیں گے، پھر جب آپ صلح نامہ لکھا کر فارغ ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے فرمایا: "اٹھو اور اونٹ نحر (ذبح) کرو، پھر سر منڈا ڈالو"، پھر مکہ کی کچھ عورتیں مسلمان ہو کر مسلمانوں کے پاس ہجرت کر کے آئیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو واپس کر دینے سے منع فرمایا اور حکم دیا کہ جو مہر ان کے کافر شوہروں نے انہیں دیا تھا انہیں واپس کر دیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ واپس تشریف لے آئے ۔ آنحضرت ﷺ کی سیرت طیبہ کا جس پہلو سے بھی مطالعہ کیا جائے اس میں امن وامان کی کاوشیں اور لوگوں کے لئے رحمت و راحت کا سبق ملتا ہے۔ وہ چاہے صلح حدیبیہ ہو، فتح مکہ ہو، حجۃ الوداع کا موقع ہو یا کوئی بھی موقع ہو ان تمام مواقع میں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ رحمت، امن سلامتی کا درس دیتے ہوئے ملتے ہیں اور یہی معاملہ آپ کے صحابہ کرامؓ کا بھی تھا کہ ہر موقع پر حضرت نبی اکرم ﷺ کی سنت اور ان کے حکم پر چلتے ہوئے معاشرے کو ایک بہترین اور مثالی معاشرے میں تبدیل فرما دیا۔

فصل دوم: معاشرتی امن کے بنیادی اصول وضوابط

اس فصل کو بنیادی طور پر دو مباحث میں تقسیم کیا گیا ہے، مبحث اول میں خاندان کے معاشرتی من میں کردار کو واضح کرنے کی کوشش کی گ ءی ہے جس میں خاندان میں موجود مختلف افراد کے حقوق و فراءض اور ان کی معاشرتی امن میں اہمیت کو بیان کیا گیا ہے جبکہ دوسری مبحث میں عالمی و اجتماعی امن کے متعلق ضروری مباحث کو بیان کیا گیا ہے۔

مبحث اول: فرد اور خاندان کا معاشرتی امن کے قیام میں کردار اور اس کے اصول وضوابط

انسانوں پر مشتمل افراد کا ایسا مجموعہ جو خاص نظام، خاص قوانین اور آداب و رسوم کا حامل ہو اور انہی خصوصیات کے باعث ایک دوسرے سے منسلک ہو اور ایک ساتھ زندگی گذارتا ہو معاشرہ تشکیل دیتا ہے۔ ایک ساتھ زندگی گذارنے کا صرف یہ مطلب نہیں کہ انسانوں کی کوئی جماعت کسی علاقے میں باہم مشترک زندگی گذارے اور ایک ہی آب و ہوا اور ایک جیسی غذا سے یکساں استفادہ کرے۔ یوں تو ایک باغ کے درخت بھی ایک دوسرے کے ساتھ پہلو بہ پہلو زندگی بسر کرتے ہیں اور ایک ہی آب و ہوا اور ایک جیسی غذا سے استفادہ کرتے ہیں۔ یہی حال ایک ہی گلے کے ہر جانور کا بھی ہوتا ہے جو ایک دوسرے کے ساتھ مل کر چرتے ہیں اور باہم مل کر نقل مکانی بھی کرتے ہیں لیکن ان میں سے کوئی بھی اجتماعی اور مدنی زندگی نہیں رکھتا' نہ معاشرہ تشکیل دیتا ہے۔

انسان کی زندگی اجتماعی یا معاشرتی اس معنی میں ہے کہ وہ ایک "اجتماعی ماہیت" کی حامل ہے۔ ایک طرف تو اس کے مفادات' اس کے تعلقات اس کے کام کاج "اجتماعی ماہیت" رکھتے ہیں اور اپنے رسم ورواج کے دائرے میں تقسیم کار' تقسیم مفادات اور ایک دوسرے کی مدد کے بغیر اس کا گذارہ نہیں' دوسری طرف کچھ ایسے افکار' نظریات اور مزاج بھی لوگوں پر حاکم ہیں جو انہیں وحدت و یگانگت بخشتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں معاشرہ انسانوں کے اس مجموعے کا نام ہے جو ضرورتوں کے جبری سلسلے میں اور عقائد' نظریات اور خواہشات کے زیر اثر ایک دوسرے میں مدغم ہیں اور مشترک زندگی گذار رہے ہیں۔ مشترک معاشرتی ضرورتوں اور زندگی سے متعلق خصوصی تعلقات نے نوع انسانی کو اس طرح ایک دوسرے سے منسلک کر دیا ہے اور زندگی کو اس طرح وحدت اور یکتائی بخشی ہے جیسے حالت سفر میں کسی گاڑی یا جہاز کے مسافر ہوا کرتے ہیں جو ایک مقصد کی سمت آگے بڑھتے ہیں' ایک ساتھ منزل پر پہنچتے ہیں یا ایک ساتھ رہ جاتے ہیں' ایک ساتھ خطرے میں گھرتے ہیں اور ان سب کی تقدیر ایک جیسی ہو جاتی ہے۔

معاشرتی امن میں انفرادی امن کا کردار اور اس کے بنیادی تقاضے: قیام امن کے لئے ضروری ہے کہ افراد میں امن کے لئے دلچسپی پیدا ہو کیونکہ فرد کے تعاون کے بغیر امن کا حصول کسی بھی صورت ممکن نہیں ہے اس لئے اسلام فرد کے وجدان اور قلب کو مخاطب کرتے ہوئے اس میں جذبہ امن پیدا کرنا چاہتا ہے تاکہ اسکا اندرون خانہ قیام امن کے لئے راضی ہو او اس کے قلب کو مفسدات سے نفرت ہو۔ اس لئے سب سے پہلے ان تمام بنیادی حقائق پر ایمان و یقین پیدا کرنے کی دعوت دیتا ہے جن کے بغیر افراد انسانی کے دل معاشرے کو پر امن رکھنے کے لئے تیار نہیں ہو سکتے، اور نہ ہی ان کو معاشرہ میں امن کی ضرورت محسوس ہو گی اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"اِنّ ربکم اللہ الذی خلق السمٰوٰت والارض فی ستة ایام ثم استویٰ علی العرش یغشی اللیل النہار یطلبه حثیثا والشمس والقمر النجوم مسخرٰت بامره الا له الخلق والامر تبٰرک اللہ رب العٰلمین[64]"

ترجمہ: بے شک تمہارا پروردگار وہی اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا پھر عرش پر قائم ہو گیا وہ رات سے دن کو ڈھانپ لیتا ہے اور دن رات کے پیچھے دوڑا چلا آتا ہے۔ جس نے سورج چاند اور تارے پیدا کیے، سب اسی کے فرمان کے تابع ہیں، یاد رکھو اسی کے لئے خاص ہے آفرینش بھی اور حکومت بھی، بڑا بابرکت ہے اللہ، سارے جہانوں کا پروردگار۔

جب سب کچھ اللہ کا ہی ہے تو انسان کو بھی چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ہی فرمان روائی کو قبول کرے۔ اب کوئی بھی شخص جو اللہ کے متعین کردہ اصولوں سے الگ ہو کر اپنے مفادات کو حاصل کرنے کی کوشش کرے گا وہ معاشرے میں ظلم اور فساد پھیلانے کا سبب بنے گا ۔وہیں جو بندہ خدا تعالیٰ کو ہی ہر چیز کا کارساز سمجھتا ہے اور اللہ کے علاوہ کسی کے اقتدار اور فرماں روائی کو تسلیم نہیں کرتا تو اسے کوئی بھی خطرہ محسوس نہیں ہوتا، اسی وجہ سے اس کا غیر معمولی اعتماد کبھی متزلزل نہیں ہوتا۔ بلکہ اخلاقی، معاشرتی اور معاشی الجھنوں سے محفوظ رہتے ہوئے اس کو حقیقی امن اور سکون حاصل ہوتا ہے۔ مولانا سید ابو الاعلی مودودی فرماتے ہیں:

"زمین سے لیکر آسمان تک سارا نظام کائنات اسی حقیقت پر مبنی ہے جس کا اقرار ایک مومن کلمہ طیبہ میں کرتا ہے اس کلمہ کی وجہ سے اسے ایک پائدار نقطہ نظر، ایک مستحکم نظام فکر اور ایک جامع نظریہ ملتا ہے جو ہر عقدے کو حل کرنے اور ہر گتھی کو سلجھانے کی صلاحیت رکھتا ہے"[65]

جب انسان کو خدا تعالیٰ پر مکمل یقین ہو جاتا ہے تو وہ اپنی جان، اپنا مال اور اپنی عزت و آبرو سب کو محفوظ سمجھتا ہے کیونکہ اس کو یقین ہوتا ہے کہ کائنات میں وجود میں آنے والے تمام واقعات اور امور اللہ تعالی کی مشیت اور ارادے سے ہوتے ہیں اور نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ دنیاوی تمام معاملات میں اپنی سی سعی کے بعد تمام خطرات سے مطمئن ہو کر حقیقی امن و سلامتی اور ذہنی اطمینان و سکون سے لطف اندوز ہوتا ہے کیونکہ کہ ہر راحت و تکلیف کا اختیار اللہ کے لئے ہی تصور کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے کمال علم اور قربت کا یقین: اسلام ہر فرد انسانی کو اس بات کا یقین دلاتا ہے کہ جس ذات کے قبضہ قدرت میں تمام کائنات ہے اور اس کے ذرے ذرے پر جس کی حکمرانی ہے وہ اللہ تعالی انسانوں کے بہت قریب ہے وہ اللہ ان کے ذہن و دل میں آئے خیالات سے بھی واقف ہے۔ اور انسان کو پیش آنے والے تمام امور کی نگرانی بھی کرنے والا ہے اور ہر چیز سے باخبر ہے اور انسان کی شہ رگ سے بھی قریب ہے۔ انسان کے دل میں جو خیالات بھی آتے ہیں خدا تعالیٰ ان کو جاننے وال ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"ولقد خلقنا الانسان و نعلم ما توسوس به نفسه و نحن اقرب الیه من حبل الورید"[66]

ترجمہ: اور ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور ہم اس کے دل میں ابھرنے والے وسوسوں تک کو جانتے ہیں اور ہم اس کی شاہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں

---

[64] القرآن، سورہ الاعراف، آیت 54

[65] مودودی، ابو الاعلی، تفہیم القرآن، سورہ ابراہیم، آیت ۲۷، حاشیہ ۳۹

[66] القرآن، سورۃ ق ۱۶

ایک اور مقام پر اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے علم کی وسعت اور علم کی گہرائی کو بیان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تو وہ ذات ہے جو آسمانوں اور زمین میں موجود ہر چیز سے باخبر ہے۔ جب بھی کبھی دو بندے سب سے چھپ کر کوئی بات کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس بات کو بھی جاننے والا ہوتا ہے اور خود وہاں موجود ہوتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کا علم اور اس کی حکمت سے کچھ بھی باہر نہیں نکل سکتا۔ اور قیامت میں اللہ تعالیٰ ان کو ان کے اعمال کے بارے میں بھی تفصیل سے بتائے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یَعۡلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ مَا یَکُوۡنُ مِنۡ نَّجۡوٰی ثَلٰثَۃٍ اِلَّا ہُوَ رَابِعُہُمۡ وَ لَا خَمۡسَۃٍ اِلَّا ہُوَ سَادِسُہُمۡ وَ لَاۤ اَدۡنٰی مِنۡ ذٰلِکَ وَ لَاۤ اَکۡثَرَ اِلَّا ہُوَ مَعَہُمۡ اَیۡنَ مَا کَانُوۡا ثُمَّ یُنَبِّئُہُمۡ بِمَا عَمِلُوۡا یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ اِنَّ اللّٰہَ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ[67]"

ترجمہ: کیا تم نے نہیں دیکھا کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ اسے جانتا ہے؟ کبھی تین آدمیوں میں کوئی سرگوشی ایسی نہیں ہوتی جس میں چوتھا وہ نہ ہو، اور نہ پانچ آدمیوں کی کوئی سرگوشی ایسی ہوتی ہے جس میں چھٹا وہ نہ ہو، اور چاہے سرگوشی کرنے والے اس سے کم ہوں یا زیادہ، وہ جہاں بھی ہوں، اللہ ان کے ساتھ ہوتا ہے۔ پھر وہ قیامت کے دن انہیں بتائے گا کہ انہوں نے کیا کچھ کیا تھا۔ بیشک اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

گویا اللہ کی قربت کا یقین انسان کو زمین میں فساد مچانے سے روکنے کا سبب بننے کے ساتھ ساتھ اس کی اصلاح کا سبب بھی بنتا ہے اور جب معاشرے میں موجود افراد کے قلوب اصلاح یافتہ ہو جاتے ہیں تو ان میں اخلاص اور امن و رواداری پیدا ہوتی ہے۔ اور جب افراد معاشرہ میں معاشرے کے دوسرے افراد کے لئے امن و صلح جوئی کا جذبہ پیدا ہو گا تب معاشرے کا ایک مثالی معاشرے کی شکل اختیار کرنا اور امن و امان کی اماجگاہ بن جانا معمعلی سی بات ہوتی ہے اور یہی جذبہ معاشرتی اصلاح اور امن و امان کے لئے کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔

خوف خدا: کوئی بھی فرد تب ہی امن کے قیام کا رکن اور زمین پر موجود تمام ذی روح اشیاء کی اچھائی کا سوچ سکتا ہے جب اسے تمام قوتوں سے بالاتر قوت کا احساس اور خوف ہو۔ جب انسان کو معلوم ہو کہ وہ مطلق العنان نہیں ہے بلکہ کوئی ہے جو جب چاہے جیسے چاہے اس کو پھیر سکتا ہے۔ تو انسان معاشرے میں ایسے خود کو ہی سب کچھ سمجھ کر اپنی عقل ہی کو سب کچھ سمجھنے کے بجائے اس خدا کی عبادت اور اس خدا کے احکامات پر عمل پیرا ہو گا جس کا اختیار سب پر ہے۔ اسلامی نظام امن میں اس حقیقت کو اولیت کا درجہ حاصل ہے کہ قلب انسانی خوف خداوندی سے معمور ہو اور اللہ تعالی کی عظیم طاقت و قدرت کا ہر لحظہ و ہر آن استحضار ہو قرآن کریم میں جگہ جگہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور اس کی قدرت کے کامل ہونے کا اعلان کیا گیا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّکُمُ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّ خَلَقَ مِنۡہَا زَوۡجَہَا وَ بَثَّ مِنۡہُمَا رِجَالًا کَثِیۡرًا وَّ نِسَآءً ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیۡ تَسَآءَلُوۡنَ بِہٖ وَ الۡاَرۡحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیۡکُمۡ رَقِیۡبًا"[68]

---

[67] القرآن، المجادلۃ آیۃ ۷

[68] القرآن، النساء، آیت ۱

ترجمہ: اے لوگو ڈرو اپنے اس پالنہار سے جس نے تمہیں ایک ہی نفس سے بنایا اور پھر اس کا جوڑا اسی میں سے پیدا فرمایا اور ان دونوں سے بہت سے مرد و عورت پھیلا دیئے اور اسا للہ سے خوف کھاو جس کے نام سے تم مانگتے ہو اور رشتوں کا لحاظ رکھو بے شک اللہ ہر وقت تمہیں دیکھ رہا ہے۔

لہذا معاشرتی امن کا ایک بنیادی ذریعہ لوگوں کے دلوں کو خوف الہی سے معمور کرنا ہے۔ اگر انسان کے دل میں خوف ہو اور اس کا ہر عمل خشیت الٰہی سے انجام پاتا ہو تو دنیا کی کوئی طاقت بھی اسے مفسدات اور جرائم کے ارتکاب پر مجبور نہیں کر سکتی اور جب کبھی گناہ اور فساد فی الارض کا موقع آتا ہے تو انسان کا ضمیر ہی اسے ملامت کرنا شروع ہو جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انسان کو ہر طرح کا سکون اور اطمینان حاصل ہو جاتا ہے اور لوگ برائیوں اور شر انگیزیوں سے مامون و محفوظ ہو جاتے ہیں۔ احادیث مبارکہ میں بھی یہ مضمون متعدد مقامات پر متعدد صورتوں میں بیان کیا گیا ہے حدیث نبوی ہے:

"حدثنا احمد بن يونس ، حدثنا ابو شهاب ، عن الاعمش ، عن عمارة بن عمير ، عن الحارث بن سويد ، حدثنا عبد الله بن مسعود ، حديثين احدهما ، عن النبي ﷺ ، والآخر عن نفسه ، قال : إن المؤمن يرى ذنوبه كانه قاعد تحت جبل يخاف ان يقع عليه ، وإن الفاجر يرى ذنوبه كذباب مر على انفه ، فقال : به هكذا ، قال ابو شهاب : بيده فوق انفه ، ثم قال : لله افرح بتوبة عبده من رجل نزل منزلا وبه مهلكة ومعه راحلته ، عليها طعامه وشرابه فوضع راسه فنام نومة ، فاستيقظ وقد ذهبت راحلته حتى إذا اشتد عليه الحر والعطش او ما شاء الله ، قال : ارجع إلى مكاني فرجع فنام نومة ، ثم رفع راسه فإذا راحلته عنده"[69]

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: بے شک مومن بندہ اپنے گناہوں کو ایسے دیکھتا ہے جیسے کہ وہ کسی پہاڑ کے نیچے بیٹھا ہو اور اسے ڈر ہو کہ یہ پہاڑ اس پر گر نہ جائے اور فاجر اور بدکار بندہ اپنے گناہوں کو ایسے دیکھتا ہے جیسے کہ کوئی مکھی اس کے ناک پر بیٹھی اور اس نے اڑادی۔

حدیث نبوی میں مومن سے مراد وہ بندہ ہے جس کا دل خوف خدا سے بھرا ہوا ہوتا ہے اور اس حدیث مبارکہ میں ایک بہترین مثال کے ذریعے اللہ سے ڈرنے اور نہ ڈرنے والے کی قلبی کیفیت کو بیان کیا گیا ہے جس کا لب لباب یہ ہے کہ جس بندہ مومن کے دل میں خوف خدا ہو گا اس کیلئے کسی جرم اور گناہ کا ارتکاب اتنا سنگین ہو گا جیسے اس پر پہاڑ گر رہا ہو لہذا وہ ایسے اعمال سے بچے گا جن سے خدا تعالیٰ نے منع فرمایا ہے اس کے برخلاف جن کے قلوب خوف خدا سے خالی ہوں اور جن کے تمام افعال و اعمال کا دارومدار دنیاوی اغراض اور مادی بنیادوں پر ہوں وہ جرم اور گناہ کو کوئی اہم معاملہ نہیں سمجھتے اور نہایت بے باکی اور مجاہرانہ انداز سے فساد فی الارض میں مصروف رہتے ہیں جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ معاشرے میں بدامنی اور بے سکونی کا باعث بنتے ہیں۔

آخرت کا یقین اور جزاء و سزاء کا تصور: اسلام کے نظریہ کے مطابق امن و امان کے قیام کے لئے انسانوں میں اپنی دنیاوی زندگی کو بطور امتحان گاہ اور اعمال کی جولان گاہ تصور کیا جاتا ہے اور آخرت کی زندگی کو اصل زندگی قرار دیا گیا ہے۔ گویا انسان کے اس دنیا میں آنے کا اصل مقصد یہ ہے کہ وہ دنیاوی زندگی کو آخرت میں سرخرو ہونے اور دربار خداوندی میں کامیابی کے لئے استعمال کریں۔ لیکن اس کا

---

[69] احمد بن حنبل، مسند احمد بن حنبل، رقم ۶۳۰۸، بخاری، محمد بن اسماعیل، الصحیح للبخاری، کتاب الدعوات، باب التوبۃ، حدیث نمبر: ۶۳۰۸

مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان دنیا میں رہبانیت اختیار کر لے اور الگ تھلگ ہو کر بیٹھا رہے۔ دنیاوی زندگی میں انسانوں کے اعمال کی درستگی میں آخرت اور جزاء و سزا کے تصور کو بھی بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ ایمان بالآخرۃ اسلام کے بنیادی اور ضروری عقائد میں سے ایک ہے۔ اسلام تمام انسانوں سے یہ مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اس حقیقت پر ایمان لائیں کہ اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے اور دنیاوی زندگی چندروزہ اور ناپائیدار ہے۔ دنیاوی زندگی کا اثر دنیا میں باقی رہنے والا نہیں ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

"اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ وَّ زِيْنَةٌ وَّ تَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَ تَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَ الْاَوْلَادِ "[70]

ترجمہ: خوب سمجھ لو کہ اس دنیاوالی زندگی کی حقیقت بس یہ ہے کہ وہ نام ہے کھیل کود کا، ظاہری سجاوٹ کا، تمہارے ایک دوسرے پر فخر جتانے کا، اور مال اور اولاد کے معاملہ میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنے کا۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے ان دلچسپیوں کا ذکر فرمایا ہے، جن سے انسان اپنی زندگی کے مختلف مرحلوں میں دل لگاتا ہے، بچپن میں ساری دلچسپی کھیل کود سے ہوتی ہے، اور جوانی کے دور میں زیب وزینت اور سجاوٹ کا شوق پیدا ہوتا ہے، اور اس زیب وزینت اور دنیا کے ساز و سامان میں ایک دوسرے کے سامنے اپنی برتری جتانے اور اس پر فخر کرنے کا ذوق ہوتا ہے، پھر بڑھاپے میں مال اور اولاد میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کو ہی انسان دلچسپی کا مرکز بنالیتا ہے، اور ہر مرحلے میں انسان جس چیز کو اپنی دلچسپی کی معراج سمجھتا ہے اگلے مرحلے میں وہ بے حقیقت معلوم ہونے لگتی ہے؛ بلکہ بعض اوقات انسان اس پر ہنستا ہے کہ میں نے کس چیز کو اپنی زندگی کا حاصل سمجھا ہوا تھا، آخرت میں پہنچ کر انسان کو پتہ چلے گا کہ یہ ساری دلچسپیاں بے حقیقت تھیں اور اصل حاصل کرنے کی چیز تو یہ آخرت کی خوش حالی تھی۔[71] اللہ تبارک و تعالیٰ کے فرمان کے مطابق اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے اور دنیاوی زندگی آخرت کی زندگی کے لئے امتحان گاہ ہے۔ اور چونکہ اصل زندگی آخرت کی ہے اس لئے کامیابی بھی آرت ہی میں کامیاب ہونا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تبارک و تعالیٰ اصل کامیابی کا معیار بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

"فَمَن زُحْزِحَ عَنِ ٱلنَّارِ وَأُدْخِلَ ٱلْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ"[72]

ترجمہ: جو بندہ آگ سے دور کر دیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا وہ کامیاب ہو گیا

اور دنیاوی زندگی کو آخرت کی زندگی کے لئے دارالعمل قرار دیا گیا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد خداوندی ہے

"فمن يعمل مثقال ذرة خيرا يره و من يعمل مثقال ذرة شرا يره"[73]

ترجمہ: جس نے ذرہ برابر بھی نیکی کی ہو گی وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر بھی بدی کی ہو گی وہ اسے دیکھ لے گا۔

لہذا انسان کو چاہیے کہ اس دنیا میں رہتے ہوئے بلا مقصد اور ایسے افعال و اعمال سے پرہیز کرے جن کی آخرت میں دوابدہی نہیں کر سکتا کیونکہ آخرت میں تمام اعمال انسان کے سامنے لائے جائیں گے اور ان کی بابت حساب لیا جائے گا۔ لہذا جو بندہ سرکشی اور بدامنی کا سبب بنے گا اور دنیاوی زندگی کو ہی سب کچھ سمجھ لے گا اس کا ٹھکانہ جہنم ہو گا اور جو بندہ اللہ کے خوف کی وجہ سے برے اعمال سے بچا رہے گا

---

[70] القرآن، سورۃ الحدید، آیت ۲۰

[71] عثمانی، مفتی تقی، آسان ترجمہ قرآن، سورۃ الحدید، آیت ۲۰

[72] القرآن، آل عمران، آیت ۱۸۵

[73] القرآن، سورۃ الزلزال، آیت ۷۔۸

اور آخرت کی زندگی کو دنیاوی زندگی پر ترجیح دے گا اس کے لئے جنت کا انعام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا خوف اور ڈر اور آخرت میں حساب کا ڈر انسان سے بہت سی معاشرتی اور معاشی برائیوں کے چھڑوانے کا سبب بن سکتا ہے۔ آخرت کا یہ تصور ہر فرد کو یہ احساس دلاتا ہے کہ ظلم و فساد، سرکشی و جرائم اور ایسے تمام افعال سے بچنا جو انسان کی ذات اور اس کے معاشرے میں موجود کسی بھی شئ کے لئے نقصان دہ ہو۔ اور نہ صرف خود بچنا بلکہ دوسروں کو بھی ان برائیوں سے روکنا اور بھلائیوں کی نصیحت کرنا انسان کی اہم ترین اور اولین ذمہ داری ہے۔ اور انسان سے اس ذمہ داری کے متعلق سوال بھی کیا جائے گا۔

یہ وہ بنیادی اسباب و عوامل ہیں جو فرد کو پر امن بناتے ہیں اور فرد کو معاشرے کا بہترین اور مفید فرد میں تبدیل کرتے ہیں۔ ایسا ممکن ہی نہیں ہے کہ کوئی شخص اپنے دل میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اور فرمانروائی کا پختہ یقین رکھے ہوئے ہو اس کے دل میں خوف الٰہی موجزن ہو اور اسے اس بات کا بھی یقین ہو کہ خدا تعالیٰ میرے تمام افعال و اعمال سے واقف ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے، اس کے رگ و پے میں خدا کی محبت و خدا کا خوف ہو اور یہ یقین ہو کہ ایک ایسا دن بھی آنے والا ہے جب اس دنیا میں کیے تمام اعمام کی جوابدہی کرنی ہو گی اور خدا کے حضور پیش ہونا ہو گا تو وہ کسی برے عمل پر آمادہ ہو سکے۔

یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ ان تمام حقائق کو تسلیم کرنے کے بعد کوئی بندہ کسی پر ظلم ڈھائے، کسی سے بے انصافی کرے اور کسی کا حق غصب کرئے یا ایسے افعال یا جرائم میں پڑ جائے جو معاشرے میں انارکی کا سبب بنتے ہوں۔ بلکہ ان اوصاف سے اس کے اندر انسانی اخوت کا تصور پیدا ہوتا ہے اور ہر انسان یہ کوشش کرتا ہے کہ وہ دوسرے انسان کی مدد اور نصرت کرے اور اس کے لئے کسی بھی تکلیف کا باعث نہ بنے اور یہی جذبہ امن و امان اور معاشرتی رواداری اور سکون کا باعث بنتا ہے۔ اور یہ وہ بنیادی عوامل ہیں جن کی بنا پر اپنی ذات اور دوسروں کے لئے ہمدردی اور غم خواری کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ اور انسان دوسروں کو خود پر ترجیح دیتا ہے۔ جیسا کہ مہاجرین اور انصار کا رویہ تھا کہ انصار نے اپنے مال اور اعمال میں مہاجرین کو خود پر فوقیت دی جس کا صلہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رضا اور خوشنودی کی صورت میں ان کو عطا فرمایا۔ مغربی مفکرین کو بھی اس حقیقت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ معاشرے کی بہتری افراد معاشرے کے منظم اور بہترین رویوں کی ہی بدولت ہو سکتی ہے۔ اور معاشرے کے افراد کی بہتری میں خدا تعالی کا تصور اور اس کی خاکمیت کا تصور بہت ہی بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ چنانچہ ایک مشہور نظریہ ساز مفکر **آرنلڈ ٹائن بی** (Arnold J. Toynbee) کا کہنا ہے :

> "It is only through religions that a sense of social responsibility can be created in people, the spirit of brotherhood and compassion between human beings is based only on the belief in God, if God is separated from the human community, and. humanity is not organized on the basis of brotherhood can be done[74]

ترجمہ: مذاہب ہی کے ذریعے لوگوں میں سماجی ذمہ داری کا احساس پیدا ہو سکتا ہے، انسان کے درمیان اخوت و ہمدردی کا جذبہ محض خدا کے یقین پر قائم ہے، اگر جماعت انسانی سے خدا کو الگ کر دیا جائے تو انسانیت کو اخوت کی بنیاد پر منظم نہیں کیا جا سکتا"

---

[74] ڈی، سی سمرویل، ۱۹۷۵ Arnold J.Toynbee، Abridgement A Study of History

حقیقت یہ ہے کہ ان حقائق کو دل میں افراد کے دل میں سموئے بنا اخلاقی اقدار پر مشتمل سوسائٹی کو تشکیل دینا کسی صورت بھی ممکن نہیں ہے۔ معلوم انسانی تاریخ میں کسی بھی دور میں ایسا معاشرہ وجود میں نہیں آیا جسے ان تصورات کے بغیر پر امن زندگی گزارنے کا موقع ملا ہو۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مغربی مفکرین بھی اس بات کے قائل ہیں کہ معاشرے کی بہرتی کے لئے اجتماعی اصول و ضوابط کسی انسان کے بنائے ہوئے نہیں ہو سکتے کیونکہ کوئی بھی انسان اس قابل نہیں کہ وہ تمام انسانوں کے اجتماعی مفادات کو سمجھ سکے لہٰذا اس جہان اور انسانوں کے خالق کے بنائے ہوئے قوانین ہی انسانوں کے معاشرے کو پر امن اور ایک صالح معاشرے میں تبدیل کر سکتے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ ہی تمام کائینات کے اسرار و رموز سے واقف ہیں اس لئے کس وقت معاشرے میں کون سے عوامل کیا کردار ادا کریں گے یہ بار خدا کے علاوہ کوئی بھی نہیں جان سکتا۔ ایک دوسرے مغربی مورخ "ایریل" اپنی کتاب "The Lesson from History" میں لکھتا ہے:

"There is not a single instance in history where a society has been able to lead a moral life without the help of religion.[75]"

"تاریخ کے کسی زمانہ میں ایک بھی مثال ایسی نہیں ہے کہ کوئی معاشرہ مذہب کی اعانت کے بغیر اخلاقی زندگی بسر کرنے میں کامیاب ہوا ہو"[76]

مزید یہ کہ اس بات کا بھی امکان موجود ہے کہ جو معاشرہ ان تصورات سے خالی ہو گا وہ بہت جلد ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جائے گا کیونکہ یہ وہ عقائد ہیں وہ قلب انسانی کو حسن عمل کی تحریک دیتے ہیں۔ ایک مشہور فلسفی "والٹائر" کہتا ہے:

"خدا اور آخرت کا تصور اس لحاظ سے بھی اہمیت کا حامل ہے کہ وہ اخلاقیات کے لئے مفروضے کا کام دیتا ہے، اس کے نزدیک صرف اسی کے ذریعے سے بہتر اخلاق کی فضاء پیدا کی جا سکتی ہے، اگر یہ عقیدہ ختم ہو جائے تو حسن عمل کے لئے کوئی محرک باقی نہیں رہتا اور اس طرح سماجی نظام کا بحسن خوبی تو کجا صرف باقی رہ جانا بھی ناممکن ہو جاتا ہے"[77]

لہٰذا یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ کسی بھی معاشرے کی بھلائی اور بڑھوتری اس میں ہے کہ افراد معاشرہ کا باہمی ربط بہتر ہو اور معاشرے کے افراد کے باہمی حقوق و فرائض کا تعین کیا جائے اور ان حقوق و فرائض کا تعین وہی ذات کر سکتی ہے جو تمام معاشرے اور تمام کائنات کا خالق ہے اور کائنات کے تمام معاملات اور اشیاء کا مکمل علم بھی رکھتا ہے اور ان پر مکمل قدرت بھی رکھتا ہے اور یہی جذبہ اور عقیدہ جب کسی انسان میں پیوست ہو جاتا ہے تب اس کو آخرت کے متعلق بھی یقین ہو جاتا ہے کہ ایک دن ایسا بھی آئے گا جس دن خدا تعالیٰ سب مخلوقات کو جمع کرے گا اور تمام پر عائد کردہ حقوق و فرائض کے متعلق سوال کرئے گا اور پھر ان حقوق و فرائض کی ادائیگی یا اس حوالے سے برتی گئی غفلت کے حساب سے لوگوں کو ان کے اعمال کی سزا و جزا ملے گی۔ معاشرے کے افراد کے دل میں جب یہ عقیدہ پیوست ہو جائے گا تو تمام افراد حقوق کو حاصل کرنے کے لئے لڑنے جھگڑنے کے بجائے از خود دوسروں کو ان کے حقوق ادا کرنے والے بن جائیں گے۔ اور یہی معاشرے کو مثالی معاشرہ بنانے میں پہلا قدم اور بنیادی عمل ہے۔

---

[75] Arial,The lesson from Hitory New York ,simon and schuster1968,

[76] New York ,simon and schuster1968 بحوالہ قیام امن اور اسلام، مولانا کمال اختر قاسمی، مکتبہ اسلامی پبلشرز، ص ۱۱۴

[77] History of philosophy by wineiband,pg 496 بحوالہ اسلام اور جدید چیلنج، ص ۱۱۵

خاندانی امن کا معاشرتی امن میں کردار اور اس کے بنیادی تقاضے: کسی بھی معاشرہ کو پر امن اور مثالی معاشرہ بنانے کیلئے جیسے اس معاشرے کے افراد کا انفرادی کردار اہمیت کا حامل ہے ایسے ہی معاشرے کے افراد کا باہمی امن و امان قائم رکھنے والا ہونا ضروری ہے۔ انسانی معاشرے کی ابتداء خاندان سے ہوتی ہے پر امن معاشرے کی سب سے پہلی کڑی انسان کا گھر ہے، جب تک انسان کا گھر اس کے لئے امن کا ضامن نہ ہو دنیا میں اسے کہیں سکون نہیں مل سکتا اور نہ ہی امن و امان کی اہمیت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ سید قطب تحریر فرماتے ہیں:

> "جو فرد اپنے گھر میں امن و سلامتی سے بہرہ ور نہیں ہوتا وہ امن و امان کی قیمت کو ہر گز ہر گز نہیں جان سکتا اور کبھی اس کا مزہ نہیں چکھ سکتا، جب تک فرد کے اعصاب میں معرکہ بپا رہے گا اس کی روح اضطراب کی شکار رہے گی اور وہ نفسیاتی قلق میں گرفتار رہے گا وہ کبھی امن و سلامتی کا رکن نہیں بن سکے گا"[78]

اسلام نے انسان اور معاشرے کے باہمی رابطے کی تمام بنیادوں کے حوالے سے راہنمائی کی ہے، اسلام گھر کے ماحول کو پر امن بنانے کی خاص ہدایت کرتا ہے۔ گھر کے ماحول کا پر امن ہونا بہت ضروری ہے کیونکہ انسان کی زندگی کے ابتدائی ایام گھر میں ہی گزرتے ہیں گھر کی تعلیم و تربیت کا انسانی زندگی پر بہت گہرا اثر پڑتا ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر خالد علوی لکھتے ہیں:

> "ایک اچھے معاشرے کا دارومدار مستحکم خاندان پر ہے تاریخ انسانی پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ تہذیبوں اور تمدنوں کے زوال کا سبب خاندان ہی کا انتشار ہے، رومی سلطنت اسی کے سبب زوال کا شکار ہوئی، خاندان ایک ایسا ادارہ ہے جو انسانی رویے اور طرز عمل کی تشکیل کرتا ہے۔ خاندان ہی وہ واحد ادارہ ہے جس کے ذریعے معاشرتی تربیت حاصل ہوتی ہے اور جو فرد کو اپنے فرائض کا احساس دلاتا ہے، اگر خاندان کا استحکام ختم ہو جائے تو انسانی طرز عمل، معاشرتی فرائض کا شعور اور افراد معاشرہ کے پراتب کا تعین سب کچھ ختم ہو جاتے ہیں"[79]

والدین اور اولاد کے حقوق و فرائض کا تعیّن امن کا ضامن: اللہ تبارک و تعالیٰ نے اسلام میں تمام انسانوں کے لئے الگ الگ فرائض و حقوق بیان فرمائے ہیں اور ان پر عمل پیرا ہونے کی صورت میں معاشرتی امن و امان اور پر سکون زندگی کا حصول انتہائی آسان ہو جاتا ہے۔ کوئی بھی معاشرہ خاندان سے بنتا ہے۔ اور خاندان کی بنیادی اکائی والدین اور اولاد ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اولاد اور والدین کے ذمہ ان کے اپنے اپنے حقوق رکھے ہیں جن کی ادائیگی معاشرے کو پر امن اور سکون کا گہوارہ بناتی ہے۔ انسان جب اس دنیا میں آنکھیں کھولتا ہے تو اس کو سکھانے اور سمجھانے کی ذمہ داری والدین کو ادا کرتے دیکھتا ہے لہٰذا اسے دنیا کے تمام انسانوں میں سب سے پہلے والدین سے حصول امن کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، اس لئے والدین پر اولاد سے متعلقہ بہت سی ذمہ داریاں ڈالی گئی ہیں، اسلام کی رو سے والدین پر ایسے تمام معاملات دیکھنا ضروری ہیں جن کی وجہ سے اولاد کو بہترین اور پر امن زندگی میسر آسکے۔ چونکہ بچپن میں اولاد کو ماں باپ کے پیار و شفقت کی ضرورت ہوتی ہے لہٰذا ان کی پرورش میں اس بات کو ملحوظ رکھنے کی بھی تاکید کی گئی ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

[78] سید قطب، امن عالم اور اسلام، لاہور: مکتبہ اردو ڈائجسٹ مدنی پبلشرز، ص: ۱۱۲

[79] علوی، خالد، اسلام کا معاشرتی نظام، الفیل ناشران و تاجران کتب، لاہور، ۱۹۹۱، ص ۲۸

"وَٱلْوَٰلِدَٰتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَٰدَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَن يُتِمَّ ٱلرَّضَاعَةَ ۚ وَعلى ٱلْمَوْلُودِ لَهُۥ رِزْقُهُنَّ وَ كِسْوَتُهُنَّ بِٱلْمَعْرُوفِ ۚ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا"[80]

ترجمہ: اور ماؤں کو چاہیے کہ اپنی اولاد کو مکمل دو سال تک دودھ پلائیں، یہ مدت ان کے لئے ہے جو رضاعت کی تکمیل کرنا چاہیں، اور باپ کے ذمہ ان ماوں کا حسب استطاعت کھانا، کپڑا بطور خاص لازم ہے کسی شخص پر اس کی وسعت سے زیادہ ذمہ داری نہیں ڈالی جاتی۔

گویا والدین کے لئے اولاد کی پرورش، دودھ پلانا، کھانے پانی کا بندوبست کرنا لازم قرار دیا گیا ہے، لیکن یہ ذمہ داری صرف ذمہ داری ہی نہیں ہے بلکہ اس کو باعث ثواب بھی قرار دیا گیا ہے، اور ان کی تعلیم و پربیت پر توجہ دینے والے کو انعامات کا وعدہ کیا گیا ہے۔ رسول کرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"عن ابي سعيد الخدري ، قال : قال رسول الله ﷺ : من عال ثلاث بنات فادبهن وزوجهن واحسن إليهن فله الجنة"[81]

ترجمہ: "جس شخص نے تین بیٹیوں کی پرورش کی، ان کی اچھی تربیت اور شادی کی اور ان سے حسن سلوک کیا، تو اس کے لئے جنت ہے"

اور باعث ثواب ہونے کے ساتھ ساتھ مال کے مصارف میں سے سب سے پہلا مصرف بھی اولاد پر خرچ کرنے کو قرار دیا گیا ہے

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے

"عن ابي هريرة، قال : سمعت رسول الله ﷺ ، يقول " لان يغدو احدكم فيحتطب على ظهره فيتصدق منه فيستغني به عن الناس ، خير له من ان يسال رجلا اعطاه او منعه ذلك ، فإن اليد العليا افضل من اليد السفلى ، وابدا بمن تعول " [82]

ترجمہ: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: "تم میں سے کوئی شخص صبح سویرے جائے اور لکڑیوں کا گٹھر اپنی پیٹھ پر رکھ کر لائے اور اس میں سے (یعنی اس کی قیمت میں سے) صدقہ کرے اور اس طرح لوگوں سے بے نیاز رہے (یعنی ان سے نہ مانگے) اس کے لیے اس بات سے بہتر ہے کہ وہ کسی سے مانگے، وہ اسے دے یا نہ دے کیونکہ اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے افضل ہے، اور پہلے اسے دو جس کی تم خود کفالت کرتے ہو۔

لیکن جہاں والدین کے لئے اولاد کی پرورش، ان کی تعلیم و تربیت، ان کے کھانے پینے، رہنے سہنے کا خیال رکھنا ذمہ داریوں میں شامل کیا گیا ہے، اور جیسے اولاد کو والدین کی طرف سے حصول امن کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح والدین بھی اولاد کی طرف سے کبھی کبھار شفقت و رحمت کے محتاج ہوتے ہیں اور ایسی صورتحال میں اگر والدین کو اولاد کی طرف سے امن و سکون حاصل نہیں ہوتا تو وہ شدید بے چینی اور کرب میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اس لئے اسلام اولاد کو والدین کے حقوق کی ادائیگی کی تاکید کرتا ہے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

"وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَ لَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا"[83]

---

[80] القرآن، سورۃ بقرۃ، ۲۳۳

[81] السجستانی، سلیمان بن الاشعث، سنن ابی داود، باب فضل من عال یتامیٰ، ۵۱۴۶

[82] ابو عیسی محمد بن سورہ بن شداد، سنن الترمذی، کتاب الزکاۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، باب ماجاء في النهي عن المسالة حدیث نمبر: ۶۸۰

ترجمہ: اور تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہراو اور والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ"
بڑھاپے کی حالت میں والدین کو حسن سلوک کی مزید ضرورت ہوتی ہے۔ والدین کے ساتھ نرم برتاؤ کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی کفالت کرنے اور ان پر خرچ کرنے کی تعلیم دی گئی ہے رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کا ارشاد ہے:

"رغِمَ أَنفُ رجلٍ ذُكِرتُ عندَهُ فلم يصلِّ عليَّ ، ورَغِمَ أنفُ رجلٍ دخلَ علَيهِ رمضانُ ثمَّ انسلخَ قبلَ أن يُغفَرَ لَهُ ، ورغمَ أنفُ رجلٍ أدرَكَ عندَهُ أبواهُ الكبرَ فلم يُدْخِلاهُ الجنَّةَ"[84]

ترجمہ: وہ شخص ناکام ونامراد ہو گیا جس کے سامنے میرا تذکرہ کیا گیا اور اس نے مجھ پر درود نہیں پیش کیا، اور وہ شخص ناکام وناپراد ہو گیا جس پر رمضان کا مہینہ آیا اور چلا بھی گیا اس سے قبل کہ اس کی مغفرت کی جاتی، اور وہ شخص ناکام ونامراد ہو گیا جس نے والدین یا ان میں سے ایک کو بڑھاپے میں پایا اور انہوں نے اس کو جنت میں داخل نہ کرادیا۔

ان تعلیمات سے ہمیں صاف طور پر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ والدین کے ساتھ انتہائی حد تک احسان اور اچھائی ک معاملہ کرنا شریعت اسلامی کے واجبات میں سے ہے۔ اور وہ شخص ناکام ونامراد ہے جس کے والدین یا ان میں سے کوئی ایک اس کے ساتھ بڑھاپے میں تھے اور اس نے ان کی خدمت اور ان کی دلجوئی کر کے اپنے لئے جنت نہیں منگوالی۔ بے شک والدین انسان کے لئے بہترین سرمای ہوتے ہیں اور ان سے حسن سلوک ہی انسان کی دنیا اور عقبیٰ کی کامیابی کا ضامن ہوتا ہے۔ والدین سے بے رغبتی اور ان سے بے توجہی نہ صرف انسان کی عاقبت کو خراب کرتی ہے بلکہ یہ خاندانی نظام امن کی تباہی کا بھی بہت بڑا سبب ہے۔

زوجین کے حقوق کی تعیین وادائیگی پرامن خاندان کی بنیاد ہے: معاشرتی امن کے مبادیات پر اگر ہم غور وحوض کریں تو سب سے اصل اور بنیادی اکائی خاندان کا استحکام اور پرامن ہونا ہے۔ خاندان کی اچھائی اور خرابی پر ہی معاشرے کی اچھائی اور بربادی کا انحصار ہے۔ اس کے برخلاف آج خاندانی نظام کو شکست وریخت کا سامنا ہے بالخصوص مغربی مفکرین کے نزدیک تو خاندان کا تصور ہی بے معنی ہے بلکہ مغربی مفکرین تو اسے آذادیٔ نسواں کے خلاف اہم رکاوٹ قرار دے رہے ہیں۔ ایک فرانسیسی ادیب سائمن باوار کا کہنا ہے:

"جب تک خاندان کے تصور کو ختم نہیں کیا جاتا، جب تک ماں کے ادارہ کو ختم نہیں کیا جاتا، جب تک مادری جذبہ کو ختم نہیں کیا جاتا عورت ہمیشہ مطیع اور ماتحت ہی رہے گی"[85]

جب کہ اسلام نے عورت کو ماں، بہن، بیوی، اور بیٹی جیسی صورتوں میں خاندان کا اہم ترین فرد تسلیم کیا ہے۔ اسلام عورت اور مرد کے تعلقات کی اصولی اور منطقی بنیادیں فراہم کرتا ہے تاکہ انہیں پرامن ماحول میں زندگی گزارنے کا موقع مل سکے۔ لیکن ایک پرامن خاندان کی بنیادین کیا ہیں جن پر وہ کھڑا ہوتا ہے اور معاشرے کے لئے مفید ثابت ہوتا ہے اسلام اس حوالے سے بھی ہماری راہنمائی کرتا ہے۔ اسلام نکاح کی صورت میں عفت وعصمت کا ایک مضبوط حصار قائم کرتا ہے جو انسان کے قیمتی جوہر اور عصمت وپاکیزگی کا

---

[83] القرآن، سورۃ النساء، آیت، ۳۶

[84] قشیری، نیشاپوری، ابوالحسین مسلم بن حجاج، صحیح المسلم، کتاب البر، والصلۃ والادب، باب رغم من ادرک ابویہ اواحدھا، فلم یدخل الجنۃ ۲۵۵۱

[85] نیویارک میگزین، سٹرڈے ریویو، سپتمبر، ۱۹۷۵، بحوالہ گلوبلائزیشن اور اسلام، مولانا یاسر ندیم

سبب بنتا ہے۔ قرآن وحدیث میں نکاح کی بہت اہمیت بیان کی گئی ہے اور قرآن کریم میں اس کو احصان یعنی پناہ گاہ اور حفاظت کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نکاح کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

"حدثنا عمر بن حفص بن غياث ، حدثنا ابي ، حدثنا الاعمش ، قال : حدثني عمارة ، عن عبد الرحمن بن يزيد ، قال : دخلت مع علقمة والاسود على عبد الله ، فقال عبد الله : كنا مع النبي ﷺ شبابا لا نجد شيئا ، فقال لنا رسول الله ﷺ : يا معشر الشباب ، من استطاع الباءة فليتزوج ، فإنه اغض للبصر ، واحصن للفرج ، ومن لم يستطع فعليه بالصوم فإنه له وجاء"[86]

ترجمہ "حضرت نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے نوجوانو تم میں سے جو نان ونفقہ کی استطاعت رکھتا ہے اسے چاہیے کہ وہ نکاح کر لے کیونکہ یہ نگاہوں کو پست کر دینے والا اور شرمگاہ کی حفاظت کرنے والا ہے اور جس کو اس کی استطاعت نہیں ہے اسے چاہیے کہ روزے رکھے اس لئے کہ یہ اس کے لئے ڈھال ہو گا"

اور صرف یہ نہیں کہ نکاح کرنے کی اہمیت وفضیلت بیان فرمائی بلکہ خدا تعالیٰ نے اپنی مدد کا بھی وعدہ فرمایا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"عن سعيد بن ابي سعيد ، عن ابي هريرة ، قال : قال رسول الله ﷺ : ثلاثة كلهم حق على الله عونه الغازي في سبيل الله ، والمكاتب الذي يريد الاداء،والناكح الذي يريد التعفف"[87]

ترجمہ "تین لوگوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد ضرور شامل رہتی ہے۔ اللہ تعالی کے راستے میں جہاد کرنے والا، عصمت وعفت کی خاطر نکاح کرنے والا اور وہ مکاتب جو بدل کتابت ادا کرنے کا ارادا کر رہا ہو۔"

نکاح سنت رسول ﷺ بھی ہے۔ نکاح کرنے سے انسان کی نہ صرف انفرادی زندگی بلکہ اجتماعی زندگی پر بھی مثبت اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ ۭ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ"[88]

ترجمہ: اور نکاح کراؤ جو بے نکاح ہیں تم میں سے اور جو نیک ہیں تمہارے غلاموں اور باندیوں میں سے اگر وہ تنگ دست ہوں تو فکر مت کرو اللہ تعالی انہیں اپنے فضل سے غنی کر دیگا۔ اور اللہ بہت وسعت والا بہت علم والا ہے۔

علامہ ابن کثیرؒ اپنی شہرہ آفاق تصنیف تفسیر ابن کثیر میں اس آیت کی تفسیر یوں کرتے ہیں:

"هذه الايات الكريمات المبينة على جمل من الاحكام المحكمة والاوامرالمبرمة ،فقوله تعالىٰ :وانكحوا الايامىٰ منكم الى آخره ،هذا امر بالتزويج ۔فقد ذهب طائفة من العلماء على وجوب النكاح على كل من قدر عليه واحتجوا

---

[86] بخاری، محمد بن اسماعیل، الصحیح للبخاری، کتاب النکاح، باب من لم یستطع الباءۃ فلیصم، ۵۰۶۶

[87] قزوینی، ابن ماجہ ابو عبد اللہ محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ، کتاب العتق، باب: المکاتب، حدیث نمبر: ۲۵۱۸

[88] القرآن، سورۃ النور، ۲۴/ ۳۲

بظاهر قوله ﷺ "[89]"يا معشر الشباب من استطاع منكم الباءة فليتزوج فانه اغص للبصرو احصن للفرج ومن لم يستطع فعليه بالصوم فانه له وجاء"[90]

ترجمہ: ان آیات کریمہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ بہت سے احکامات ارشاد فرماء رہے ہیں جن میں سے نکاح کا امر بھی ہے، گویا اس آیت کا مطلب یہی ہے کہ ہر وہ شخص جو نکاح کی قدرت وطاقت رکھتا ہو اس کے لئے نکاح کرنا واجب ہے اور یہی بعض مفسرین کی رائے ہے اور اس کی وجہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے: اے نوجوانو تم میں سے جو نان ونفقہ کی استطاعت رکھتا ہے اسے چاہیے کہ وہ نکاح کر لے کیونکہ یہ نگاہوں کو پست کر دینے والا اور شرمگاہ کی حفاظت کرنے والا ہے اور جس کو اس کی استطاعت نہیں ہے اسے چاہیے کہ روزے رکھے اس لئے کہ یہ اس کے لئے ڈھال ہو گا۔

نکاح کا اہم ترین مقصد عفت وعصمت کے ساتھ ساتھ نسل انسانی کی بقاء بھی ہے۔ نکاح کی صورت میں اولاد اور حسب ونسب کا باقی رہنا نسل انسانی کے وجود اور معاشرے کے وجود کے لئے نہایت اہم ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے:

"یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّ نِسَآءً"[91]

مرد خاندان کا سربراہ: پر امن خاندن کو وجود تب تک ہی ممکن ہے جب خاندان میں موجود افراد ایک دوسرے کے حقوق کے بارے میں تفصیلا جانتے ہوں اور ان حقوق کی ادائیگی بھی کرتے ہوں اسی لئے اسلام نے خاندان کے تمام افراد کے لئے ان کے حقوق متعین فرما دیے ہیں اور اسی سلسلے میں مرد کے ذمہ بہت سی ذمہ داریاں لگائی گئی ہیں۔ جن میں حق مہر ادا کرنا مرد پر لازم کی گیا ہے۔ ایسے ہی اپنی بیوی بچوں کی کفالت بھی مرد پر لازم کی گئی ہے اور مرد کو گھر کا سربراہ اور منتظم قرار دیا گیا ہے قرآن کریم میں اللہ تبارک و تعالی ارشاد فرماتے ہیں:

"اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّ بِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ"[92]

ترجمہ: شوہر بیوی کا منتظم ہے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے این میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت بخشی ہے۔ اور اس وجہ سے کہ مرد عورت پر اپنا مال خرچتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ مرد کی ذمہ داریوں کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اطعموهم مما تاكلون واكسوهن مما تكسون"[93]

ترجمہ: "اپنی بیویوں کو وہی کھلاؤ جو تم خود کھاتے ہو اور ان کو پہننے کو وہی دلاؤ جو تم خود پہنتے ہو۔"

---

[89] حافظ عماد الدین ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر تفسیر بالماثور ۶/۴۷

[90] بخاری، محمد بن اسماعیل، الصحیح للبخاری، کتاب النکاح، باب من لم یستطع الباءۃ فلیصم، ۵۰۶۶

[91] القرآن، سورۃ النساء آیت: ۱

[92] القرآن، سورۃ النساء 34

[93] ابو داؤد، کتاب النکاح، باب فی حق المراءۃ علی زوجہا، ۱۲۳۱

ایسے مردوں کے حقوق میں عورتوں کے ساتھ بہتر رویہ اختیار کرنا،اس سے محبت اور الفت سے پیش آنا،اور اپنی بیویوں کے ساتھ انصاف و احسان کا بھی حکم دیا گیاہے۔لیکن ساتھ ساتھ عورتوں پر بھی اسلام کی طرف سے بہت سی ذمہ داریاں ڈالی گئی ہیں۔جیسے نیکی ،شوہر کی اطاعت و فرمانبرداری،اس کی مال و عزت و آبرو کی حفاظت وغیرہ۔اللہ تبارک وتعالی کا ارشاد ہے:

"فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ"[94]

ترجمہ:"پس نیکوکار عورتیں فرمانبردار ہوتی ہیں۔اوراپنے مرد کی عدم موجودگی میں اللہ کی حفاظت و نگرانی میں مردوں کے حقوق کی حفاظت کرنے والی ہوتی ہیں۔"

اسلام نے خاندان کے تمام افراد کے حقوق کا تعین کرکے ان حقوق کی ادائیگی پر زور دیاہے۔اور ساتھ ساتھ ان حقوق کی بطریق احسن ادائیگی کرنے والے کے لئے دنیادی و اخروی انعامات کا بھی وعدہ فرمایاہے اس لئے کہ خاندان کا انتشار نہ صرف فرد داحد بلکہ پورے معاشرے کے نقصان دہ ثابت ہوتاہے۔اسی لئے اسلام نے اگرچہ طلاق کی اجازت دی ہے مگر اس کو ابغض المباحات قرار دیاہے۔

اسلام نے رشتہ داروں کے حقوق و فرائض مقرر فرمائے ہیں: معاشرتی امن کا ایک اہم پہلو رشتہ داروں کے ساتھ اچھائی اور اچھے طریقے سے پیش آناہے۔رشتہ داروں کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرنا بھی گویا اپنے خاندان کے ساتھ بھلائی ہی ہے۔خاندان کو وسعت دی جائے تو میاں بیوی سے شروع ہو کر قبیلہ، قوم،علاقہ سے ہوتے ہوئے ملت تک جا پہنچتاہے۔اسلام نے ہر انسان پر قرابت داروں اور عزیزوں کے حقوق متعین کئے ہیں اور ساتھ ساتھ ان حقوق کی ادائیگی کی بھی تاکید فرمائی ہے۔بھائیوں، بہنوں، خالہ، پھپھو، چچا، تایا ان سب کو ایک سوسرے کے حقوق کی ادائیگی کا پابند بنایاہے۔اسلام نے چچا تایا کو باپ کا درجہ دیاہے اور ارشاد فرمایا"العم صنو الاب "کہ چچاباپ کے قائم مقام ہے۔ایسے ہی اپنے سے بڑوں کے ادب اور احترام کی تلقین کی گئی ہے۔ایسانہیں ہے کہ ایک بھائی بلند و بالا عالی شان محلات میں رہتاہو اور دوسرے بھائی کے رہنے کے لئے جگہ بھی میسر نہ ہو۔اس طرح کی صورتوں میں اخوت اور محبت کی فضاء قائم نہیں رہ سکتی۔اللہ تبارک وتعالی کا ارشاد مبارک ہے:

"وٰات ذاالقربیٰ حقه"[95]

ترجمہ:اور رشتہ داروں کو ان کا حق دو

اور صرف یہ نہیں کہ ان کے حقوق کی ادائیگی کو لازم قرار دیا گیابلکہ ان پر خرچ کرنے کو مصارف میں سے ایک مصرف قرار دیا گیا۔اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

"قل ما انفقتم من خیر فللوالدین والاقربین"[96]

ترجمہ:اے نبی ﷺ آپ کہہ دیں کہ جو آپ خرچنا چاہیں اس میں آپ کے والدین اور قریب کے رشتہ داروں کا بھی حق ہے۔

---

[94] القرآن،سورۃالنساء34

[95] القرآن:بنی اسرائیل آیت۲۶

[96] القرآن۲۱۵/۱

اسلام نے تمام انسانوں سے اچھائی اور صلہ رحمی کا درس دیا ہے۔ اور مسلمان کی اصل پہچان ہی یہ بیان کی گئی ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

"المسلم من سلم المسلمون من لسانه و یده"[97]

ترجمہ: حقیقی مسلمان وہ ہے جس کی زبان و اقوال سے اور ہاتھ اور افعال سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

اسلام میں صلہ رحمی کا حکم دینے کے ساتھ ساتھ قطع رحمی کی ممانعت بھی کی گئی ہے۔ صلہ رحمی کے حوالے سے نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

"من احب ان یبسط له فی رزقه و ینسا له اثره فلیصل رحمه"[98]

ترجمہ: جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کے رزق میں کشادگی ہو اور عمر میں برکت ہو اس کو چاہیے کہ وہ صلہ رحمی سے پیش آئے۔

قطع رحمی کی ممانعت کے حوالے سے نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

"لا یدخل الجنة قاطع"[99]

ترجمہ: قطع تعلقی کرنے والا جنت میں داخل نہ ہو گا

اسلام نے ایمان کی تکمیل کا معیار اسی چیز کو بنایا ہے کہ جو بھی افعال و اعمال انسان سر انجام دے وہ سب اللہ تعالیٰ کی رضاء و خوشنودی کے لئے ہوں۔ اگر کسی سے اچھائی کا معاملہ کرنا ہو یا کسی کے ساتھ سختی کا معاملہ کرنا ہو سب کے سب معاملات میں اللہ کے حکم کو ترجیح دی جائے۔ اگر اللہ کا حکم آجائے تو انتہائی قریبی رشتہ داروں سے بھی درگزر نہ کرے۔ اور جب کبھی اللہ کا حکم معافی کا ہو تو انتہائی سخت دشمن سے بھی درگزر کر جائے۔ جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حوالے سے منسوب ہے کہ دوران جہاد ایک کافر کی گردن کاٹنے والے تھے کہ اس نے آپ رضی اللہ عنہ پر تھوک دیا۔ آپ نے اس کو قتل کرنے کے بجائے معاف کر دیا اور وجہ یہ بتائی کہ جہاد صرف خدا کی رضاء و خوشنودی کے لئے ہوتا ہے۔ اس بندہ نے جب مجھ پر تھوک پھینکا تو میرا ذاتی غصہ بھی انتقام کے لئے شامل ہو گیا لہذا میں نے اس کو قتل نہیں کیا۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"من احب لله و ابغض لله و اعطی لله و منع لله فقد استکمل الایمان"[100]

ترجمہ: جس بندے نے کسی سے اللہ کے محبت کی اور اللہ کے لئے ہی بغض رکھا اور اللہ ہی کے لئے کسی کو کوئی مال دیا اور اللہ ہی کے لئے کسی کو کچھ دینے سے رک گیا اس نے ایمان مکمل کر لیا

لہذا اپنے تعلق داروں اور رشتہ داروں سے حسن سلوک معاشرے میں امن و امان لانے کا باعث بنتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ معاشرے سے بغض و نفرت اور عناد و فساد کے خاتمہ کا بھی سبب بنتا ہے۔

---

[97] بخاری، محمد بن اسماعیل، الصحیح للبخاری جلد اول: کتاب الإیمان

[98] بخاری، محمد بن اسماعیل، الصحیح للبخاری، کتاب الادب، باب من بسط له فی الرزق لصلة الرحم ۵۹۸۵

[99] قشیری، نیشاپوری، ابو الحسین مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، کتاب البر والصلة، باب صلة الرحم وتحریم قطعها

[100] السجستانی، سلیمان بن الاشعث، سنن ابی داود، السنة، باب الدلیل علی زیادة الإیمان ونقصانه، حدیث ۴۶۸۱

مبحث دوم: عالمی و اجتماعی امن کے ارکان و اصول:

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ آج کی دنیا بدامنی اور بدتہذیبی کی طرف بہت تیزی سے گامزن ہے۔ پوری دنیا گلوبل ویلیج کی صورت میں ایک گاؤں بن چکی ہے۔ مگر دنیا میں افراتفری اور سراسیمگی برق رفتاری سے بڑھ رہی ہے۔ دنیا میں مختلف مذاہب و اقوام معاشرتی امن و استحکام کے حوالے سے کاوشیں کر رہے ہیں لیکن کوئی خاطر خواہ کامیابی نہیں مل رہی۔ اسلام نے انسانوں کی ہر نہج اور ہر طریقے سے رہنمائی کی ہے۔ اسلام عالمی امن کا مربوط، منظم اور جامع تصور دیتا ہے۔ اسلام نے دنیا کو ایسے وقت میں امن سے روشناس کروایا جب دنیا تمام تر اخلاقیات کے اصولوں سے عاری اور انتہائی پستی میں پڑی ہوئی تھی۔ جب ظلم و ستم معاشرے میں ناسور بن کر داخل ہو چکے تھے۔ اور تمام اطراف عالم میں بے کسوں اور کمزوروں کا کوئی والی وارث نہ تھا۔ اور اس معاشرے کو پر امن اور جنت نظیر بنانے کیلئے ایسا عالمی منشور دیا جو کہ اس دنیا میں امن کے قیام اور ہر طرح کی افراتفری سے نجات کا واحد ذریعہ ہے۔ اسلامی عالمی منشور کے بعض اہم اراکین و اصول درج ذیل ہیں:

وحدت انسانیت: اسلام تمام انسانوں کو مادی اغراض کے بجائے صرف انسانیت کی بنیاد پر متحد ہونے کا حکم دیتا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”يَاَيُّهَاالنَّاسُ اِنَّاخَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍوَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْاؕاِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْؕ- اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ“[101]

ترجمہ: اے لوگو ہم نے تمہیں ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہیں قومیں اور قبیلے بنایا تاکہ تم آپس میں پہچان رکھو، بیشک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیز گار ہے بیشک اللہ جاننے والا خبر دار ہے۔

قرآن کریم میں بارہا خدا تعالیٰ نے یہ حقیقت وضاحت سے بیان کی ہے کہ تمام انسان ابتدائی طور پر ایک ہی تھے۔ پھر رفتہ رفتہ ان میں اختلافات ہوئے اور یوں ہزاروں فرقوں اور لکیروں میں بٹ کر رہ گئے۔ اسلام تمام انسانوں کو انسانیت کی بنیاد پر وحدت کی تعلیم دیتا ہے اور ساتھ ساتھ ایسی مضبوط اور ٹھوس بنیادیں بھی فراہم کرتا ہے جو انسانوں کے مابین اتحاد اور امن کا باعث بن سکیں ذیل میں کچھ عوامل لکھے جاتے ہیں جو بنیادی طور پر انسانوں کے اتحاد یا افتراق کا باعث بن سکتے ہیں۔

نسل اور ذات پات کے اعتبار سے کسی کو کوئی فوقیت نہیں: انسانی معلوم تاریخ میں بہت سے گروہوں نے نسلی بنیادوں پر فتنہ و فساد برپا کرنے کی کوشش کی اور نتیجۃً دنیا میں قتل و غارت گری کا بازار گرم ہو گیا، کبھی ریڈ انڈین اور سیاہ فامون کی نسل کشی کی گئی، کبھی یہودیت اور عیسائیت کے احساس نے باقی عوام کو مقتداوں کے ہاتھوں پسوا کر رکھ دیا، کبھی برہمنیت کی افضلیت کے نعرے نے ذات پات کے احساس کو جنم دیا اور اپنے علاوہ تمام لوگوں کو ناپاک و نجس قرار دے دیا گیا۔ اور یوں نسل انسانی جس کی بنیاد ایک ماں باپ سے ہے مختلف اقوام اور قبائل میں تقسیم ہو کر ایک دوسرے کا گلہ کاٹنے لگی۔ لیکن اسلام اس طرح کے تمام نظریات کو باطل قرار دیتا ہے اور اس بات پر زور دیتا ہے کہ تمام انسان ایک ہی نسل سے ہیں اور اقوام اور قبائل کی تقسیم محض اس لئے ہے تاکہ آپس میں جان پہچان اور

---

[101] القرآن، سورۃ الحجرات، ۱۳

تعارف ہو سکے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے بھی بار بار نسلی تعصب سے دور رہنے کی تلقین فرمائی ہے۔ اور ہمیشہ ہی انسانی مساوات پر زور دیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

"یاایھا الناس الا ان ربکم واحد و ان اباکم واحد الا لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لاحمر علی اسود ولا لاسود علی احمر الابالتقویٰ"[102]

ترجمہ: اے لوگو گواہ رہو تمہارا پروردگار ایک ہے اور تم سب کی اصل ایک ہے۔ سنو کسی عربی کو کسی عجمی پر، کسی عجمی کو کسی عربی پر، نہ کسی کالے ک کسی گرے پر اور نہ ہی کسی کالے کو کسی گورے پر کوئی فضیلت ہے، سوائے تقویٰ کے۔

قومی و مذہبی وحدت: اسلامی تعلیمات کے مطابق تمام انسانوں کا خدا ایک ہے اور ہر انسان کو اسی نے پیدا کیا ہے اور اسی خدا کے ہاتھ میں ہی تمام کائنات کے معاملات اور تصرفات ہیں۔ اسی لئے تمام انسانوں کو چاہیے کہ اسی کی عبادت کریں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"یا ایہا الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم والذین من قبلکم لعلکم تتقون"[103]

ترجمہ: اے لوگو اپنے پروردگار کی عبادت کرو جس نے تمہیں بھی اور تمہارے پہلوں کو بھی پیدا کیا تاکہ تم تقویٰ اختیار کر سکو

اس آیت مبارکہ میں خدا تعالیٰ نے تمام اقوام کو ایک چیز میں یکساں کو کے وحدت انسانیت کا درس دیا ہے اور پھر تمام انسانوں کو ایک رب کی عبادت میں جمع کر کے یہ حکم دیا ہے کہ تمام انسان ایک مذہب یعنی توحید الٰہی کے ماننے والے اور احکام الٰہی کی پابندی کرنے والے بن جاؤ۔ اسلام انسانیت کی مضبوط اجتماعیت میں قومی ہو یا معاشرتی معاشی ہو یا مادی تمام اطراف و جوانب اور تمام بنیادوں کے ذریعے انتشار و اختلاف پیدا کرنے کو موجب فساد سمجھتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ وَ جَعَلَ اَهْلَهَا شِیَعًا یَّسْتَضْعِفُ طَآىِٕفَةً مِّنْهُمْ یُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَ یَسْتَحْیٖ نِسَآءَهُمْ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ"[104]

ترجمہ: "بے شک فرعون زمین میں بہت بڑھ چڑھ گیا تھا، اور اس زمین (مصر) کے باشندوں کو مختلف گروہوں میں بانٹ دیا تھا ان میں سے ایک جماعت کو کمزور تر کر رہا تھا، ان کے بیٹوں کو قتل کر دیتا تھا اور ان کی عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتا تھا، یقیناوہ بہت بڑا فسادی تھا"۔

قرآن کریم میں متعدد مقامات پر اس بات کی صراحت کی گئی ہے بعثت انبیاء کا مقصد انسانیت کے درمیان عدل و انصاف اور مساوات کا قیام ہے اور ان کی بعثت کسی بھی خطے یا علاقے کے لئے ہوئی ہو۔ انبیاء کی آمد مسعود کا مقصد لوگوں کا دنیاوی اور اخروی فائدہ تھا۔ انبیاء کرامؑ لوگوں کو دین کی طرف بلاتے تھے جس پر عمل پیرا ہو کر لوگ دنیا کی زندگی کو بھی بہترین بنا سکتے تھے اور اپنی اخروی زندگی میں بھی کامیابی و کامرانی سمیٹ سکتے تھے۔ اور انبیاء کرام اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے واضح نشانیاں لے کر آتے تھے تاکہ لوگوں کے مابین بھائی چارگی اور امن و انصاف کا بول بالا کر سکیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"لقد ارسلنا رسلنا بالبینٰت وانزلنا معھم الکتٰب والمیزان لیقوم الناس بالقسط"[105]

---

[102] احمد بن حنبل، مسند احمد بن حنبل، ۵/۴۱۱

[103] القرآن، سورۃ بقرہ، آیت ۲۱

[104] القرآن، سورۃ القصص، آیت ۴

[105] القرآن، سورۃ الحدید، آیت، ۲۵

ترجمہ: ہم نے رسولوں کو واضح نشانیوں کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تا کہ تمام لوگوں کے درمیان انصاف قائم کرے۔

خاص کر آخری رسول سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے اس بات کا اعلان کرایا گیا کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانوں کے لئے اللہ کی طرف سے بھیجے گئے رسول ہیں اور آپ ﷺ کی تعلیمات تمام انسانوں کی دیاوی اور خروی کامیابی کے لئے زینہ ہیں اور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کو کل جہان اور پوری کائنات کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے قرآن کریم میں اللہ تبارک وتعالی کا ارشاد ہے:

"قل یا ایہا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا"[106]

ترجمہ آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو میں تم سب لوگوں کے لیے اللہ کا بھیجا گیا رسول ہوں

ایک اور جگہ پر نبی اکرم ﷺ کا تمام انسانوں کے لئے مبعوث ہونا اور ان کی راہنمائی کرنا اور بھی تاکید کے ساتھ ارشاد ہے:

"وما ارسلنٰک الا کافّۃ للناس"[107]

ترجمہ اور ہم نے آپ کو پوری انسانیت کے لیے مبعوث کیا ہے۔

مزید بر آں خود قرآن کریم میں بھی بات کثرت سے بیان کی گئی ہے کے قرآن کریم کسی خاص طبقہ خاص علاقہ یا اس قوم کے لوگوں کے لیے نہیں اتارا گیا بلکہ قرآن کریم کائنات کے ہر ہر فرد کے لئے دونوں جہان کی رہنمائی کے لئے اتارا گیا ہے اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"تبٰرک الّذی نزّل الفرقان علیٰ عبدہٖ لیکون للعٰلمین نذیراً"[108]

ترجمہ پاک ہے وہ ذات جس نے قرآن کو اپنے بندے پر نازل کیا تا کہ تمام کائنات کے لئے ڈرانے والا ہو چنانچہ قرآن مجید کے بیان کردہ اکثر احکام میں پوری انسانیت کو مخاطب کیا گیا ہے اور پوری انسانیت کو ہی اس بات کی تلقین کی گئی ہے کہ بنی رحمت ﷺ کی تعلیمات کی پیروی کرتے ہوئے اللہ تعالی کے احکامات کی تعمیل کریں۔

عدل وانصاف کے معاملہ میں تمام انسان برابر ہیں: اسلامی تعلیمات کے مطابق عدل وانصاف میں تمام انسانوں کو برابر کا درجہ حاصل ہیں۔ حق انصاف کے انصاف کے معاملے میں کسی قوم فرقے یا کسی مذہب کو کسی خاص تفریق یا نہیں دی گئی قرآن کریم میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"وَ اِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ"[109]

ترجمہ جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل وانصاف کے ساتھ کیا کرو۔

قرآن کریم میں اللہ تعالی کے اس ارشاد میں تمام لوگوں کو ایک درجے میں رکھا گیا ہے قرآن کریم میں صرف مسلمانوں کے لیے ہی عدل وانصاف کا نہیں کہا گیا بلکہ غیر مسلموں کے ساتھ بھی انصاف اور حسن سلوک کا بارہا حکم دیا گیا ہے اسی لئے قرآن حکیم میں اللہ

---

[106] القرآن، سورۃ الاعراف، ۱۵۸

[107] القرآن، سورۃ سبا آیت ۲۸

[108] القرآن، سورۃ الفرقان آیت ۱

[109] القرآن، سورۃ النساء آیت ۵۸

تبارک و تعالیٰ نے لفظ الناس کا استعمال کیا ہے جس میں کسی قسم کی کوئی تفریق نہیں ہے۔نہ تفریق مذہب ہے نہ ہی تفریق ملک و قوم ہے۔ حسن سلوک ہر ایک کے ساتھ کرنا ہی اسلام کا حسن ہے۔ جس میں اعلیٰ اخلاق اور بہترین معاملات سے لوگوں سے پیش آنے کی بار رہا تلقین کی گئی ہے۔

اسلام تمام انسانوں کو افضل ترین مخلوق قرار دیتا ہے۔اسلام کے مطابق تمام کے تمام انسان برابر ہیں چاہے وہ کسی بھی قبیلے کسی بھی خطے یا کسی بھی قومیت سے تعلق رکھتے ہوں۔اور انسانوں کو مختلف قبائل اور قوموں میں تقسیم کرنے کا جو واحد مقصد قرآن کریم میں اللہ تبرک و تعالیٰ نے بتایا ہے وہ یہ کہ تاکہ آپس میں پہچان ہو سکے۔اور تمام ہی انسانوں کو معزز اور مکرّم مخلوق قرار دیا گیا ہے قرآن کریم میں بارہا عظمت انسانی کا تذکرہ کیا گیا ہے ایک جگہ ارشاد ہے:

"ولقد کرّمنا بنی اٰدم و حملنٰھم فی البرّ والبحر و رزقنٰھم من الطّیّبٰت و فضّلنٰھم علیٰ کثیر مّمن خلقنا تفضیلاً"[110]

ترجمہ:اور ہم نے آدم کی اولاد کو بزرگی دی اور انہیں خشکی اور تری میں سواری عطا کی اور انہیں پاکیزہ رزق دیا اور اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت بخشی۔

خود فطرت انسانی ہی اولاد آدم کی عزت و تکریم کا اس کا تقاضہ کرتی ہے اللہ کے نزدیک انسان معزز اور محترم ہے اور انسانوں کو اشرف المخلوقات کا شرف عطا کیا گیا اور تمام انسانوں کو اللہ تعالی کی طرف سے دنیا میں خلیفہ قرار دیا گیا امانت اور خلافت کا ذمہ دار قرار دے کر سے متعلقہ تمام ذمہ داریوں کی ادائیگی کا شعور دیا گیا اور یوں عظمت اور عزت کو دوبالا کر دیا گیا۔اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"واذ قال ربک للملٰئکۃ انی جاعل فی الارض خلیفۃً"[111]

ترجمہ:اور اس وقت کو یاد کرو جب تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں

حقوق انسانی کا احترام اور انسانیت کی تعظیم: عالمی امن کے لیے اسلام کا تیسرا منشور انسانی حقوق کی حفاظت کرنا ہے اسلام سے پہلے معلوم دنیا کی تاریخ میں انسانی حقوق کا تصور کہیں نہیں ملتا چالیس کی دہائی میں اقوام متحدہ کی طرف سے حقوق انسانی کا منشور سامنے آیا لیکن یہ منشور ان طاقتوں کے ذریعہ تیار کیا گیا جن کی تاریخ ظلم تشدد اور قتل وغارت گری سے بھری ہوئی ہے یہ عالمی منشور امن یا حقوق انسانی کے تحفظ کے لئے مرتب نہیں کیا گیا تھا بلکہ اس کا مقصد ان جرائم پر پردہ ڈالنا تھا جو اس سے قبل وہ کر چکے تھے لیکن اسلام انسانی حقوق کی حفاظت کو عالمی امن کا سب سے اہم ذریعہ تصور کرتا ہے بلکہ اسلامی احکام اور قوانین کی اصل اور بنیادی غرض انسان کو اس کے حقوق سے آگاہ کرنا اور اس کے تمام حقوق اس کو دلانا ہے اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں:

"ان اللہ یامرکم ان تُودوالا مٰنٰت الیٰ اھلھا واذاحکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل ان اللہ نعمّا یعضکم بہ"[112]

---

[110] القرآن، بنی اسرائیل آیت ۷

[111] القرآن، سورۃ بقرۃ آیت ۳۰

[112] القرآن، النساء آیت، ۵۸

ترجمہ: اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان لوگوں کے سپرد کر دو جو اس کے اہل ہیں اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو عدل کے ساتھ کرو اللہ تم کو انتہائی عمدہ نصیحت کرتا ہے

قرآن کریم میں انسانی حقوق کے مختلف پہلوؤں اور گوشوں کی طرف سے توجہ دی لائی گئی ہے اور ان حقوق کی ادائیگی اور تحفظ کے لئے بطور خاص تاکید کی گئی ہے بعض بنیادی انسانی حقوق یہ ہیں:

جان کی حفاظت: اسلام تمام انسانوں کو ایک جنس اور ایک انسان کی اولاد قرار دیتا ہے اور تمام انسانوں کو معزز اور محترم قرار دیتا ہے اس کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ تمام انسانوں کی جانوں کی حفاظت کی جائے اس لیے قرآن کریم میں کسی بھی انسان کے ناحق قتل کو سنگین جرم قرار دیا گیا ہے اور اس سے بچنے کی بہت ہی زیادہ تاکید کی گئی ہے ارشاد باری تعالی ہے:

"ولا تقتلوا النفس الّتی حرّم الله الاّ بالحق ذٰلک وصّٰکم بہٖ لعلکم تعقلون"[113]

ترجمہ: اور کسی جان کو جسے اللہ نے محترم قرار دے رکھا ہے ناحق قتل مت کرو یہ وہ باتیں ہیں جن کی اللہ تمہیں سخت تاکید کرتا ہے شاید تم عقل سے کام لے لو۔

اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ قرآن کریم کسی ایک انسان کے قتل کرنے کو انتہائی خوفناک اور عالمی جرم قرار دیتا ہے اللہ تعالی کے ارشاد کا مفہوم ہے جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا۔ گویا کسی بھی انسان کو قتل کرنا مسلمانوں کے نزدیک انتہائی قبیح اور برا فعل ہے اور اس انسانی جان کی عزت و احترام میں مسلم اور غیر مسلم کی طرح کا کوئی فرق نہیں کیا گیا۔ اسی طرح کسی کی جان لینے کے لئے سوائے قصاص یا کسی ایسے معاملے کے جس میں قتل کی سزا دی جاسکتی ہو حکومت کو بھی کسی انسان کو قتل کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

مال و دولت کی حفاظت: انسانی جان کے ساتھ ساتھ انسانی املاک کی حفاظت بھی انسان کا بنیادی حق ہے چنانچہ اسلام ہر انسان کی املاک اور جائیداد کو قانونی اور اخلاقی تحفظ فراہم کرنے پر زور دیتا ہے اس تحفظ میں کسی قسم کی قوم مذہب یا خطہ اور علاقہ کی تفریق نہیں کی گئی۔ اور تمام انسانوں کو ان کے مال و جان اور عزت و آبرو کی حفاظت کا حکم دیا گیا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل و تدلوا بها الی الحکّام لتاکلوا فریقاً من اموال الناس بالاثم وانتم تعلمون"[114]

ترجمہ: اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے نہ کھاؤ اور نہ ہی حاکموں کے سامنے ان کو اس غرض کے لئے پیش کرو کہ تمہیں دوسروں کے مال کا کوئی حصہ قصداً ظالمانہ طریقے سے کھانے کا موقع مل جائے۔

اسلام میں نا صرف اپنی عزت و آبرو کی حفاظت کا حکم دیا گیا ہے بلکہ دوسروں کے اموال، عزت اور آبرو کی حفاظت کی بھی انتہائی تاکید کی گئی ہے۔ نبی اکرم ﷺ ۸ ہجری کو فتح مکہ کے موقع پر تمام مسلمانوں کو اس بات کا حکم دیا تھا کہ کوئی بھی کسی کو بھی کسی طرح کی

---

[113] القرآن، سورۃ الانعام ۱۵۱

[114] القرآن، سورۃ البقرۃ، آیت، ۱۸۸

تکلیف نہیں پہنچائے۔ سوائے ان لوگوں کے جو باقاعدہ طور پر مقابلے کے لئے نکلیں۔ اسی طرح اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام لوگوں کے بنیادی حقوق کی حفاظت کا تذکرہ خطبہ حجۃ الوداع کے دوران ان الفاظ کے ذریعے ارشاد فرمایا:

"وعنْ أَبي بكْرةَ أنَّ رسُول اللَّه ﷺ قَالَ في خُطْبتِهِ يوْم النَّحر بِمنىً في حجَّةِ الودَاعِ: إنَّ دِماءَكُم، وأمْوالَكم وأعْراضَكُم حرامٌ عَلَيْكُم كَحُرْمة يومِكُم هَذَا، في شهرِكُمْ هَذَا، في بلَدِكُم هَذَا، ألا هَلْ بلَّغْت"[115]

ترجمہ تمھاراخون تمہارے اموال اور تمہاری عزتیں ایک دوسرے پر حرام ہیں تمہارے اس دن اس ماہ اور اس شہر کی حرمت کی طرح۔

اسلام دوسرے مذاہب و افکار کے ماننے والوں کی املاک کی حفاظت کا خاص خیال رکھتا ہے تاکہ کسی کو بھی اسلام کے حوالے سے عصبیت یا مذہبی عصبیت کا شائبہ تک نہ ہو۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ میں غزوہ خیبر میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک تھاجنگ کے اختتام کے بعد کچھ غیر مسلموں نے آکر کی شکایت کی کے کچھ لوگ ہمارے غلوں اور پھلوں کو لوٹ رہے ہیں اور ہمارے اموال ضائع ہو رہے ہیں۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر ارشاد فرمایا:

"الا لا يحل اموال المعاهدين الا بحقها"[116]

ترجمہ: آگاہ رہو، خبر دار کہ ایسے لوگ جن سے ہمارا معاہدہ ہے ان کے اموال، ان کی جانیں ناحق طریقے سے بلا اجازت استعمال کرنا حرام ہے۔

گویا جنگ کا موقع ہو یا امن کا، کسی بھی مسلمان کو کسی بھی انسان کے اموال میں چھیڑ چھاڑ کرنے، اور بلا اجازت استعمال کرنا بالکل حرام قرار دیا گیا ہے۔ سوائے ان کچھ سورتوں کے جب مسلمانوں کا کسی سے مقابلہ ہو اور مال غنیمت جمع کیا جا رہو۔ مگر مال غنیمت کے جمع کرنے میں بھی اس بات کو ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے کہ کسی ایسے بندے کے اموال کو نہ لی جائے جس کے ساتھ مسلمانوں کا معاہدہ ہوا ہے یا مسلمانوں میں سے کسی نے اس کو اپنی امان میں لے لیا ہے۔ ایک اور دوسری روایت میں حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کا ارشاد گرامی ہے:

"ان الله لم يحل لكم ان تدخلوا بيوت اهل الكتاب الا باذنهم ولا ضرب نساءهم و اكل ثمارهم"[117]

ترجمہ: غیر مسلموں کے گھر میں بلا اجازت داخل ہونا ان کی عورتوں پر دست درازی کرنا اور ان کے پھل وغیرہ بلا اجازت کے استعمال کرنا اللہ تعالی نے تمہارے لیے حلال قرار نہیں دیا ہے۔ حضرت نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

"عن عائشة زوج النبي ﷺ ، " ان قريشا اهمهم شان المراة التي سرقت في عهد النبي ﷺ في غزوة الفتح ، فقالوا : من يكلم فيها رسول الله ﷺ ؟، فقالوا : ومن يجترئ عليه إلا اسامة بن زيد حب رسول الله ﷺ ، فاتي بها رسول الله ﷺ فكلمه فيها اسامة بن زيد ، فتلون وجه رسول الله ﷺ فقال :

---

[115] البخاری، محمد بن اسماعیل،، الصحیح للبخاری، کتاب العلم، باب قول النبی ﷺ رب مبلغ اوعیٰ من سامع، ۲۴۵۱

[116] السجستانی، سلیمان بن الاشعث، سنن ابی داود، کتاب الاطعمہ، باب النھی عن اکل اموال المعاھدین، ص

[117] السجستانی، سلیمان بن الاشعث، سنن ابی داود، کتاب الخران، الغی والامارۃ۔ ص

اتشفع في حد من حدود الله ؟فقال له اسامة : استغفر لي يا رسول الله ، فلما كان العشي قام رسول الله ﷺ فاختطب ، فاثنى على الله بما هو اهله ، ثم قال : اما بعد فإنما اهلك الذين من قبلكم انهم كانوا إذا سرق فيهم الشريف ، تركوه ، وإذا سرق فيهم الضعيف ، اقاموا عليه الحد ، وإني والذي نفسي بيده لو ان فاطمة بنت محمد سرقت ، لقطعت يدهاثم امر بتلك المراة التي سرقت فقطعت يدها"[118]

ترجمہ: ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، جو بی بی تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی، قریش کو فکر پیدا ہوئی اس عورت کی جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں جب مکہ فتح ہوا چوری کی۔ لوگوں نے کہا: کون کہے گا اس باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے، انہوں نے کہا: اتنی جرأت کون کر سکتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سوا اسامہ بن زید کے جو چہیتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا، آخر وہ عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائی گئی اور سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ نے سفارش کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کا رنگ بدل گیا (غصے سے) اور فرمایا: "تو اللہ تعالیٰ کی حد میں سفارش کرتا ہے۔" اسامہ نے کہا: یارسول اللہ! آپ میرے لیے دعا کیجئیے معافی کی، جب شام ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور خطبہ پڑھا، پہلے اللہ تعالیٰ کی تعریف کی جیسے اس کو شایان ہے۔ پھر فرمایا: "بعد اس کے! تم سے پہلے لوگ اسی لیے ہلاک ہوئے کہ جب کوئی عزت دار آدمی چوری کرتا تو اس کو چھوڑ دیتے اور جب غریب ناتواں کرتا تو اس پر حد قائم کرتے اور میں تو اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر فاطمہ (رضی اللہ عنہا)، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹی بھی چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹ ڈالوں۔" سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: (ہاتھ کاٹنے کے بعد) وہ چور عورت اچھی ہو گئی اور اس نے نکاح کر لیا وہ میرے پاس آتی میں اس کے مطلب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کر دیتی۔

اسی طرح اس طرح کے جرم کرنے کی صورت میں سزا کے متعلق قرآن کریم میں اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"والسّارق والسّارقة فاقطعوا ايديهما جزاءً بما كسبا نكالاً من الله"[119]

ترجمہ چور خواہ مرد ہو یا عورت دونوں کے ہاتھ کاٹ دو ان کے ان کرتوتوں کا بدلہ ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عبرت ناک سزا کے طور پر

اسی طرح اور اس کے علاوہ دیگر اور تخریبی کاموں کی سزائیں ان الفاظ میں بیان کی گئی ہیں

"اِنَمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيۡنَ يُحَارِبُوۡنَ اللّٰهَ وَ رَسُوۡلَهٗ وَ يَسۡعَوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ فَسَادًا اَنۡ يُّقَتَّلُوۡۤا اَوۡ يُصَلَّبُوۡۤا اَوۡ تُقَطَّعَ اَيۡدِيۡهِمۡ وَ اَرۡجُلُهُمۡ مِّنۡ خِلَافٍ اَوۡ يُنۡفَوۡا مِنَ الۡاَرۡضِ‌ؕ ذٰلِكَ لَهُمۡ خِزۡىٌ فِى الدُّنۡيَا‌ وَ لَهُمۡ فِى الۡاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ"[120]

---

[118] الصحیح للبخاری، کتاب احادیث الانبیاء، رقم الحدیث، ۳۴۷۵، و صحیح مسلم، کتاب الحدود، باب قطع السارق الشریف وغیرہ والنھی عن الشفاعۃ فی الحدود: حدیث نمبر: ۴۴۱۱

[119] القرآن، سورۃ المائدہ، آیت ۳۸

[120] القرآن، سورۃ المائدہ، آیت ۳۳

ترجمہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں زمین میں اس لیے تگ و دو کرتے ہیں تاکہ فساد برپا کریں ان کی سزا یہ ہے وہ قتل کیے جائیں یا سولی چڑھائے جائیں یا ان کے ہاتھ اور پیر مخالف سمتوں سے کاٹ دیئے جائیں یا وہ جلاوطن کر دیا جائے یہ ذلت و رسوائی تو ان کے لیے دنیا میں ہے اور آخرت میں ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔

مذہبی رواداری: عالمی امن کو تباہ کرنے میں مذہبی تعصب اور تنگ نظری کا اہم کردار ہوتا ہے۔ اور عمومی طور پر وہی لوگ عالمی طور پر امن اور سکون کو نقصان پہنچاتے ہیں جو مذہبی رواداری سے کوسوں دور شدت پسندی میں پڑے ہوتے ہیں۔ اس لئے اسلام تمام انسانوں کو مذاہب و افکار کے تعین میں اختیار دیتا ہے تاکہ وہ اپنی عقل اور دانش کا استعمال کر کے اپنے لئے کامیابی و کامرانی کا راستہ متعین کر سکیں۔ اور اپنی عقل و خرد کا استعمال کرتے ہوئے اپنے برے بھلے کا فیصلہ کر سکیں۔ مگر خدا تعالیٰ نے انسان کو عقل سلیم بھی عطا فرمائی ہے اور جو انسان بھی اپنی عقل کو معتدل رکھتے ہوئے مظاہر فطرت پر غور و فکر کرتا ہے اور زمین و آسمان کے مناظر پر کماحقہ بنظر غائر فکر و تدبر کرتا ہے وہ خدا تعالیٰ کی وحدانیت اور خالق کون مکان کی ضرور گواہی دیتا ہے۔ اگرچہ اسلام تمام انسانوں کو دنیاوی اور اخروی فلاح کا ہے لیکن تمام انسانوں کو مذہب کے انتخاب کرنے میں اختیار دینے کے ساتھ ساتھ کفر و شرک اور الحاد و بے دینی کے مضمرات سے بھی باخبر کرتا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

"وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا ۙ اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا وَ اِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِى الْوُجُوْهَ بِئْسَ الشَّرَابُ وَ سَآءَتْ مُرْتَفَقًا"[121]

ترجمہ: اور کہہ دو کہ: حق تو تمہارے رب کی طرف سے آچکا ہے۔ اب جو چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے کفر اختیار کرے۔ ہم نے بیشک (ایسے) ظالموں کے لیے آگ تیار کر رکھی ہے جس کی قناتیں ان کو گھیرے میں لے لیں گی، اور اگر وہ فریاد کریں گے تو ان کی فریاد کا جواب ایسے پانی سے دیا جائے گا جو تیل کی تلچھٹ جیسا ہو گا، (اور) چہروں کو بھون کر رکھ دے گا۔ کیسا بدترین پانی، اور کیسی بری آرام گاہ[122]۔

یعنی حق کے واضح ہو جانے کے بعد دنیا میں کسی کو ایمان لانے پر زبردستی مجبور نہیں کیا جاسکتا، البتہ جو شخص ایمان نہیں لائے گا، اس کو آخرت میں بیشک ایک خوفناک عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اسلام اپنے افکار و نظریات کو بزور طاقت مسلط کرنے مذہب میں دوسروں کو زبردستی ظلم کرنے سے منع کرتا ہے۔ اور کسی بھی انسان میں اللہ تعالیٰ نے ہر دو طرح کی خصوصیات ودیعت کی ہیں۔ نیکی اور بدی اور اسے اس بات کا اختیار دیا ہے کہ وہ نیکی اور بدی میں سے جس چیز کا چاہے انتخاب کرے مگر اس کے ساتھ ساتھ ہر دو کے انتخاب کی صورت میں اس کے انجام سے بھی باخبر کر دیا ہے۔ اور یہی انسان کی فطرت بھی ہے اور یہی قانون خداوندی بھی ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے:

" لَاۤ اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَ يُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ"[123]

---

[121] القرآن، سورۃ الکہف، آیت ۲۹

122 عثمانی، مفتی محمد تقی، آسان ترجمۂ قرآن، سورۃ الکہف، آیت ۲۹

[123] القرآن، سورۃ البقرہ، آیت ۲۵۶

ترجمہ: دین کے معاملے میں کوئی زبردستی نہیں ہے، ہدایت کا راستہ گمراہی سے ممتاز ہو کر واضح ہو چکا، اس کے بعد جو شخص طاغوت کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لے آئے گا، اس نے ایک مضبوط کنڈا تھام لیا جس کے ٹوٹنے کا کوئی امکان نہیں، اور اللہ خوب سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔[124]

کہ دین میں کوئی زبردستی نہیں ہے ہدایت گمراہی سے صاف صاف اور کھل چکی ہے ساتھ ساتھ قرآن کریم میں اس بات کی طرف بھی دھیان دلایا گیا ہے کہ اصل اور مضبوط رسی اور سیدھا راستہ خدا تعالیٰ کا عطاء کردہ راستہ ہی ہے اور اسی پر چلنے کی صورت میں ہی اصل کامیابی مل سکتی ہے۔ ایک اور جگہ وضاحت سے یہ بات بیان کی گئی ہے خدا کی مشیت ہوتی تو لوگ اسلام میں داخل ہو جاتے اور کوئی بھی شرک پر باقی نہ رہتا اس صورت میں خلقت قبول ہدایت کے لئے مجبور ہوتی لیکن مشیت الٰہی نے ہر شخص کو قبول ہدایت میں اختیار کی آزادی دی ہے آزادی کو سلب کرنے کی کوشش کرنے کا کسی کو حق نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَ لَا تَسُبُّوا الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ فَیَسُبُّوا اللّٰہَ عَدۡوًۢا بِغَیۡرِ عِلۡمٍ ؕ کَذٰلِکَ زَیَّنَّا لِکُلِّ اُمَّۃٍ عَمَلَہُمۡ ۪ ثُمَّ اِلٰی رَبِّہِمۡ مَّرۡجِعُہُمۡ فَیُنَبِّئُہُمۡ بِمَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ"[125]

ترجمہ: (مسلمانو) جن (جھوٹے معبودوں) کو یہ لوگ اللہ کے بجائے پکارتے ہیں تم ان کو برا نہ کہو، جس کے نتیجے میں یہ لوگ جہالت کے عالم میں حد سے آگے بڑھ کر اللہ کو برا کہنے لگیں۔ (اس دنیا میں تو) ہم نے اسی طرح ہر گروہ کے عمل کو اس کی نظر میں خوشنما بنا رکھا ہے۔ (پھر ان سب کو اپنے پروردگار ہی کے پاس لوٹنا ہے۔ اس وقت وہ انہیں بتائے گا کہ وہ کیا کچھ کیا کرتے تھے۔

اور اگر اللہ کی مشیت ہوتی تو یہ لوگ شرک نہ کرتے اور ہم نے آپ کو ان کے اوپر کوئی نگران نہیں بنایا اور نہ ہی آپ ان پر مختار ہیں

مذہبی شعائر کی حفاظت: انسان مذہبی شعار سے زیادہ جذباتیت کے ساتھ لگاؤ رکھتا ہے لہذا ان شعائر کی توہین اور تذلیل بھی عالمی امن کو تباہ کر سکتی ہے۔ اسلام کسی بھی مذہب کے شعائر کو برا کہنے اور ان کی توہین کرنے سے منع کرتا ہے۔ اسلام نے تمام مذاہب اور ان کے ماننے والوں کو بنیادی حقوق کی فراہمی کا حکم دیتا ہے اور اس بات کی تاکید کرتا ہے کہ ہر نفس کی عزت کا خیال رکھا جائے چاہے وہ کسی بھی خطے ی قبیلے سے تعلق رکھتا ہو اور چاہے جن بھی عقائد و نظریات کا حامی ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَ لَا تَسُبُّوا الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ فَیَسُبُّوا اللّٰہَ عَدۡوًۢا بِغَیۡرِ عِلۡمٍ ؕ کَذٰلِکَ زَیَّنَّا لِکُلِّ اُمَّۃٍ عَمَلَہُمۡ ۪ ثُمَّ اِلٰی رَبِّہِمۡ مَّرۡجِعُہُمۡ فَیُنَبِّئُہُمۡ بِمَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ"[126]

ترجمہ: (مسلمانو) جن (جھوٹے معبودوں) کو یہ لوگ اللہ کے بجائے پکارتے ہیں تم ان کو برا نہ کہو، جس کے نتیجے میں یہ لوگ جہالت کے عالم میں حد سے آگے بڑھ کر اللہ کو برا کہنے لگیں۔ (اس دنیا میں تو) ہم نے اسی طرح ہر گروہ کے عمل کو اس کی نظر میں خوشنما بنا رکھا ہے۔ پھر ان سب کو اپنے پروردگار ہی کے پاس لوٹنا ہے۔ اس وقت وہ انہیں بتائے گا کہ وہ کیا کچھ کیا کرتے تھے۔

---

[124] عثمانی، مفتی محمد تقی، آسان ترجمۂ قرآن، القرآن، سورۃ بقرہ، آیت ۲۵۶

[125] القرآن، سورۃ الانعام، آیت ۱۰۸

[126] القرآن، سورۃ الانعام، آیت ۱۰۸

اگرچہ جن دیوتاؤں کو کافر و مشرک لوگ خدا مانتے ہیں ان کی حقیقت کچھ نہیں ہے؛ لیکن اس آیت میں مسلمانوں کو ہدایت دی گئی ہے کہ وہ کافروں کے سامنے ان کے لئے نازیبا الفاظ استعمال نہ کیا کریں، اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ کافر لوگ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کر سکتے ہیں، اگر انہوں نے ایسا کیا تو اس کا سبب تم بنو گے اور جس طرح اللہ تعالیٰ کی شان میں خود گستاخی کرنا حرام ہے اسی طرح اس کا سبب بننا بھی ناجائز ہے، اس آیت سے فقہائے کرام نے یہ اصول نکالا ہے کہ کوئی کام بذات خود تو جائز یا مستحب ہو؛ لیکن اندیشہ ہو کہ اس کے نتیجے میں کوئی دوسرا شخص گناہ کا ارتکاب کرے گا تو ایسی صورت میں وہ جائز یا مستحب کام چھوڑ دینا چاہیے، تاہم اس اصول کے تحت کوئی ایسا کام چھوڑنا جائز نہیں ہے جو فرض یا واجب ہو۔[127]

اسلام میں غیر مسلموں کے عبادت خانوں کے احترام کو ہمیشہ سے اسلام کے قانونی معاہدات میں شامل کیا گیا ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے غیر مسلموں کے مذہبی معاملات کے تعلق سے جو معاہدہ تحریر فرمایا اس کے کچھ اصول اس طرح سے ہیں

"لا یھدم لھم بیعة ولا کنیسة ولا قصر من قصورھم التی کانوا یتحصّنون فیھا اذا نزل بھم عدوّ لھم ولا یمنعون من ضرب النواقیس ولا من اخراج الصلبان فی عیدھم"[128]

ترجمہ: ان کے گرجے اور خانقاہیں منہدم نہیں کی جائیں گی۔ اور نہ ہی کسی ایسی عمارت کو گرایا جائے گا جس میں وہ ضرورت کے وقت دشمنوں کے حملے میں قلعہ بند ہوتے ہیں نہ ہی ان کو ناقوس بجانے یا گھنٹیاں بجانے سے روکا جائے گا اور نہ ہی ان کے تہواروں کے موقع پر صلیب نکالنے سے روکا جائے گا۔

حضرت عمرؓ کے دور حکومت میں جب ایلیاء کا علاقہ فتح ہوا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے غیر مسلموں کی حفاظت کے لیے جو معاہدہ تحریر فرمایا تھا اس میں بھی غیر مسلموں اور ان کی عبادت گاہوں کے تحفظ کا درس دیا تھا حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے کئے گئے معاہدے کے کچھ نکات اور اجزاء اس طرح سے ہیں۔

"یہ امان ہے جو اللہ کے غلام امیر المومنین عمر نے اہل ایلیا کو دیں یہ امان جان و مال کو بھی حاصل ہے گرجا اور صلیب کو بھی حاصل ہے اور تندرست اور بیمار اور ان کے تمام عہدے کے لیے۔ اور معاہدہ اس طرح سے ہے کہ نہ تو ان کے گرجا میں سکونت اختیار کی جائے گی اور نہ ہی وہ ڈھائے جائیں گے اور نہ ہی ان کے احاطے کو کسی طرح کا نقصان پہنچایا جائے گا نہ ان کے صلیبوں اور اور مال میں کمی کی جائے گی مذہب کے بارے میں نہ ان پر جبر کیا جائے گا نہ ان میں سے کسی کو نقصان پہنچایا جائے گا"[129]

خلفائے راشدین میں سے تمام خلفاء نے مسلمانوں کے ساتھ بھلائی اور حسن سلوک کا درس دیا ہے اور ساتھ ہی ان کی عبادت گاہوں اور ان کے مذہبی شعار کے احترام کا درس دیا ہے اور جو معاہدات حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے غیر مسلموں اور ذمیوں کے

---

[127] عثمانی، مفتی محمد تقی، آسان ترجمۂ قرآن، الانعام، آیت ۱۰۸

[128] کتاب الخراج، ابو یوسفؒ، ص ۱۷۲

[129] الفاروق، علامہ شبلی نعمانی، دار الشاعت کراچی، ج ۲، ص ۱۳۷

ساتھ کئے تھے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے بھی ان تمامعاہدات کو اسی طرح باقی رکھا۔اور ان کے زمانہ خلافت میں بھی تمام غیر مسلموں اور ذمی لوگوں کا بھرپور خیال رکھا گیا۔

معاشرے کے تمام طبقات کے یکساں حقوق معاشرتی امن کے ضامن: کسی بھی معاشرے میں قیام امن کے لئے بنیادی فلسفہ یہ ہے کہ دیکھا جائے کہ لوگوں کے مابین تعلق کی بنیاد کیا ہے اور معاشرے کے افراد ایک دوسرے کو کس نگاہ سے دیکھتے ہیں۔اگر کسی معاشرے کو پر امن دیکھنا ہو تو یہ اسی صورت ممکن ہو سکتا ہے جب معاشرے کے تمام افراد و طبقات کو اس پر امن ماحول میں شریک کرنے کی کوشش کی جائے۔ایسا معاشرہ جس میں افراد معاشرہ کا باہمی تعلق عدم مساوات اور ظلم وعدوان پر قائم ہو بالآخر نفرت وعداوت، بغض و عناد، چوری، ڈاکہ زنی اور لوٹ کھسوٹ کا شکار ہو جاتا ہے۔اس صورت میں نہ تو باہمی اعتماد کی راہ ہموار ہو باتی ہے اور نہ ہی آپس میں الفت ومحبت کے پھول کھل سکتے ہیں۔ملک و معاشرے میں عدم مساوات کی صورت میں کمزور طبقے کا معاشی استحصال ہوتا ہے جو کرپشن بد عنوانی اور رشوت جیسے مسائل کا باعث بنتا ہے۔چنانچہ اسلام معاشی نظام کی اصلاح کی طرف بھرپور توجہ دیتا ہے اور اس معاملہ میں مسلمانوں پر بہت سے حقوق جیسے صدقہ، ذکوٰۃ، قرضہ حسنہ اور انفاق فی سبیل اللہ وغیرہ متعین کرتا ہے جو کہ معاشرے کے محروم اور کمزور طبقات کو معاشی بدحالی سے بچاتا ہے۔اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

"ولا یحسبن الذین یبخلون بما آتاھم اللہ من فضلہ ھوخیر لھم بل ھو شر لھم سیطوقون ما بخلوا بہ یوم القیامۃ و للہ میراث السمٰوٰت والارض واللہ بما تعملون خبیر"[130]

ترجمہ:اور ولوگ جو اس مال میں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے دیا ہے بخل کر رہے ہیں وہ یہ نہ سمجھیں کہ یہ ان کے حق میں بہتر ہے۔بلکہ یہ ان کے حق میں بہت برا ہے۔قیامت کے دن اسی مال کے طوق بنا کر ان کے گلے میں ڈالے جائیں گے جس کا وہ بخل کر رہے تھے، اور آسمانوں اور زمین کی میراث اللہ ہی کے لئے ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔اسلام ہر شخص کو حلال طریقوں سے رزق کمانے کی اجازت دیتا ہے۔اور ساتھ ہی اسلام نے دولت کی تقسیم کے لئے ایسے طریقے اپنانے پر زور دیا ہے جن سے دوسروں کی حق تلفی نہ ہو۔معاشرے میں کمزور طبقات کے لئے حقوق و فرائض رکھے ہیں۔امیر لوگوں کے لئے یہ بات فرائض میں شامل فرمائی ہے کہ وہ اپنے مال کی ذکوٰۃ ادا کریں۔ذکوٰۃ کا لفظ تذکیہ سے ماخوذ ہے جس کا مطلب ہے پاک کرنا، پاکیزگی۔[131] گویا جو لوگ مالدار ہیں ان کا مال تب تک پاک ہی نہیں ہوتا جب تک وہ اپنے مال میں سے ایک متعین شرح ایسے لوگوں کے حوالے نہ کریں جو یہ مال لینے کے اہل ہیں اور اس کے ساتھ ہی اسلام نے مالداری اور غربت کے حوالے سے قرآن و حدیث میں تمام تر تفصیلات کو ذکر کیا ہے۔معاشی استحصال کے خاتمہ کے لئے علامہ یوسف القرضاویؒ لکھتے ہیں:

"اگر اسلامی حکومت کے خزانہ عامرہ کے مستقل وسائل آمدنی اتنے کم ہو جائیں کہ فقراء ومساکین کی کفالت نہ ہو سکے اور معاشرہ کے افراد بھی باہمی ہمدردی اور تعاون کے جذبے سے بھی اتنے سرشار نہ ہوں کہ بطور خود فقراء کی کفالت کریں تو پھر دولت اسلامیہ کے حکمرانوں پر لازم ہے کہ اغنیاء کے مالوں پر مزید ٹیکس عائد کریں جس سے فقراء کی

---

[130] القرآن، سورہ آل عمران، ۳/۱۸۰

[131] مولوی، الحاج، فیروز الدین، فیروز اللغات، اردو، جامع، فیروز سنز لاہور، ص۱۰۹۹،

اعانت کی جاسکے اور ان کی بنیادی ضروریات زندگی پوری ہو سکیں۔ یہاں سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام میں حکومت اور افراد کے حقوق کتنے جامع ہیں۔"[132]

اسلام نے مال کے خرچنے کے ساتھ ساتھ کمزور طبقات کی عزت نفس کا بھی خیال رکھنے کی تاکید کی ہے اور ایسے عمل کو باطل قرار دیا ہے جس کا مقصد ریاکاری، شوبازی، اور دنیاوی جاہ و حشمت کا اظہار ہو۔ اور ساتھ ہی کسی بھی نیکی یا اچھائی کے بعد احسان جتلانے کو عمل کے بطلان کا سبب بتلایا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا اور شاد ہے:

"یاایھا الذین آمنو ا لا تبطلوا صدقٰتکم بالمن والاذیٰ "[133]

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنے صد قات کو احسان جتلا کر اور دکھ دے کر اس شخص کی طرح خاک میں مت ملاو جو اپنا مال محض لوگوں کو دکھانے کے لئے خرچ کرتا ہے اور نہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور نہ ہی روز آخرت پر۔ "

بے کسوں اور کزوروں کی کفالت کرنا، ان کا خیال رکھنا، یتیم کے سر پر دست شفقت رکھنا نبی اکرم ﷺ کو انتہائی پسند تھا۔ اور ان کا خیال رکھنا جنت کا ذریعہ ہی نہیں بلکہ محبت نبوی کے حصول کا سبب بھی قرار دیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"انا و کافل الیتیم فی الجنة ھٰکذا"[134]

ترجمہ (آپ ﷺ نے شہادت کی انگلی اور اس کے ساتھ والی انگلی کو ساتھ ملا کر ارشاد فرمایا) میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں ایسے ہونگے۔

---

[132] القرضاوی، یوسف، اسلام اور معاشی تحفظ، مترجم، صدیقی، عبدالحمید، ص ۱۲۲

[133] القرآن، سورۃ البقرۃ، آیت ۲۶۴

[134] بخاری، محمد بن اسماعیل، الصحیح للبخاری، کتاب الادب، باب فضل من یعول ۶۰۰۵

باب دوم: معاشرتی امن میں خلافت راشدہ کا کردار اور اسکی عصری معنویت

فصل اول: داخلی امن وامان کے متعلق خلفاءراشدین کی تعلیمات واقدامات اوران کی عصری معنویت:

حضرات خلفاءراشدین رضی اللہ عنہم کا عہد مبارک انسانی تاریخ کے بہترین ادوار میں سے ہے۔حضرت نبی اکرم ﷺ کے زمانہ مبارک کے بعد خیر القرون حضرات خلفاءراشدینؓ کا دور مبارک ہی ہے۔وہ کون سے عوامل تھے جن کی بنیاد پر ایک ایسا معاشرہ جو کہ بے راہ روی، ظلم و جور، سفاکیت، ثقافتی بے اعتدالی، سیاسی انتشاراور فحاشی وعریانی کے نقطہ عروج پر تھا اور حضرت نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات واقدامات کی بنیاد پر وہی معاشرہ امن وسکون معاشرتی استحکام کا نمونہ بن گیا۔اسلامی مملکت کی وسعت حضرات خلفاءراشدین کے عہد مبارک میں کئی براعظموں تک پھیل چکی تھی اور مختلف اقوام اور قبائل کے لوگ اسلامی مملکت کا حصہ تھے۔الگ الگ ادیان و مذاہب کے ماننے والے اور مختلف رنگ و نسل کے لوگ اسلامی سلطنت کے جھنڈے تلے امن و امان اور سکون و سلامتی کی زندگی گزاررہے تھے۔حضرات خلفاءراشدین کے عہد میں اسلامی معاشرہ حضرت نبی اکرم ﷺ کے ارشادات اور احکامات کا عملی نمونہ پیش کررہا تھا اور اسلامی مملکت کے حکمران قرآن و حدیث کے مطابق اسلامی سلطنت کا انتظام وانصرام کرنے اور عوام کی فلاح و بہبود اور اسلامی معاشرے میں امن و استحکام کے لئے کوشاں تھے۔اس باب میں خلفاء راشدین کے معاشرتی امن و استحکام کے لئے کئے گئے اقدامات اوران حضرات کی معاشرتی امن وامان کے لئے دی گئی کی تعلیمات کو بالتفصیل بیان کیا گیا ہے۔اس باب کو دو فصول میں تقسیم کیا گیا ہے۔پہلی فصل میں اسلامی سلطنت کے داخلی امن و امان کے متعلق خلفاء راشدین کے اقدامات کو بیان کیا گیا ہے۔اس حوالے سے سب سے اہم نقطہ اسلامی معاشرہ میں تمام افراد معاشرہ کو ان کے حقوق اور فرائض کے متعلق آگاہ کرنے کے ساتھ ساتھ حقوق و فرائض کی ادائیگی پر زور دیا گیا ہے اور معاشرے میں مساوات اور عدل و انصاف کے قیام میں ان کے اقدامات کو بیان کیا گیا ہے۔اس کے ساتھ ساتھ معاشرے میں موجود برائیوں کے تدارک کے لئے احتساب کے عمل اور حدود کے نفاذ میں مساوات کو بیان کیا گیا ہے۔اسی کے ساتھ ساتھ دوسری فصل میں خلفاءراشدین کے خارجی تعلقات اور غیر مسلموں کے ساتھ ان کا سلوک بالتفصیل بیان کیا گیا ہے اور اس متعلق عصری معنویت کو بھی بیان کیا گیا ہے۔فصل اول کو دو مباحث میں تقسیم کیا گیا ہے مبحث اول میں معاشرتی امن وامان کے لئے خلفاءراشدین کے اقدامات کو بیان کیا گیا ہے۔اور دوسری فصل میں ان اقدامات کی عصری معنویت میں تقسیم کیا گیا ہے۔

مبحث اول: داخلی امن وامان کے متعلق خلفاءراشدین کی تعلیمات واقدامات:

خلافت راشدہ اور خلفاءراشدین: لغت میں خلافت کے معنی نیابت اور جانشینی کے آتے ہیں۔یعنی کسی شخص کو کسی دوسرے شخص کا نائب بنا دیا جائے جو نیابۃً اس کا کام سرانجام دے۔اصطلاح شریعت میں خلافت سے مراد وہ اسلامی حکومت یا سلطنت ہے جس کے قیام کا مقصد حضرت نبی اکرم ﷺ کی شریعت مطہرہ کو قائم کیا جائے اور استحکام و تقویت بخشی جائے۔اور جو شخص حضرت نبی اکرم ﷺ کا نائب ہونے کی حیثیت سے اس اسلامی نظام حکومت کی سربراہی کرے اور دین اسلام اور احکامات نبوی کو رائج کرنے کی سعی کرے وہ

خلیفہ راشد کہلاتا ہے[135]۔ اہل سنت کے مطابق خلافت کے معنی مسلمانوں کی فرمان روائی کے ہیں اور اگر اس نظام حکومت میں وہ امور سر انجام دیے جائیں جو آنحضرت ﷺ بحیثیت پیغمبری سر انجام دیتے تھے یعنی اقامت دین، اقامت حدود شرعیہ، اقامت ارکان اسلام، اقامت جہاد، اور علوم شرعیہ اسلامیہ کی ترویج اور وہ حکومت احکام شرعیہ کے اجراء میں اپنی ذمہ داری کو پوری کرتی ہو اور اسے خدا تعالیٰ کی طرف سے بھی خاص نصرت و مدد حاصل ہو جس کی بنا پر اس میں نفاذ احکام الٰہیہ سہل اور آسان ہو جائے اور وہ خلافت نمونہ نبوت ہو تو خلافت راشدہ کہلاتی ہے[136]۔ خلافت راشدہ کے لئے ایک اہم اور بنیادی شرط یہ ہے کہ خلیفہ راشد کو افعال اور صفات میں آنحضرت ﷺ سے تشبہ حاصل ہو۔ لہذا خلیفہ راشد وہ ہوتا ہے کس کی قوت عقلیہ و قوت عملیہ میں نبوی رنگ نمایاں ہو۔ حضرت نبی اکرم ﷺ تمام انبیاء و رسولوں سے افضل و اعلیٰ ہیں اور آپ ﷺ کی شریعت کاملہ بھی تمام شریعتوں سے افضل و اعلیٰ تھی اور آپ ﷺ کی بعثت بھی تمام جہانوں کے لئے تھی اور قرآن کریم بھی تمام آسمانی کتابوں سے افضل و اعلیٰ تھی۔ آنحضرت ﷺ نے امت تک دین اسلام اور احکامات الٰہیہ کو بطریق احسن اور بطریق کمال پہنچا دیا اور پھر وحی الٰہی جس کی حفاظت کا ذمہ خدا تعالیٰ نے اپنے ذمہ لیا تھا اس کو پتھروں، شاخوں چمڑے کے ٹکڑوں اور لوگوں کے سینوں سے ایک جگہ مصحف کی صورت میں خلفاء راشدین نے جمع کیا۔ حضرت نبی اکرم ﷺ کے دنیا سے انتقال کے بعد خلفاء راشدین نے اسلامی تعلیمات اور احکامات کو دنیا کے کونے کونے تک پہنچانے کی کوشش کی۔ اور اسلامی حکومت کو حضرت نبی اکرم ﷺ کے احکامات کے مطابق پروان چڑھایا۔ خلافت راشدہ کی حجیت اور خلفاء راشدین کے تعارف و مقام و مرتبہ کے ے حوالے سے کئی کتابیں اور مقالہ جات تحریر ہو چکے ہیں۔ ہم اس مقالہ میں حضرات خلفاء راشدین کے معاشرتی امن کے لئے کئے گئے اقدامات اور امن کی تعلیمات کا جائزہ لے کر عصر حاضر میں بد امنی کی اس فضاء کو امن و امان کی امجگاہ بنانے کی کوشش کریں گے۔ اس ضمن میں خلفاء راشدین کے اقدامات کو الگ الگ عنوانات کے پیرایئے میں دیکھ اور پرکھ کر اس سے عصر حاضر میں معاونت لینے کی کوشش کی جائے گی۔

خلفاء راشدین کا انتخاب، بیعت خلافت اور اولین خطبات: حضرت نبی اکرم ﷺ کی دنیا سے پردہ پوشی اور پھر خلفاء راشدین کی یکے بعد دیگرے انتخاب اور بیعت ایسا معاملہ ہے جس حوالے سے بالتفصیل لکھا جا چکا ہے۔ ہم صرف بنیادی طور پر بیعت کے معنی و مفہوم اور خلفاء راشدین کے انتخاب کو مختصراً ذکر کر دیتے ہیں۔

خلافت کی بیعت سے کیا مراد ہے۔ اس کے متعلق علماء نے بہت سے مفاہیم اور تعریفات بیان کی ہیں کہ اس بیعت کا کیا معنیٰ و مفہوم ہوتا ہے اور عوام سے کس بات کا عہد و پیمان لیا جاتا ہے۔ علامہ ابن اثیرؒ نے اس کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔

"اولی الامر کی اطاعت و فرمانبرداری کا عہد کرنا"[137]

بعض علماء کے مطابق بیعت کا مطلب یوں بیان کیا گیا ہے کتاب و سنت نے جس کو جاری کیا اس کو جاری رکھنے اور کتاب و سنت نے جس کو قائم کیا اس کو قائم رکھنے کا عہد و پیمان کرنا بیعت خلافت کہلاتا ہے۔[138]

---

[135] کاندھلوی، محمد ادریس، خلافت راشدہ،، مکتبہ اشرفیہ فیروز پور لاہور، ص ۳ تا ۹

[136] ایضاً

[137] الشیباني، الجزري، ابن الأثیر، المبارک بن محمد بن عبد الکریم، جامع الاصول فی حدیث الرسول، ج ۱، ص ۲۵۲

[138] الصابونی، محمد علی، سیدنا ابو بکر صدیق شخصیت اور کارنامے، مترجم شمیم احمد ص: ۲۰۷

مسلمان جب اپنے امیر کی بیعت کرتے تو عہد و پیمان کی تاکید اور مضبوطی کے لئے اپنا ہاتھ امیر کے ہاتھ میں رکھ کر بیعت کرتے تھے۔ گویا بیعت کا مطلب ہوتا ہے خلیفہ کے ساتھ ولاء اور فرمانبرداری کا وعدہ کرنا اس بات پر کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکامات اور شریعت کے اصولوں کے مطابق حکومت کرے گا۔ در حقیقت یہ طرفین کا عہد و پیمان ہوتا ہے۔ امام یا حاکم اس بات کا عہد کرتا ہے کہ وہ حکومت کرنے میں اسلامی شریعت کے اصولوں کی مکمل پاسداری کرے گا اور امت اور عوام اس بات کا عہد کرتے ہیں کہ وہ شریعت کے حدود و قیود کے مطابق امام کی اطاعت اور فرمانبرداری کریں گے۔ بیعت کا یہ نظام اسلامی حکومت کا خاصہ ہے اگر ہم ماضی و حال کے نظام ہائے حکومت کا مطالعہ کریں تو ہمیں یہ نظام اس ترتیب کے ساتھ صرف اسلامی حکومت میں نظر آتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ حاکم مختار کل نہیں ہوتا بلکہ حاکم و محکوم سب کے سب احکام شریعت کے پابند ہوتے ہیں اور چاہے حاکم ہو یا محکوم کسی کو بھی شرعی احکامات سے متصادم کسی طرح کے قول و فعل کی اجازت نہیں دی جاتی۔ بلکہ ایسا کرنے کو اسلامی نظام عدل کے خلاف بغاوت قرار دیا جاتا ہے۔ اور شاد خداوندی ہے:

"فَلَا وَ رَبِّکَ لا یُومِنُونَ حتّٰی یُحَکِّمُوکَ فِیمَا شَجَرَ بَینَهُم ثُمَّ لَا یَجِدُوا فِی اَنفُسِهِم حَرَجاً وَ یُسَلِّمُوا تَسلِیماً"[139]

ترجمہ: اور آپ کے رب کی قسم یہ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک آپس کے تمام اختلافات میں آپ کو حکم نہ مان لیں اور پھر جو فیصلہ آپ ان میں فرمادیں اس کے متعلق اپنے دل میں کسی طرح کی اور ناخوشی نہ پائیں اور مکمل فرمانبرداری کے ساتھ قبول کر لیں

حضرت نبی اکرم ﷺ نے امیر کی اطاعت پر بہت زور دیا ہے اور غیر معصیت میں ہر صورت اس کی اطاعت کا حکم دیا ہے

ایک جگہ حضرت نبی اکرم ﷺ ان الفاظ کے ساتھ امام کی اطاعت و عدم اطاعت کو بیان کرتے ہیں

"فمن احب ان یزحزح عن النار، ویدخل الجنة، فلتاته منیته وهو یؤمن بالله والیوم الآخر، ولیات إلی الناس الذي یحب ان یؤتی إلیه ومن بایع إماما فاعطاه صفقة یده وثمرة قلبه، فلیطعه إن استطاع، فإن جاء آخر ینازعه فاضربوا عنق الآخر"[140]

ترجمہ: جس کو یہ بات پسند ہو کہ اسے جہنم سے دور رکھا جائے اور جنت میں داخل کیا جائے تو چاہیئے کہ اس کی موت اس حال میں آئے کہ وہ اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اور لوگوں کے ساتھ اس معاملہ سے پیش آئے جس کے دیئے جانے کو اپنے لیے پسند کرے اور جس نے امام کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر دل کے اخلاص سے بیعت کی تو چاہیئے کہ اپنی طاقت کے مطابق اس کی اطاعت کرے اور اگر دوسرا شخص اس سے جھگڑا کرے تو دوسرے کی گردن مار دو۔

لہذا خلافت کا عہد اور بیعت کا مطلب ہوتا ہے کہ غیر معصیت میں اولی الامر کی ہر صورت اطاعت کی جائے اور کسی صورت بغاوت نہ کی جائے۔

حضرت ابو بکرؓ کی بیعت خلافت: سقیفہ بنی ساعدہ کے معاملہ میں تو حضرت عمرؓ سمیت کچھ صحابہ کرامؓ نے وہیں خلافت کی بیعت کر لی تھی لیکن حضرت ابو بکرؓ کی عام بیعت خلافت وفات نبوی ﷺ کے دوسرے دن یعنی ۱۳ ربیع الاوّل ۱۱ھ بمطابق ۲۸ مئی ۶۳۲ء کو مسجد نبوی میں ہوئی۔ اس بیعت میں سب مسلمان جمع ہوئے حضرت عمرؓ نے منبر پر بیٹھ کر خطبہ دیا اور فرمایا:

---

[139] القرآن، سورۃ النساء آیت ۶۵

[140] قشیری، نیشاپوری، ابوالحسین مسلم بن حجاج، صحیح المسلم، کتاب الإمارۃ، باب الوفاء ببیعۃ الخلفاء الأول فالأول، حدیث نمبر: ۴۷۷۶

" عن الزهري، اخبرني انس بن مالك ﷺ، انه سمع خطبة عمر الآخرة حين جلس على المنبر وذلك الغد من يوم توفي النبي ﷺ، فتشهد وابو بكر صامت لا يتكلم، قال:" كنت ارجو ان يعيش رسول الله ﷺ حتى يدبرنا، يريد بذلك ان يكون آخرهم، فإن يك محمد ﷺ قد مات، فإن الله تعالى قد جعل بين اظهركم نورا تهتدون به، هدى الله محمدا ﷺ، وإن ابا بكر صاحب رسول الله ﷺ، ثاني اثنين، فإنه اولى المسلمين باموركم، فقوموا، فبايعوه، وكانت طائفة منهم قد بايعوه قبل ذلك في سقيفة بني ساعدة، وكانت بيعة العامة على المنبر"، قال الزهري، عن انس بن مالك، سمعت عمر يقول لابي بكر يومئذ: اصعد المنبر، فلم يزل به حتى صعد المنبر، فبايعه الناس عامة"[141]

زہری روایت کرتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ نے مجھے خبر دی کہ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وہ آخری خطبہ سنا جب وہ منبر پر بیٹھے اور یہ وہ وہ شام تھی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے رحلت فرما گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ انہوں نے کلمہ شہادت پڑھا جب کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ خاموش تھے کچھ بھی کہہ نہیں پا رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے ارشاد فرمایا: مجھے یہ امید تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سلم کے درمیان زندہ رہیں گے یہاں تک کہ ہمارے کاموں کی تدبیر اور انصرام کرنا ہمیں سکھائیں گے۔ گویا کہ اس کے ذریعے حضرت عمر رضی اللہ علیہ فرمارہے تھے کہ ہمارے بعد تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم زندہ رہیں گے۔ اب اگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے پردہ فرما گئے ہیں۔ تو اللہ تعالی نے تمہارے سامنے قرآن یعنی نور کو باقی رکھا ہے جس کے ذریعے تم ہدایت حاصل کرتے رہو گے۔ اللہ تعالی نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اسی قرآن کے ذریعے ہدایت نصیب فرمائی اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بھی جو کہ (غار ثور میں) دو میں سے ایک تھے۔ یہ امور خلافت کے سمجھنے اور سنبھالنے میں تمام مسلمانوں میں سب سے بہتر ہیں لہذا اٹھو اور ان کی بیعت کرو۔ اس سے پہلے ہی سقیفہ بنی ساعدہ میں ایک جماعت ان سے پہلے بیعت کر چکی تھی۔ پھر عام لوگوں نے منبر پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کی۔ حضرت زہری بیان کرتے ہیں کہ انس بن مالک رضی اللہ انہوں نے ان سے روایت کی ہے کہ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سنا کہ وہ ابو بکر رضی اللہ عنہ سے عرض کر رہے تھے کہ منبر پر تشریف لائیے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مسلسل اصرار پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ منبر پر تشریف لے گئے اور سب لوگوں نے آپ کی بیعت کی۔ اس کے بعد حضرت ابو بکرؓ منبر رسول پر تشریف لائے اور یہ خطبہ ارشاد فرمایا:

"امّا بعد ایها النَّاسُ فانی قد ولیت علیکُم وَلَستُ بِخیرِکُم فإن اَحسَنتُ فَاَعِینُونِی وَإن اَسَاتُ فَقُومُونِی الصِدقُ اَمَانَهٌ وَالکَذِبُ خِیانَهٌ وَالضَعِیفُ منکُم قَوِیٌّ عندِی حتّی اُریحَ عِلَّتَهُ وَالقَوِیُّ فِیکُم ضَعیفٌ حتّی آخُذَ مِنهُ الحَق ان شَاءَ اللّٰهُ لا یَدَعُ قومٌ الجِهَادَ فِی سَبِیلِ اللّٰهِ اِلا ضَرَبَهُمُ اللّٰهُ بِالذُلِّ وَلا یَشبَعُ قَومٌ قطُّ الفَاحِشَةَ اِلّا عَمَّهُمُ اللّٰهُ بِالبَلآءِ ۔اَطِیعُونِی مَا اَطعتُ اللّٰهَ و رَسُولَهُ فَاِذا عَصَیتُ اللّٰهَ و رَسُولَه فَلا طَاعةَ لَی علَیکُم قُومُوا اِلی صَلوٰتِکُم رَحِمَکُمُ اللّٰهُ[142]"

ترجمہ: لوگو میں تمہارا امیر مقرر کیا گیا ہوں حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں چنانچہ اگر میں اچھے کام کروں تو میری مدد کرنا اور اگر برے کام میں پڑ جاوں تو مجھے سیدھا کر دینا، سچائی ایک امانت ہے اور جھوٹ ایک خیانت ہے تم میں سے جو شخص کمزور ہے وہ میرے نزدیک اس وقت تک قوی ہے جب تک کہ میں اس کا شکوہ دور نہ کر دوں اور تم میں سے جو شخص قوی ہے وہ میرے نزدیک اس وقت تک کمزور

---

[141] بخاری، محمد بن اسماعیل، الصحیح للبخاری، کِتَاب الْاَحْکَام، بَابُ الِاسْتِخْلَافِ: حدیث نمبر: ۷۲۱۹

[142] ابن کثیر، امام حافظ عماد الدینؒ، البدایہ والنہایہ، مکتبہ المعارف بیروت، ۵/۲۴۸، مترجم: محمد اصغر مغل. ناشر: دار الاشاعت، کراچی پاکستان

ہے جب تک میں اس سے حق وصول نہ کر لوں اگر اللہ چاہے۔ جو قوم جہاد کو چھوڑ دیتی ہے اللہ تعالیٰ اس پر ذلت مسلط کر دیتا ہے۔ اور جس قوم میں فحش اور بری باتیں عام ہو جاتی ہیں اللہ تعالیٰ ان پر مصیبتیں نازل فرما دیتا ہے۔ لہذا میری اس وقت تک اطاعت کرو جب تک کہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کو اپنا شعار بنائے رکھتا ہوں اور اگر مبادہ میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی میں پڑ جاوں تو تم پر میری کوئی اطاعت فرض نہیں۔ اچھا اب جاو اور نماز ادا کر لو اللہ تم پر اپنا رحم فرمائے۔

حضرت عمرؓ کی بیعت خلافت: جب حضرت ابو بکرؓ کا آخری وقت آ گیا تو انہوں نے حضرت عمرؓ کو اپنا خلیفہ منتخب فرمایا اور ساتھ ساتھ ان کو وصیت بھی فرمائی۔ حضرت سالم حضرت عبد اللہ ابن عمر سے روایت کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

"سمعت ابا بکر من سالم قال لما حضر ابا بکر الموت اوصی:بسم الله الرحمٰن الرحیم هذا عهد من ابی بکر الصدیق عند آخر عهده بالدنیا خارجا منها واول عهده بالآخرة داخلا فیها حیث یومن الکافر و یتقی الفاجر ویصدق الکاذب انی استخلفت من بعدی عمر ابن الخطاب فان قصد و عدل فذاک ظنی به وان جار و بدل فالخیر اردت ولا اعلم الغیب (و سَیَعلمُ الذِیَن ظَلموا اَیَّ مُنقِلب ینقَلبُون)ثم بعث الی عمر"[143]

ترجمہ: میں نے ابو بکر کو سالم سے یہ کہتے سنا ہے کہ جب ابو بکر کی موت قریب آئی تو انہوں نے حضرت عمرؓ کے نام یہ وصیت لکھوائی: خدا کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے، یہ ابو بکر الصدیق کا اس دنیا میں اپنا آخری عہد ہے اس دنیا کو چھوڑتے ہوئے، اور آخرت کا پہلا عہد اس میں داخل ہوتے ہوئے، جہاں کافر ایمان لاتا ہے، بدکار متقی بن جاتا ہے اور جھوٹا سچ بولنا شروع ہو جاتا ہے۔ میں نے اپنی بعد حضرت عمرؓ کو خلیفہ نامزد کر دیا ہے لہذا اگر انہوں نے عدل و انصاف والا درمیانی راستہ اختیار کیا تو ان کے بارے میں میرا یہی گمان ہے اور اگر انہوں نے ظلم کیا اور بدل گئے تو میں نے تو ان سے خیر ہی کا ارادہ کیا ہے اور مجھے غیب کا علم حاصل نہیں ہے (اور عنقریب ظالم لوگ جان لیں گے کہ وہ کس طرف پلٹنے والے ہیں) پھر آپؓ نے یہ عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا۔

حضرت ابو بکرؓ جمادی الثانی ۱۳ ھجری منگل کی رات کو فوت ہوئے اور حضرت ابو بکرؓ کی منشاء کے مطابق حضرت عمرؓ نے بار خلافت اپنے سر لے لیا گویا جمادی الثانی ۱۳ ہجری بروز بدھ سے حضرت عمرؓ کی خلافت کا عہد شروع ہوتا ہے۔ وفات صدیقی کی دوسری صبح حضرت عمرؓ منبر رسول ﷺ پر تشریف لائے اور بطور خلیفہ خطبہ دیا[144]

حضرت جامع بن شداد اپنے والد شداد سے نقل کرتے ہیں کہ امیر المومنین بننے کے بعد حضرت عمرؓ نے پہلی بار منبر رسول ﷺ پر یہ خطبہ ارشاد فرمایا:

"کان اول کلام تکلم به عمر حین صعد المنبر ان قال:اللّٰهم اِنّی شَدیدٌ فَلَیِّنی وَاِنّی ضعیفٌ فَقَوِّنی وَاِنّی بَخیلٌ فَسَخِّنی"[145]

ترجمہ: اے اللہ میں سخت ہوں میرے دل کو نرم فرما، اے اللہ میں کمزور ہوں مجھے طاقت اور قوت عطا فرما اور اے اللہ میں بخیل ہوں مجھے سخاوت عطا فرما۔

---

[143] العشرۃ المبشرون، ابو بکر الصدیق ص ۲/ ۴۵

[144] بغدادی، محمد ابن سعد، الطبقات الکبریٰ لابن سعد، نفیس اکیڈمی، اردو بازار کراچی، ص ۳/ ۴۹

[145] ایضاً

"و عن الحسن ان اول خطبة خطبها عمر:حمد الله و اثنی علیه فقال اما بعد فانی ابتلیت بکم وابتلیتم بی فما کان بحضرتنا باشرنا،مهما غاب عنا ولیناه اهل القوة والامانة فمن یحسن نزده حسنیٰ و من یسی نعاقبه ۔ثم قال بلغنی ان الناس قد هابو شدتی و خافو غلظتی و قالوا:قد کان عمر یشدد علینا ورسول الله ﷺ بین اظهرنا فکیف الان و صارت الامور الیه ؟ولعمری من قال ذٰلک فقد صدق کنت مع رسول اللهﷺ فکنت عبده و خادمه حتیٰ قبضه الله وهو راض عنی ولله الحمد وانا اسعد الناس بذاک۔ثم ولی ابو بکر فکنت خادمه و عونه اخلط شدتی بلینه فاکون سیفا مسلولا حتی یغمدنی فما زلت کذالک معه حتی قبضه الله تعالیٰ وهو عنی راض ولله الحمد وانا اسعد الناس بذاک۔ثم انی ولیت الآن اموکم ،اعلموا ان تلک الشدة قد تضاعفت ولٰکنها انما تکون علی اهل الظلم والتعدی علی المسلمین ،واما اهل السلامة فی الدین والقصد فانما اللین لهم من بعضهم لبعض ولست ادع احدا یظلمه احد او یتعدیٰ علیه حتیٰ اضع خده علی الارض و اضع قدمی علی الخد الاخر حتیٰ یذعن للحق ۔ولکم علیّ ایها الناس الا اخبأ عنکم شیأمن خرابکم واذا وقع عندی الا یخرج الا بحقه ولکم علی الّا اُلقیکم فی المهالک واذا غبتم فی البعوث فانا ابو العیال حتیٰ ترجعوا ۔اقول قولی هٰذا واستغفِراللهَ لی ولکم اجمعین"[146]

ترجمہ: اور حسن کی روایت ہے کہ پہلا خطبہ جو حضرت عمرؓ نے دیا تھا وہ یوں تھا: الحمدللہ اور اس کی حمد وثناء، اور فرمایا: امابعد بے شک مجھے تمہارے ذریعے آزمایا گیا ہے اور تم کو میرے ذریعے۔ جو کچھ ہمارے سامنے تھا اس میں ہماری کوئی بھلائی نہیں تھی، جو ہم سے غائب ہوا ہم نے اسے اہل طاقت اور امانت کے لوگوں کے سپرد کر دیا ہے۔ لہذا جو شخص اچھائی کرے گا اس کے ساتھ ہماری طرف سے مزید اچھائی کی جائے گی اور جو برائی اختیار کرے گا ہم اسے سزا دیں گے، پھر فرمایا مجھ تک یہ بات پہنچی ہے کہ کچھ لوگ میری سختی سے خوف کھاتے ہیں اور وہ میری سختی سے ڈرتے ہیں، اور یوں کہتے ہیں: عمر رضی اللہ عنہ ہم پر سختی کرتے تھے جب کہ رسول خدا ﷺ ہمارے درمیان موجود بھی تھے۔ خدا کی دعا اور سلامتی ہمارے ساتھ ہے، تو اب کیسے حالات ہونگے جبکہ وہی تمام امور کے نگران مقرر کر دئے گئے ہیں۔ میری جان کی قسم جس نے بھی کہا سچ ہے۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا اور میں آپ کا بندہ اور خادم تھا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو لے لیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے راضی ہو گئے، الحمدللہ، اور میں اس پر لوگوں میں سب سے زیادہ خوش ہوں۔ پھر ابو بکرؓ نے اقتدار سنبھالا اور میں ان کا خادم اور مددگار تھا، اپنی طاقت کو ان کی نرمی کے ساتھ ملاتے ہوئے، میں ایک کھینچی ہوئی تلوار بن کر رہوں گا یہاں تک کہ وہ مجھے ڈھانپ لیں۔ پھر میں اب تمہارے معاملات کا انچارج ہوں۔ جان لو کہ یہ سختی کئی گنا بڑھ گئی ہے لیکن یہ صرف مسلمانوں پر ظلم و زیادتی کرنے والوں کے خلاف ہے۔ اور جہاں تک دین اور نیت کے لحاظ سے امن پسند ہیں، کیونکہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ مہربان ہیں، اور یاد رکھو میں کسی کو اس پر ظلم و زیادتی کرنے کی اجازت نہیں دیتا جب تک کہ میں اس کا گال زمین پر نہ رکھ دوں اور دوسرے گال پر پاؤں نہ رکھ دوں۔ جب تک وہ حق کے آگے سر تسلیم خم نہ کر لے۔ اور اے لوگو یہ تمہارا مجھ پر حق ہے کہ میں تم سے تمہاری بربادی کی کوئی چیز نہیں چھپاؤں گا، اور اگر وہ مجھ پر پڑی تو اس کے حق کے سوا باہر نہیں آئے گی، اور میں تمہیں عذابوں میں نہیں ڈالوں گا، اور اگر تم ناکام ہو گئے تو۔ قیامت، میں بچوں کا باپ ہوں جب تک تم واپس نہ آؤ۔

---

[146] بغدادی, محمد ابن سعد، الطبقات الکبریٰ لابن سعد، نفیس اکیڈمی، اردو بازار کراچی، ص ۳/ ۲۷۴

حضرت عمرؓ امیر المومنین بننے کے کچھ دن بعد ایک مرتبہ منبر رسول ﷺ پر جلوہ افروز ہوئے اور اپنی خلافت کی حکمت علمی بیان کی پھر بارگاہ خداوندی میں حمد و ثنا پیش کی اور نبی اکرم ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ سے اپنے خصوصی تعلقات کا تذکرہ فرمایا۔ اور ان دونوں حضرات کے متعلق فرمانے لگے: کہ یہ دونوں حضرات اپنے اس دنیا سے پردہ فرمانے تک مجھ سے راضی رہے اور پھر فرمایا: لوگو مجھے تمہارا خلیفہ منتخب کیا گیا ہے یہ بات جان لو کہ اب میری سختی اور شدت میں کمی آچکی ہے۔ سوائے ظالم اور حد سے تجاوز کرنے والے کے کہ میں اس پر ضرور سختی کروں گا۔ اگر میں نے کسی کو کسی دوسرے کے ساتھ ظلم و زیادتی کرتے ہوئے پایا تو اسے اپنے کیے کا حساب دینا ہو گا۔ یہ بات یاد رکھو کہ جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا حساب نہ چلے گا بلکہ میں کمزوروں کو ان کا حق طاقتور سے ضرور لے کر دوں گا۔ لوگو اگر تمہیں مجھ میں کوئی کمی یا کوتاہی دکھائی دے تو میرا مواخذہ کر سکتے ہو۔ لوگو مین تمہارا خراج اور مال غنیمت صرف اللہ کے راستے میں خرچ کروں گا اور تم اس بات کا خیال رکھنا کہ میرے ہاتھوں ایک درہم بھی غلط جگہ خرچ نہ ہونے پائے۔ اگر اللہ نے چاہا تو میں تمہارے عطیات اور تنخواہوں میں اضافہ کرتا رہوں گا اور تمہاری سرحدوں کی حفاظت کرتا رہوں گا۔ میں ایسا کوئی بھی قدم نہ اٹھاوں گا جس کی بدولت تمہیں کوئی تکلیف اٹھانی پڑے اور لمبے عرصے تک سرحدوں پر ڈیوٹی بھی نہ لگائی جائیگی۔ خدا آپ سب کا حامی و ناصر ہو[147]

> ”ایک اور مرتبہ خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے یوں گویا ہوئے: لوگوں میں آپ کے سامنے یہ بات رکھ دینا چاہتا ہوں کہ میرے لئے بیت المال میں سے کیا کیا حلال ہے، گرمی اور سردی میں استعمال کے لئے دو چادریں اور حج اور عمرہ کے لئے سواری۔ میرا اور میرے اہل و عیال کا خرچہ قریش میں سے ایسے شخص کے برابر ہے جو نہ تو بہت مالدار ہو ورنہ ہی بہت غریب ہو لہذا میں بھی باقی عام انسانوں کی طرح ہوں جو عام لوگوں کو ملے گا مجھے بھی صرف وہی ملے گا[148] مزید ایک جگہ ارشاد فرمایا کہ بیت المال کے متعلق میرا معاملہ ایسا ہی ہے کیسا کے یتیم کے مال کا ہوتا ہے۔ اگر ضرورت نہ ہو تو میں اس سے کنارہ کشی اختیار کرتا ہوں اور جب کبھی انتہائی ضرورت ہو تو معروف مقدار کو اپنے لئے حلال سمجھتا ہوں“[149]

حضرت عثمانؓ کی خلافت اور پہلا خطبہ: حضرت عمرؓ نے اپنی وفات سے قبل چھے صحابہ کرام کو انتخاب خلیفہ کے لئے منتخب فرمایا۔

”اختارالفاروقؓ ستة من خير اصحاب النبی ﷺ لتولی هذا الامر العظيم و كانوا ممن توفی رسول اللهﷺ وهو عنهم راضون وهم:علی ابن ابی طالب،وعثمان ابن عفان،و عبدالرحمٰن ابن عوف ،و سعد ابن ابی وقاص والزبير بن العوام و طلحة ابن عبيد الله“[150]

ترجمہ: حضرت عمر فاروقؓ نے صحابہ کرام میں سے ان چھے صحابہ کا اس عظیم معاملے کا بوجھ اٹھانے کے لئے انتخاب کیا کہ جب نبی اکرم ﷺ نے دنیا سے رحلت فرمائی تو وہ ان حضرات سے راضی تھے وہ اصحاب یہ ہیں: علی ابن ابی طالب، وعثمان ابن عفان، و عبد الرحمٰن ابن عوف، وسعد ابن ابی وقاص والزبیر بن العوام وطلحۃ ابن عبید اللہ۔

---

[147] حمدی، شاھین، الدکتور، الدولۃ الاسلامیہ، ص، ۱۲۰

[148] بغدادی، محمد ابن سعد، الطبقات الکبریٰ لابن سعد، نفیس اکیڈمی، اردو بازار کراچی، ص ۳/ ۲۷۵

[149] عون الاخبار، ص ۲۵۵، بحوالہ ایام خلافت راشدہ، مولانا عبد الروف رحمانی، جھنڈا نگری، مکتبہ قدوسیہ اردو بازار لاہور، ص ۱۲۵

[150] البدایۃ والنہایۃ لابن الکثیر ابن کثیر، امام حافظ عماد الدینؒ، البدایہ والنہایہ، مکتبہ المعارف بیروت، مترجم: محمد اصغر مغل. ناشر: دار الاشاعت، کراچی، ۷/ ۱۳۸

حضرت عمرؓ کے مقرر کردہ اصحاب کے تفصیلی مشورہ کے بعد حضرت عثمانؓ کا بطور خلیفہ انتخاب ہوا. حضرت عثمانؓ کی بیعت خلافت ابن سعد کی روایت کے مطابق ۲۹ ذی الحجۃ ۲۳ھ بروز پیر کو ہوئی دوسرے دن یکم محرم ۲۴ھ کو بطور خلیفہ ان کا استقبال کیا گیا۔ سیف کے قول کے مطابق حضرت عثمان بن عفانؓ کی بیعت خلافت ۲۴ھ ۳ محرم الحرام کو ہوئی۔

پھر انہوں نے عصر کی نماز پڑھائی اور وفود سے ملاقات فرمائی۔ ابو معشر کا قول ہے کہ حضرت عثمانؓ کی بیعت خلافت ۲۴ھ میں ہوئی جو کہ عام الرعاف کے نام سے موسوم ہے واقدی نے حضرت عثمان کی خلافت کو ۱۰ محرم الحرام ۲۴ھ میں ہونا لکھا ہے۔[151]

حضرت عثمانؓ نے بیعت خلافت کے بعد خطبہ ارشاد فرمایا:

"اما بعد فانّی قد حمِّلت و قد قبلت الا و انی متبع ولست بمبتدع الا وان لکم علی بعد کتاب اللہ و سنّة نبیه ﷺ ثلاثاً:اتباع من کان قبلی فیما اجتمعتم علیه و سننتم و سن اهل الخیر فیما لم تسنو عن ملأ والکف عنکم الا فیما استوجبتم الا وان الدنیا خضرة قد شُهِّیَت الی الناس و مال الیها کثیر منهم فلا ترکنوا الی الدنیا ولا تثقوا بها فانها لیست بثقة واعلموا انها غیر تارکة الا من ترکها"[152]

ترجمہ: امابعد: بے شک مجھ پر بوجھ لاد دیا گیا ہے اور میں نے یہ قبول کر لیا ہے خبر دار میں پیروکار ہوں اور میں نئی چیزیں ایجاد کرنے والا نہیں ہوں۔ جان لو کہ خدا کی کتاب اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے بعد، میرے پاس آپ کے لئے تین چیزیں ہیں: مجھ سے پہلے ان لوگوں کی پیروی کرو جن پر تم نے اتفاق کیا ہے، اور تم نے جس کو اپنے اعمال میں شامل کر دیا ہے، اور اہل الخیر نے جس کو اپنے لئے چن لیا ہے۔ اور آپ سے باز رہنا سوائے اس کے جس کی آپ کو ضرورت تھی، یاد رکھو کے کہ دنیا سرسبز و شاداب ہے، لوگوں نے اس کی ہوس کی ہے، اور ان میں سے بہت سے لوگ اس کی طرف مائل ہو گئے ہیں۔ لہذا ایسا نہ کرو۔ دنیا کو چھوڑ دو اور اس پر بھروسہ نہ کرو کیونکہ یہ قابل اعتبار نہیں ہے اور جان لو کہ دنیا چھوڑنے والی نہیں ہے سوائے اس کے جو خود اس کو چھوڑ دے۔

حضرت علیؓ کی بیعت خلافت: حضرت عثمانؓ کی شہادت عہد خلافت راشدہ کے بہت ہی بڑے حوادث میں سے ایک حادثہ تھا۔ اس حادثہ کے بعد اسلامی سلطنت میں وہ وحدت قائم نہ ہو سکی جو کہ اس سے قبل تھی۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت نے اسلامی سلطنت اور وحدت کو جھنجوڑ کر رکھ دیا کیونکہ حضرت عثمانؓ جو کہ خلیفہ وقت ہونے کے باوجود مظلومانہ انداز میں شہید کر دیئے گئے تھے اسی بنا پر حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد تین دن تک مسند خلافت خالی رہی۔ اسلامی مملکت کی اتنی وسعت اور بڑے ہونے کی وجہ سے مسند خلافت کا خالی رہنا مسلمانوں کے حق میں کسی طرح بھی درست نہ تھا۔ بہت ہی زیادہ فتنوں کی وجہ سے مسلم مملکت میں بغاوت اور بدامنی کا زیادہ ہو جانا بعید از قیاس نہ تھا اس لئے لوگوں نے حضرت علیؓ سے مسلسل اصرار فرمایا۔ حضرت علیؓ نے اولاً اس بار کو اٹھانے سے معذرت فرمائی لیکن آخر میں مہاجرین و انصار کے اصرار سے مجبور ہو کر بار خلافت اٹھانے کے لئے راضی ہو گئے۔ اور اس واقعہ شہادت کے تیسرے روز یعنی ۲۱ ذی الحجہ دوشنبہ کے دن آپؓ دست مبارک پر مسجد نبوی میں بیعت ہوئی۔ حضرت علیؓ کا حضرت عثمانؓ کی شہادت اور پھر اپنی بیعت خلافت کے متعلق ارشاد ہے:

---

[151] الطبری، محمد ابن جریر، ابو جعفر، علامہ تاریخ الامم والملوک، تاریخ طبری، نفیس اکیڈمی اردو بازار کراچی، مترجم، ڈاکٹر محمد صدیق ہاشمی، ص ۳/ ۲۵۲

[152] ابن کثیر، امام حافظ عماد الدینؒ، البدایہ والنہایہ، مکتبہ المعارف بیروت، مترجم: محمد اصغر مغل. ناشر: دار الاشاعت، کراچی، ۷/ ۲۸۴

"عن قیس ابن عباد قال:سمعت علیاؓیوم الجمل یقولُ:اللّٰھم انی ابرأُ اِلیک من دم عُثمان و لقد طاش عقلی یوم قُتِل عُثمان و انکرت نفسی و جاوؤنی للبیعۃ فقلت واللّٰہِ انی لاستحی من اللہ ان أُبایعَ قوماً قتلوا رجلا قال لہ رسول اللہ ﷺ (الا انی لاستحیی ممن تستحیی منہ الملٰئکۃ)و انی لاستحیی من اللہ ان أُبایع وعُثمان قتیل علی الارض لم یُدفن بعدُ،فانصرفُوا،فلما دُفِنَ رجع الناس فسألونی البیعۃ فقلت :اللھم مشفقمما اقدُمُ علیہ ثم جاءت عظیمۃ فبایعت فقالوا :یا امیر المومنین! فکانّما صدع قلبی،و قلت اللھم خذ منی لعُثمان حتی ترضیٰ"[153]

ترجمہ: قیس بن عباد فرماتے ہیں میں نے یوم الجمل کو حضرت علیؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:اے اللہ میں حضرت عثمانؓ کے خون کی آپ کے سامنے اپنی براءت پیش کرتا ہوں۔اور جس دن حضرت عثمانؓ شہید ہوئے اس دن میں مدہوش ہو گیا تھا۔اور مجھے اپنا آپ عجیب حالت میں معلوم ہو رہا تھا جب لوگ میرے پاس بیعت کرنے کی غرض سے آئے۔تو میں نے کہا:اللہ کی قسم مجھے اللہ تعالی سے حیا آتی ہے اس قوم کی بیعت کرتے ہوئے جنہوں نے اس شخص کو شہید کر دیا جن کے بارے میں رسول اکرم ﷺ کا ارشاد مبارک تھا(کیا میں اس سے حیا نہ کروں جن سے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں)۔اور اللہ کی قسم مجھے اللہ سے حیا آتی ہے کہ میں خلافت کی بیعت کر لوں جبکہ حضرت عثمان ابھی تک دفن بھی نہیں ہوئے۔پھر لوگ چلے گئے۔پھر جب حضرت عثمانؓ کو دفن کر دیا گیا لوگ پھر لوٹ کر میرے پاس آئے تاکہ مجھ سے بیعت کا مطالبہ کریں تو میں نے عرض کی:اے اللہ میں اس کام سے عاجز ہوں جس کی طرف میں لایا جا رہا ہوں پھر ایک عظیم جماعت آئی تو میں نے بیعت لے لی پھر انہوں نے مجھے امیر لمومنین پکارا تو میرا دل پھٹنے پہ آگیا اور میں نے اللہ سے دعا کی یا اللہ میرے لئے حضرت عثمان کا حصہ رکھ لے جب تک تو راضی ہو جائے۔

خلفاءراشدین رضی اللہ عنہم کے خطباتِ خلافت کا ماحصل: جب ہم خلفاءراشدین رضی اللہ عنھم کے ابتدائی کلمات اور خلافت کے خطبات کا ماحصل دیکھتے ہیں تو ہمیں جو سب سے اہم نکات ملتے ہیں وہ یہ ہیں:

۱۔خلافت کو ایک انتہائی اہم اور بڑی ذمہ داری سمجھنا اس لئے خلافت کا بوجھ اٹھانے سے ہچکچاہٹ

۲۔خلیفہ کی اچھائی اور اتباع سنت پر اس کی معاونت کرنے کی تاکید اور معصیت کرنے پر اسے حق کی طرف لانے کی تاکید

۳۔حقوق کی حفاظت کرنے اور ادائیگی پر زور

۴۔اچھائی اور امن وسلامتی سے رہنے کی تاکید اور ایسا کرنے والوں کی حوصلہ افزائی

۵۔حقوق ادا نہ کرنے والوں، ظلم وتعدی کرنے والوں کو قانون کے تحت لانے اور سزا دینے کا بیان

۶۔برائی اور فحش کاری سے اجتناب کی تاکید

۷۔اپنے سے پہلے خلفاء کی تعریف کرنا اور ان کی اتباع اور سنت پر چلنے کا عزم کرنا اور ترغیب دینا

۸۔جہاد فی سبیل اللہ کی ترغیب اور مجاہدین کے گھر والوں کی دادرسی کا عزم

۹۔اپنے احتساب کا درس اور مالی معاملات میں کسی بھی قسم کی کوتاہی نہ کرنے کا درس

۱۰۔دنیا سے بے رغبتی اور خدا تعالیٰ کے سامنے عاجزی وانکساری

---

[153] محدث،النیشاپوری،امام الحافظ ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم المستدرک للحاکم،المستدرک علی الصحیحین،مترجم:ابوالفضل محمد شفیق الرحمن قادری رضوی،۳/۱۰۱

۱۱۔ بیت المال میں سے خلیفہ کا بھی اتنا ہی حصہ لینا جتنا معروف ہے
۱۲۔ حضرت علیؓ کا شھادت عثمانؓ سے برات کرتے ہوئے خدا تعالیٰ کا گواہ بنانا
۱۳۔ سرحدوں کی حفاظت کا درس و عزم
۱۴۔ عوام کی فلاح و بہبود کا عزم کرنا

یہ سب نکات اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ خلفاء راشدین کے پیش نظر صرف عوام کی فلاح و بہبود اور اسلامی احکامات کا نفاذ تھا۔ اور خلفاء راشدین کا اس بات پر عزم نظر آتا ہے کہ معاشرے کو فلاحی معاشرہ میں اسی صورت تبدیل کیا جاسکتا ہے جب اس معاشرے میں حقوق و فرائض کی تعیین بھی ہو اور ادائیگی حقوق کا ایسا نظام ہو کہ کسی پر بھی ذرہ برابر بھی ظلم و ستم نہ ہوتا ہو۔ حضرات خلفاء راشدین کسی بھی دنیاوی لالچ اور دنیاوی مقصد کے لئے مسند خلافت پر نہیں بیٹھے تھے بلکہ وہ حضرات مسند خلافت کو اپنے لئے بوجھ اور ذمہ داری سمجھتے تھے۔ اسی لئے جب بنیادی طور پر خلفاء راشدین سے خلافت پر بیعت کا کہا جاتا تھا تو بارِ خلافت اٹھانے کے لئے راضی نہ ہوتے تھے۔ اور یہ سب نکات کسی بھی معاشرے کو فلاحی اور پر امن معاشرہ بنانے میں انتہائی اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

ملکی نظم و نسق اور قیام امن کی اہمیت: خلفاء راشدینؓ کی خلافت میں معاشرہ اور افراد معاشرہ کے حوالے سے بہت سی کوششیں کی گئیں۔ حضرات خلفاء راشدینؓ کا دور حکومت حضرت نبی اکرم ﷺ کے دور حکومت کے بعد انسانیت کا سنہرا ترین دور تھا۔ وہ کیا خوبیاں اور اقدامات تھے جن کی وجہ سے اسلامی معاشرہ تمام معاشروں سے ممتاز ہو گیا اور وہ کیا عوامل تھے جو کہ معاشرتی امن و امان اور استحکام میں مد اور معاون ثابت ہوئے ان میں ملکی نظم و نسق کا خیال رکھنا اور اسلامی حکومت کی ترتیب و تنظیم بھی اہم کردار ثابت ہوتیہے ہم کچھ ذیلی ابحاث کے تحت اس کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

مجلس شوریٰ: اسلام میں خلافت یا جمہوری طرز حکومت کی ابتداء خلافت راشدہ کی ابتداء سے ہی تھی۔ اسلامی مملکت میں خلیفہ کا انتخاب بھی جمہوری طریقے سے ہوتا تھا اور جتنے بھی اہم معاملات ہوتے تھے اس میں کبار صحابہ کے رائے اور مشورہ کا دخل ہوتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ عمومی طور پر کبار صحابہ کو مدینہ میں ہی رہنے کی ترغیب دی جاتی تھی جیسے کہ جیش اسامہ کے معاملہ میں اگرچہ حضرت نبی اکرم ﷺ نے حضرت عمرؓ کو اس لشکر میں شامل فرمایا تھا مگر خلیفہ وقت حضرت ابو بکرؓ نے حضرت اسامہ کو اس بات پر راضی کیا کہ حکومتی معاملات میں صلاح و مشورہ کے لئے حضرت عمرؓ کو مدینہ میں ہی چھوڑا جائے[154]۔ خلافت راشدہ میں تمام ملکی و قومی مسائل مجلس شوریٰ میں پیش ہو کر طے پاتے تھے۔ اس مجلس میں مہاجرین اور انصار کے منتخب اور اہل الرائے صحابہ شریک ہوتے تھے۔ حضرت عمرؓ کی مجلس شوریٰ کے اہم اور مشہور ارکان یہ ہیں۔ حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبد الرحمٰن بن عوف، حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابی ابن کعب، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم اجمعین۔[155] اس مجلس شوری کے علاوہ ایک مجلس عام بھی تھی جس میں مہاجرین و انصار کے علاوہ تمام قبائل کے سرداران شریک ہوتے تھے۔ عام اور روزمرہ کے معاملات میں مجلس شوریٰ کا فیصلہ کافی ہوتا تھا مگر جب کبھی انتہائی اہم امور یا معاملات پیش آتے تھے تو اس صورت میں مجلس عمومی کا انعقاد کیا جاتا تھا جس میں کبھی کبھار ایک ایک فیصلے میں کئی کئی

---

[154] بغدادی، محمد ابن سعد، الطبقات الکبریٰ لابن سعد، نفیس اکیڈمی، اردو بازار کراچی، ص ۳/ ۲۹۱

[155] علاوالدین، علامہ، علی متقی بن حسام الدین، کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، مترجم احسان اللہ شائق، دار الاشاعت اردو بازار کراچی، جلد ۳ صفحہ ۱۳۴

دن بھی لگ جاتے تھے۔ان دونوں مجالس کے علاوہ ایک اور مجلس بھی ہوتی جو کہ مجلس خاص کہلاتی تھی جس میں صرف مہاجرین صحابہ کرام شامل ہوتے تھے۔ مجلس شوری کے انعقاد کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ ایک پکارنے والا یہ نداء لگاتا تھا"الصلوٰۃ جامعۃ" جس کے بعد لوگ مسجد نبوی میں جمع ہو جاتے اور ان سے اس متعلق رائے طلب کی جاتی تھی۔اور خلیفہ وقت مجلس کے اراکین کی آراء کو مد نظر رکھتے ہوئے فیصلہ فرما دیتا تھا۔[156] اس کے علاوہ حضرت عثمانؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں عمال کی مجلس شوریٰ ترتیب دی تھی۔اور اس مجلس کے اراکین سے عموماً تحریری آراء طلب کی جاتی تھی۔ کبھی کبھار دارالخلافہ میں باقاعدہ اہم معاملات کے متعلق جلسوں کا انعقاد ہوتا چنانچہ ۳۴ھ میں ملکی اصلاحات کے متعلق غور وخوض کرنے کے لئے جو جلسہ منعقد ہوا تھا اس میں تمام اہل الرائے اور اکثر عمال شریک ہوئے تھے اور اپنی آراء بیان فرمائیں تھیں۔[157]

مملکت کی اضلاع اور صوبوں میں تقسیم: نظام حکومت کے متعلق سب سے پہلا کام مملکت کا صوبوں اور اضلاع میں منقسم ہونا ہے۔حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خلافت کے وقت تک چونکہ عرب سے باہر کا علاقہ زیاد فتح نہ ہوا تھا اس لئے عرب کو مختلف اضلاع اور صوبوں میں تقسیم فرمایا تھا جو کہ یوں تھا مدینہ،مکہ،طائف،صنعاء،نجران،حضرموت،بحرین،دومتہ الجندل۔ حضرت عمر کے زمانہ میں صوبوں کی تقسیم کچھ یوں ہوئی تھی:مکہ،مدینہ،شام،جزیرہ،کوفہ،بصرہ،مصر،فلسطین،اور مزید تین صوبے خراسان،آزربائجان،فارس بھی مقرر فرمائے۔حضرت عثمانؓ نے فلسطین،اردن اور دمشق کو ایک ہی صوبہ یعنی صوبہ شام قرار دیا۔اور مزید مفتوحہ علاقوں میں طرابلس،قبرص،آرمینیا اور طبرستان بھی صوبے قرار دئے گئے۔[158]

مرکز اسلام(دارالخلافہ)میں عہدوں کی تقسیم: مرکز اسلام میں ابتدائی طور پر بہت سے عہدے وجود میں نہ آئے تھے۔حضرت عمرؓ کی خلافت کے ساتھ ہی کچھ شعبہ جات وجود میں آئے،حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ نے بیت المال کی ذمہ داری اٹھانے کی حامی بھر لی(افسر خزانہ)۔ حضرت عمرؓ نے عدالتی امور اپنے ذمہ لے لئے اور حضرت زید بن ثابت اور حضرت عثمان بن عفانؓ نے کاتب کی ذمہ داری اپنے ذمہ لے لی۔ حضرت ابو بکرؓ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو امیر الامراء(چیف کمانڈر)مقرر فرمایا۔اس کے بعد حضرت عمر اور حضرت عثمانؓ اور حضرت علی کے زمانہ میں مرکز اسلام میں بھی مختلف خدمات اور امور کے لئے مختلف عہدوں کا اجراء کیا گیا۔جن میں کاتب اعلیٰ ،کاتب دیوان،صاحب الخراج،صاحب الاحداث،صاحب بیت المال،امیر الامراء اور قاضی بڑے اور اہم عہدہ جات شمار کئے جاتے تھے۔اسی طرح جب صوبہ جات کی تقسیم فرمائی تو بھی تمام صوبوں میں ان تمام ذمہ داریوں کے متعلق عہدوں کو تخلیق فرمایا اور ان پر مناسب بندوں کو متعین فرمایا۔

صوبوں میں اختیارات کی تقسیم: حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ہر صوبے میں والی مقرر فرمایا تھا جس کے ذمہ اس صوبے کے تمام معاملات ہوتے تھے۔البتہ خاص دارالخلافہ میں تقریباً اکثر صیغوں کے لئے الگ الگ عہدہ دار مقرر کئے جاتے تھے۔جن میں سے اہم صیغے یہ ہیں۔افسر مال، قاضی،کاتب،سپہ سالار وغیرہ۔حضرت عمرؓ نے صوبوں میں بھی اختیارات کو مختلف وظائف کے مطابق تقسیم فرمایا اور

---

[156] الطبری،محمد ابن جریر،ابو جعفر،علامہ تاریخ الامم والملوک،تاریخ طبری،،نفیس اکیڈمی اردو بازار کراچی،مترجم،ڈاکٹر محمد صدیق ہاشمی،صفحہ ۲۵۷

[157] ابن اثیر الجزری،عزالدین علی بن محمد الشیبانی،الکامل فی التاریخ،تاریخ ابن اثیر،مترجم،مولوی عبید الرحمٰن،دالاطبع العثمانیہ حیدرآباد دکن جلد ۳،صفحہ ۱۱۷

[158] اخذ کردہ خلفاء راشدین،علامہ معین الدین الندوی،

صوبوں کی باڈی اس طرح تشکیل دی تھی کہ اس میں نظام حکومت چلانے کے لئے صوبوں کے پاس کافی اختیارات پہنچ گئے اور اس کے ساتھ ساتھ صوبوں میں مختلف قسم کے محکمہ جات کا قیام عمل میں لایا اور ان محکمہ جات کے لئے عہدہ داروں کا انتخاب فرمایا۔ آپؓ کے اس عمل کے ذریعے اختیارات کے حدود کا تعین بھی ہو گیا اور صاحب حق کے لئے بھی یہ آسانی ہو گئی کہ اپنے حقوق کے حصول کے لئے متعلقہ حاکم یا محکمہ کی طرف رجوع کر سکے۔ درج ذیل شعبہ جات کو حضرات خلفاء راشدین کے زمانہ خلافت میں متعارف کرایا گیا۔

۱۔والی یعنی حاکم صوبہ: کسی بھی صوبہ کا وزیر اعلی جس کے حوالے صوبہ کے متعلقہ تمام امور ہوا کرتے تھے۔ والی کا محکمہ حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ مبارک میں بھی موجود تھا۔ آپؓ نے مختلف صوبہ جات میں درج ذیل حضرات ذی وقار کو حاکم مقرر فرمایا تھا۔ حضرت ابو بکرؓ نے عمومی طور پر ان حضرات کو بطور والی مقرر فرمایا جو حضرت نبی اکرم ﷺ کے زمانہ مبارکہ میں بھی وہاں کے والی تھے۔ یہی روش باقی خلفاء کی بھی رہی سوائے حاکم کی شہادت یا کچھ استثنائی صورتوں کے۔[159]

مدینہ کے حاکم حضرت ابو بکرؓ خود تھے۔ **مکہ** کے امیر یا حاکم حضرت عتاب بن اسیدؓ تھے جنہیں حضرت نبی اکرم ﷺ نے مقرر فرمایا تھا حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ میں بھی مکہ کے حاکم یہی رہے۔ **طائف** کے حاکم حضرت عثمان بن ابی العاصؓ تھے۔ جنہیں حضرت نبی اکرم ﷺ نے مقرر فرمایا تھا حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ میں بھی مکہ کے حاکم یہی رہے۔ صنعاء: اس کے حاکم حضرت مہاجر بن امیہؓ تھے انہیں نے اس علاقہ کو فتح کیا تھا اور ارتداد کی مہم کے اختتام پر وہی یہاں کے حاکم مقرر کیے گئے۔ **نجران:** اس کے امیر حضرت جریر بن عبد اللہؓ تھے۔ **حضر موت:** اس کے امیر حضرت زیاد بن لبیدؓ تھے۔ **بحرین:** اس کے امیر حضرت علاء بن الحضرمیؓ تھے۔ **دومتہ الجندل:** حضرت عیاض بن غنمؓ کو دومۃ الجندل کا حاکم مقرر کیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ بھی کچھ علاقے تھے جن کے حاکم مقرر فرمائے گئے تھے جیسے مقام جرش، عراق وشام، جند، عمان، خولان وغیرہ[160]

۲۔کاتب اعلیٰ / میر منشی: صوبہ کے کاتب اعلی کے ذمہ صوبے کے متعلق تمام امور کو سر لکھنا، حاکم صوبہ کے احکامات کو عوام تک پہنچانا، صوبہ کے متعلق تمام امور کی نگرانی رکھنا اور خلیفۃ المسلمین تک صوبہ کے تمام امور پہنچانا شامل ہوتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے جب کوفہ شہر بسایا تو وہاں کا حاکم صوبہ حضرت عمار بن یاسرؓ کر مقرر فرمایا اور حضرت عبد اللہ بن خزاعی کو کاتب دیوان مقرر فرمایا[161]

۳۔کاتب دیوان / محکمہ فوج کا میر منشی: خلفاء راشدین کے زمانہ میں یہ عہدہ بھی متعارف کروایا گیا جس کا کام فوج کے متعلقہ تمام امور کو تحریر کرنا، فوج کے رجسٹرز اور مجاہدین فی سبیل اللہ کے متعلقہ امور کو جانچ پرکھ کرنا ہوتا تھا۔ جو جی انتظامات کے متعلق خلفاء راشدین کے بہت سی اصلاحات فرمائیں۔ اسی سے متعلقہ ایک اہم کام مجاہدین کی ڈاک کا نظام اور ان کی اپنے گھر والوں سے رابطوں کے ذرائع، ان کی صحت اور تندرستی کا خیال کرنا بھی شامل تھا۔

۴۔صاحب الخراج / کلکٹر: ۔ حضرات خلفاء راشدین کے زمانہ مبارکہ میں صاحب الخراج کے عہدے میں توسیع ہوئی۔ حضرت نبی اکرم ﷺ کے زمانہ مبارکہ میں والی صوبہ ہی کبھی کبھار خراج بھی لے لیتے تھے۔ اور کبھی آنحضرت ﷺ کسی کو کسی خاص

---

159 القاضی، ابو الحسین، عبد الباقی، بن تالیع البغدادی، معجم الصحابہ، مترجم، غلام دستگیر چشتی، اعظم پبلیکیشنز دہلی، صفحہ ۲/ ۲۷۰

160 منصور الحرابی، الدول العربیہ الاسلامیہ، صفحہ ۹۶،۹۷ بحوالہ سیدنا ابو بکر صدیق، شخصیت اور کارنامے، ص ۲۳۷

161 طبری، الطبری، محمد ابن جریر، ابو جعفر، علامہ تاریخ الامم والملوک، تاریخ طبری،، نفیس اکیڈمی اردو بازار کراچی، مترجم، ڈاکٹر محمد صدیق ہاشمی ص، ۶۸۱

علاقے میں خراج کے حصول کے لئے بھی بھیجتے تھے۔ لیکن خلفاء راشدین کے زمانہ میں باقاعدہ طور پر صوبہ جات میں صاحب الخراج مقرر کئے جاتے تھے جن کے ذمہ خراج کا حصول، اس میں عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنا اور حق داروں تک ان کے حقوق کی ترسیل کے ساتھ ساتھ خراج کی مکمل اور مفصل رپورٹ تیار کر کے خلفاء راشدین تک پہنچانا بھی شامل ہوتا تھا۔

۵۔ صاحب الاحداث:۔ زمانہ نبوی ﷺ میں حضرت نبی اکرم ﷺ جب کسی علاقے میں کوئی عامل مقرر فرماتے تھے تو اس علاقے میں امن کا قیام اور لوگوں کے مال و جان کی حفاظت کی ذمہ داری اس علاقے کے والی ہی کی ہوتی تھی۔ حضرات خلفاء راشدین میں سے حضرت عمرؓ نے شعبہ احداث کا عہدہ متعارف فرمایا اور اس کے ذمہ عمومی داخلی امور کے تمام امور لگائے۔ جن میں لوگوں کے اموال کی حفاظت کرنا، ظلم اور تعدی سے بچانا، چوری ڈاکہ زنی کی روک تھام کرنے کے لئے کوششیں کرنا، اسی کے ساتھ ساتھ خلفاء راشدین کے زمانہ میں ہی اسی عہدے کے تحت جیل خانہ جات بھی وجود میں آئے جن میں عادی مجرموں کو رکھا جاتا تھا۔ حدود و قصاص کے اجراء کے لئے یہ محکمہ والی صوبہ / خلیفۃ المسلمین کا مددگار ہوتا تھا۔[162] اسی محکمہ کے معتمد کے پاس عادی مجرموں کا ریکارڈ اور ان کے متعلقہ سزاوں کا اجراء بھی تھا۔

۶۔ صاحب بیت المال / افسر خزانہ: صاحب بیت المال سے مراد وہ شخص ہوتا تھا جس کے ذمہ بہت المال کی ذمہ داری ہوا کرتی تھی۔ حضرت نبی اکرم ﷺ کے زمانہ مبارکہ میں بیت المال کا تصور اس طرح نہ تھا بلکہ جو بھی مال و اسباب کسی صورت میں بھی نبی اکرم ﷺ کے پاس پہنچتا تھا آنحضرت ﷺ اسے تقسیم فرما دیتے تھے۔ ذکوٰۃ یا عشر کی صورت میں جو مال آتا مستحقین تک فوراً پہنچا دیا جاتا۔ یہی روش حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ میں بھی رہی مگر جب حضرت عمرؓ کو خلافت ملی تو انہوں نے بیت المال متعارف فرمایا جس سے لوگوں کو اموال حسب حقوق اور حسب ضرورت جاری کئے جاتے تھے۔ اور اس معاملہ میں حق اور انصاف کا بھرپور خیال کیا جاتا تھا۔

۷۔ قاضی القضاۃ / عہدہ قضاء: حضرت ابو بکرؓ نے اپنے دور خلافت میں حضرت علیؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ کو عہدہ قضاء کے لئے منتخب فرمایا تھا لیکن قاضی القضاۃ حضرت عمرؓ کو ہی مقرر فرمایا تھا۔ حضرت ابو بکرؓ کو خلافت ملتے ہی حضرت عمرؓ نے ان کی معاونت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا "انا اکفیک القضاء" یعنی محکمہ قضاء کے متعلق میں آپ کی معاونت کے لئے تیار ہوں اور کافی ہوں۔ اور پھر حضرت عمرؓ عہدہ قضاء پر براجمان رہے۔[163] عہدہ قضاء کا مطلب تھا کہ عوام کو پیش آنے والے تمام امور میں ان کی راہنمائی کرنا، ان کا تصفیہ کرانا اور عوام کے حقوق کی ادائیگی میں آنے والی رکاوٹوں کو دور کرنے کی کوشش کرنا۔

۸۔ امیر الامراء: امیر الامراء یا چیف کمانڈر سے مراد وہ شخص ہوتا تھا جو کہ فوجی معاملات اور فوجیوں سے متعلقہ امور کا ذمہ دار ہوتا تھا۔ اور فوجی نظم و نسق کے ساتھ ساتھ مجاہدین فی سبیل اللہ کے قیام و طعام اور رہائش کے ساتھ ساتھ میدان جنگ کے تمام امور بھی اس کے ذمہ ہی ہوتے تھے۔

---

[162] سیوطیؒ، جلال الدین، تاریخ الخلفاء، مترجم شمس بریلوی، پروگریسو بکس اردو بازار لاہور، صفحہ ۱۵

[163] الطبری، محمد ابن جریر، ابو جعفر، علامہ تاریخ الامم والملوک، تاریخ طبری، نفیس اکیڈمی اردو بازار کراچی، مترجم، ڈاکٹر محمد صدیق ہاشمی، ص ۲/ ۶۱۷

فوجی نظام اور فوج سے متعلقہ انتظامات: عہد نبوت میں مسلمانوں کی کوئی باقاعدہ فوج نہیں ہوا کرتی تھی بلکہ جب کبھی غزوہ یا سریہ ہوتا اور ضرورت پیش آتی تو صحابہ کرام خود ہی شوق اور جذبہ جہاد سے جمع ہو جاتے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں بھی یہی صورتحال برقرار رہی البتہ اتنا ضرور ہوا کہ حضرت ابو بکرؓ نے فوج کا ایک امیر الامراء مقرر فرمایا اور باقی فوج کو ان کے قبائل اور قومیتوں کے اعتبار سے دستوں میں مقرر فرمایا۔ اس کے ساتھ ساتھ حضرت خالد بن ولیدؓ نے جو کہ امیر الامراء تھے **تعبیہ** کا طریقہ ایجاد فرمایا یعنی ہر دستہ کے لئے اس کی باقاعدہ جگہ مقرر فرماء دی اس طرح فوج کو میدان جنگ میں استعمال کرنا آسان ہو گیا۔[164]

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جب اسلامی سلطنت وسیع ہو گئی اور قیصر و قصری کی سلطنتیں اسلمی مملکت میں شامل ہو گئیں تو اس کو ایک منتظم اور باقاعدہ فوجی نظام کی ضرورت محسوس ہوئی۔ ۱۵ھ میں حضرت عمرؓ نے اس کی طرف توجہ فرمائی اور قریش اور انصار سے باقاعدہ فوجی تنظیم اور تربیت کا آغاز فرمایا اور حضرت مخرمہ بن نوفلؓ، حضرت جبیر بن مطعم اور حضرت عقیل بن ابی طالب کو یہ ذمہ داری سونپی۔ اس کے لئے قریش اور انصار کا ایک رجسٹر تیار کیا گیا جس میں ہر شخص کا نام و نسب تفصیل سے تحریر کیا گیا۔

حضرت عمرؓ نے حسب حیثیت مجاہدین کی تنخواہیں مقرر فرمائیں اور ان کے بیوی بچوں کے لئے وظائف مقرر کئے گئے۔ مہاجرین اور انصار کی بیویوں کی سالانہ تنخواہ ۲۰۰ درھم تا ۴۰۰ درہم مقرر کی گئی۔ اہل بدر کی اولاد کی ۲۰۰۰ درہم سالانہ مقرر فرمائیں اور ان حجرات کی حیثیت کے مطابق ان کے غلاموں کی بھی تنخواہیں مقرر فرمائیں۔[165]

کچھ دنوں بعد اس نظام کو قریش و انصار سے وسعت دے کر پوری اسلامی مملکت کی مردم شماری کرائی گئی اور ہر ایک عربی النسل کی علی قدر المراتب تنخواہ مقرر کی گئی یہاں تک کہ شیر خوار بچوں کا بھی وظیفہ مقرر کیا گیا۔[166] تنخواہ کے علاوہ ہر سپاہی کو کپڑا اور کھانے پینے کا سامان بھی فراہم کیا جاتا تھا۔

تنخواہ کی تقسیم کا طریق کار یہ تھا ہر دس آدمیوں پر ایک امیر مقرر کیا جاتا تھا جن کو **امراء الاعشار** کہا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ ہر علاقہ میں کئی **عریف** مقرر کئے گئے تھے۔ عریف کے ذمہ ایک لکھ درہم کی تقسیم ہوتی تھی۔ اور دس ہزار امراء الاعشار اس کے ماتحت ہوا کرتے تھے۔ عریف اعشار تک تنخواہ پہنچاتا جو کہ ہر شخص تک تنخواہ پہنچایا کرتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ سپاہیوں اور افسروں کی تنخواہوں میں ان کی حسن کارکردگی کی مناسبت سے اضافہ بھی ہوتا رہتا تھا۔ اس کے ساتھ جب عجمی عوام بھی حلقہ بگوش اسلام ہو گئیں اور جہاد فی سبیل اللہ کے لئے نکلنے لگیں تو ان کی بھی حسب مراتب تنخواہیں مقرر کی گئیں۔

حضرت عثمانؓ نے بھی حضرت عمرؓ کی فوجی تنظیم کو برقرار رکھا اور فوجیوں کی تنخواہوں میں سو سو درہم کا اضافہ فرمایا۔ اس کے ساتھ ساتھ صیغہ فوج کو انتظامی شعبہ سے الگ کر کے صدر مقامات میں الگ فوجی افسروں کے ماتحت فرما دیا۔

حضرت علیؓ نے نے بھی فوجی انتظامات میں جدت لائی۔ شام کی سرحد پر چوکیاں قائم فرمائیں، اسی طرح ایران میں مختلف قلعے تعمیر کروائے تاکہ شورش سے بچاو ہو سکے۔ اسی سلسلے میں اصطخر کا قلعہ حصن تعمیر کیا گیا تھا۔[167]

---

[164] البلاذری، احمد بن یحیٰ بن جابر، فتوح البلدان، مترجم، ابوالخیر مودودی، مکتبہ تخلیقات لاہور، ۲۰۱۰ صفحہ ۱۱۴

[165] قاضی امام ابو یوسف، کتاب الخراج، مترجم نیاز احمد اوکاڑوی، مکتبہ رحمانیہ لاہور ص ۲۴، ابو العباس تقی الدین احمد بن علی مقریزی، المواعظ والاعتبار فی ذکر الخطط والآثار۔ تاریخ مقریزی، ج ۱ ص ۹۲

[166] البلاذری، احمد بن یحیٰ بن جابر، فتوح البلدان، مترجم، ابوالخیر مودودی، مکتبہ تخلیقات لاہور، ۲۰۱۰ صفحہ ۴۶۴

[167] قاضی امام ابو یوسف، کتاب الخراج، مترجم نیاز احمد اوکاڑوی، مکتبہ رحمانیہ لاہور ص ۲۵۰

فوجی قواعد: قواعد کے مطابق درج ذیل مہارتیں حاصل کرنا ہر فوجی کے لئے لازم تھا۔ گھڑ سواری، تیر اکی، تیر اندازی اور ننگے پاوں چلنا۔ اس کے ساتھ ساتھ ہر چار ماہ کے بعد فوجیوں کو اپنے وطن جاکر اپنے اہل وعیال سے جاکر ملنے کی رخصت دی جاتی تھی۔ کوچ کو متعلق یہ حکم تھا کہ جمعہ کے دن فوج مقام کرئے اور ایک شب وروز قیام رکھے تا کہ لوگ دم لے سکیں۔

فوجی مراکز: ان مقامات کو فوجی عساکر او مراکز بنایا گیا تھا

۱۔ مدینہ، ۲۔ کوفہ، ۳۔ بصرہ، ۴۔ موصل، ۵۔ فسطاط، ۶۔ دمشق، ۷۔ حمص، ۸۔ اردن، ۹۔ فلسطین ان مقامات کے علاوہ بھی ہر علاقہ اور صوبہ میں فوجی بارکیں اور چھاونیاں قائم کی گئی تھی۔ عہد عثانی میں ان فوجی مقامات میں ذیل فوجی مقامات کا اضافہ ہوا

۱۰۔ طرابلس، ۱۱۔ قبرس، ۱۲۔ طبرستان ۱۳۔ آرمینیا۔[168]

فوجی عہدیداران: فوج میں درج ذیل عہدیداران ہر وقت موجود رہتے تھے۔ **۱۔ خزانچی، ۲۔ محاسب، ۳۔ مترجم، ۴۔ طبیب ۵۔ جراح ۶۔ جاسوس۔**

فوج کی تقسیم: ۱۔ مقدمہ، ۲۔ قلب، ۳۔ میمنہ، ۴۔ میسرہ، ۵۔ ساقہ، ۶۔ طلیعہ، ۷۔ سفر مینہ، ۸۔ ردا (عقبی گارڈ)، ۹۔ شتر سوار، ۱۰۔ سوار، ۱۱۔ پیادہ، ۱۲۔ تیر انداز۔

آلات جنگ مین تلواریں، تیر، بھالے، منجنیقیں اور دبابے بھی ہوتے تھے۔ گھوڑوں کی پرداش وپرداخت کا بھی نہایت اہتمام کیا جاتا تھا۔ اور ہر فوجی مرکز میں ۴۰۰۰ چار ہزار گھوڑے ہر وقت مکمل ساز و سامان کے تیار موجود رہتے تھے۔ گھوڑوں کی رانوں پر یہ الفاظ "جیش فی سبیل اللہ" داغے جاتے تھے۔

چراہگاہوں کا قیام: خلفاء راشدین نے تمام مملکت میں گھوڑوں اور انٹوں کی دیکھ بھال کرنے کے لئے چراہ گاہیں قائم فرمائیں، خود مدینہ کے اطراف میں بہت ساری چراہگاہیں تھی جن میں سے سب سے بڑی ربذہ کے مقام پر تھی اور اس کی لمبائی اور چوڑائی دس دس میل تھی۔ جو کہ مدینہ سے چار منزل کے فاصلے پر تھی۔ دوسری چراہگاہ نقیع کے مقام پر تھی جو کہ مدینہ سے بیس میل دور واقع ہے۔ ایک اور چراہ گار مقام ضربہ میں تھی جو کہ لمبائی چوڑائی میں چھ چھ میل تھی۔

چراہگاہوں کے قریب چشموں کا قیام: حضرات خلفاء راشدین نے چراہگاہوں کے قریب ہی چشمے بھی تیار کرائے تا کہ جانوروں کی دیکھ بال میں آسانی ہو۔ چنانچہ مقام ضربہ میں بنی ضربیہ سے پانی کا ایک چشمہ خرید کر چراہگاہ کے لئے مقرر فرمادیا۔ اس کے ساتھ چراہگاوں کے منتظمین کے لئے رہائشوں کو بندوبست بھی فرمایا۔

امارت بحریہ: اسلام میں بحری جنگ اور بحری فوجی انتظامات کی ابتداء خاص حضرت عثمانؓ کے زمانہ مبارکہ میں ہوئی۔ اس حوالے سے اسلامی تاریخی کتابوں میں بہت ہی کم مواد ملتا ہے۔ ہاں اتنا معلوم ہوسکا ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ کے توجہ دلانے پر حضرت عثمانؓ نے بارگاہ خلافت سے ایک بحری جنگی بیڑا تیار کرنے کا حکم صادر فرمایا تھا۔ اور حضرت عبد اللہ بن قیس الحارثی پہلے امیر البحر مقرر ہوئے

[168] البلاذری، احمد بن یحیٰ بن جابر، فتوح البلدان، مترجم، ابوالخیر مودودی، مکتبہ تخلیقات لاہور، ۲۰۱۰، صفحہ ۴۷۵

تھے۔ لیکن اتنا علم یقینی ہے کہ اسلامی مملکت کے بحری قوت اتنی موجود تھی کہ قبرص مسلمانوں کے زیر نگیں آ گیا تھا۔ اور رومیوں کے ایک عظیم الشان بحری بیڑے کو جو کے ۵۰۰ پانچ سو بحری جہازوں پر مشتمل تھا اسلامی بحری بیڑے نے شکست فاش دے دی تھی۔[169]

بیت المال / مالی انتظامات اور معاشرتی امن میں اس کا کردار: حضرت نبی اکرم ﷺ کے زمانہ میں صیغہ مال کا باقاعدہ کوئی محکمہ نہ تھا۔ لیکن اسلامی حکومت کے پاس مال مختلف ذرائع سے جمع ہوتا تھا۔ مالی نظام میں زمین کے محصول میں سے عشر اور خراج جمع کئے جاتے تھے۔ اسی طرح خلافت کی آمدنی کا ایک ذریعہ مفتوحہ زمین کو لگان یا ٹھیکہ پر دینا بھی تھا جو کہ اجارہ کی ہی ایک صورت بنتی ہے۔ اس کی آمدنی میں سے بھی ایک حصہ بیت المال میں رکھا جاتا تھا۔ اس کی مثال خیبر کی زمین ہے جو فتح خیبر کے بعد نبی اکرم ﷺ نے یہود خیبر کے حوالے ہی کر دی تھی اور اس سے محصول لیا جاتا تھا جو کہ بیت المال میں جمع کیا جاتا تھا[170]۔ مال کی آمدنی کی ایک صورت جزیہ بھی تھا جو کہ غیر مسلموں سے وصول کیا جاتا تھا۔ حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ میں جزیہ کی شرح متعین نہ تھی حضرت عمرؓ نے اس کو متعین فرمایا۔ ایک صورت تجارتی ٹیکس کی تھی لیکن یہ ان لوگوں سے وصول کیا جاتا تھا جو مالدار تھے۔[171] اسی طرح آمدنی کی ایک صورت مال فئی بھی تھا اور مال غنیمت کا خمس بھی بیت المال میں جمع کیا جاتا تھا۔ حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ میں بھی یہی صورتحال رہی کہ جو بھی مال جمع ہوتا تقسیم کر دیا جاتا۔ حضرت ابو بکرؓ نے بیت المال کا نظام شروع تو فرمایا مگر مال جو بھی ہوتا تھا سب کا سب تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ خلیفہ اول کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت عبد الرحمن بن عوف اور حضرت عثمان بن عفانؓ کے ہمراہ مقام سخ میں بیت المال کا دورہ فرمایا تو صرف ایک درہم برآمد ہوا۔ لوگوں نے کہا حضرت ابو بکرؓ پر خدا کی رحمت ہو۔ حضرت عمرؓ نے بیت المال کے افسر سے بلا کر پوچھا کہ شروع سے لیکر ابھی تک تقریباً کتنا مال بیت المال میں آیا ہو گا جو کہ حضرت ابو بکرؓ نے تقسیم فرما دیا تو خزانچی نے عرض کی دو لاکھ دینار[172]۔ حضرت عمرؓ نے ۱۵ھ میں مستقل خزانہ کی ضرورت محسوس کی اور مجلس شوریٰ کی منظوری کے بعد مدینہ منورہ میں بہت بڑا دفتر خزانہ قائم فرمایا۔ اور پھر اللگ الگ مقامات اور صوبہ جات میں بھی اس کی شاخیں قائم فرمائیں۔ اور مختلف مقامات پر افسر مقرر فرمائے۔ جیسے اصفہان میں خالد بن الحارثؓ کو اور کوفہ میں حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ کو بیت المال کا افسر مقرر فرمایا۔ صوبہ جات اور اضلاع کی جو سالانہ آمدنی ہوتی تھی وہ اس کے مصارف میں خرچ ہونے کے بعد صدر خزانہ میں پہنچا دی جاتی تھی[173]۔ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں جب ملکی محاصل میں بے پناہ اضافہ ہوا تو آپؓ نے تمام اہل وظائف کے وظیفوں میں ایک ایک سو درہم کا اضافہ فرما دیا۔ حضرت علیؓ نے اپنے زمانہ حکومت میں صیغہ محاصل میں خاص اصلاحات نافذ فرمائیں۔ آپؓ سے پہلے جنگل سے کسی قسم کا فائدہ نہیں اٹھایا جاتا تھا آپؓ نے جنگلات کو بھی ملکی محاصل میں شامل فرمایا چنانچہ صرف برص کے جنگل میں چار ہزار درہم مالگزاری تشخیص کی گئی۔[174] عہد نبوی ﷺ میں گھوڑے زکوٰۃ سے مستثنیٰ تھے۔ لیکن عہد فاروقی میں جب اس کی تجارت بہت بڑھ گئی تو اس پر بھی زکوٰۃ

---

169 البلاذری، احمد بن یحیٰ بن جابر، فتوح البلدان، مترجم، ابو الخیر مودودی، مکتبہ تخلیقات لاہور، ۲۰۱۰ صفحہ ۲۲۳

170 قاضی امام ابو یوسف، کتاب الخراج، مترجم نیاز احمد اوکاڑوی، مکتبہ رحمانیہ لاہور ص ۵۱، ۵۰

171 ابو عبیدہ قاسم بن سلام، کتاب الاموال، مترجم عبد الرحمٰن بن طاہر سواتی، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد صفحہ ۱۲۰

172 بغدادی، محمد ابن سعد، الطبقات الکبریٰ لابن سعد، نفیس اکیڈمی، اردو بازار کراچی، ۳/ ۱۵۱

173 الطبری، محمد ابن جریر، ابو جعفر، علامہ تاریخ الامم والملوک، تاریخ طبری، نفیس اکیڈمی اردو بازار کراچی، مترجم، ڈاکٹر محمد صدیق ہاشمی، ص ۲/ ۶۲۷

174 قاضی امام ابو یوسف، کتاب الخراج، مترجم نیاز احمد اوکاڑوی، مکتبہ رحمانیہ لاہور، ص ۲۶۷ بحوالہ، خلفاء راشدین از شاہ معین الدین احمد ندوی

مقرر کی گئی لیکن حضرت علیؓ کے نزدیک تمدنی لحاظ سے گھوڑوں کی افزائش نسل بہت ضروری تھی اس لئے ان پر سے ذکوٰۃ موقوف کر دی گئی۔ خلفاء راشدین کے عہد کو اگر یکجا کر کے دیکھا جائے تو ہمیں مالی طور پر آسودگی اور خوشحالی دکھائی دیتی ہے ور اس کی وجہ یہ تھی کہ ان حضرات کے زمانہ میں مالیات کے حوالے سے کڑی نگرانی بھی رکھی جاتی تھی اور ساتھ ساتھ لوگوں کی تمام ضروریات پوری کرنا حکومت وقت کی ذمہ داری تھی لہذا جب مال و دولت حق اور جائز طریقے سے اتنا مل جاتا تھا کہ تمام جائز ضروریات پوری ہو جائیں تو نا حق کی طرف جانے کی ضرورت ہی نہ پڑتی تھی۔

رفاہ عامہ سے متعلق اقدامات کا عوام کی فلاح و بہبود اور معاشرتی امن میں کردار:

مردم شماری اور وظائف بیت المال کے لئے درجہ بندی: حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ میں تمام لوگوں کا وظیفہ یکساں تھا جو کہ بیت المال میں مال آنے کی صورت میں مال کو تقسیم کر دینے کی صورت میں تھا۔ جب حضرت عمرؓ کا دور آیا اور بیت المال میں مال کی کثرت ہو گئی تو حضرت عمرؓ نے ہر انسان کا وظیفہ علی قدر المراتب مقرر فرمایا۔ اس حوالے سے حضرت عمرؓ نے مردم شماری کرائی اور الگ الگ اعتبارات سے لوگوں کی تقسیم فرمائی۔ مال خراج اور مال فئی والوں کا دفتر الگ مقرر فرمایا۔ جنگ میں شامل ہونے والوں کے لئے الگ رجسٹر مقرر فرمایا۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جب اسلامی سلطنت وسیع ہو گئی اور قیصر و قصری کی سلطنتیں اسلمی مملکت میں شامل ہو گئیں تو اس کو ایک منتظم اور باقاعدہ فوجی نظام کی ضرورت محسوس ہوئی۔ چنانچہ ۱۵ھ میں حضرت عمرؓ نے اس معاملہ کی طرف خصوصی توجہ فرمائی اور قریش اور انصار سے باقاعدہ فوجی تنظیم اور تربیت کا آغاز فرمایا اور حضرت مخرمہ بن نوفلؓ، حضرت جبیر بن مطعم اور حضرت عقیل بن ابی طالب کو یہ ذمہ داری سونپی۔ اس کے لئے قریش اور انصار کا ایک رجسٹر تیار کیا گیا جس میں ہر شخص کا نام و نسب تفصیل سے تحریر کیا گیا۔

حضرت عمرؓ نے حسب حیثیت مجاہدین کی تنخواہیں مقرر فرمائیں اور ان کے بیوی بچوں کے لئے وظائف مقرر کئے گئے۔ مہاجرین اور انصار کی بیویوں کی سالانہ تنخواہ ۲۰۰ درھم تا ۴۰۰ درہم مقرر کی گئی۔ اہل بدر کی اولاد کی ۲۰۰۰ درہم سالانہ مقرر فرمائیں اور ان حجرات کی حیثیت کے مطابق ان کے غلاموں کی بھی تنخواہیں مقرر فرمائیں۔ [175]

کچھ دنوں بعد اس نظام کو قریش و انصار سے وسعت دے کر پوری اسلامی مملکت کی مردم شماری کرائی گئی اور ہر ایک عربی النسل کی علی قدر المراتب تنخواہ مقرر کی گئی یہاں تک کہ شیر خوار بچوں کا بھی وظیفہ مقرر کیا گیا۔[176] تنخواہ کے علاوہ ہر سپاہی کو کپڑا اور کھانے پینے کا سامان بھی فراہم کیا جاتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے عوام الناس کے وظائف کے لئے الگ رجسٹر مقرر فرمایا تھا۔ اسی طرح صحابہ بدر و احد کے لئے بھی حسب مراتب الگ دفتر اور وظیفہ مقرر فرمایا۔ علامہ ابو عبیدؒ لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ایک وقت میں ۳۰ آدمیوں کا کھانا روٹی کو زیتون کے تیل میں بطور ملیدہ تیار کرایا جب سب نے آسودہ ہو کر کھالیا تو فی کس ۳۰ دن کا غلہ بھی ہر کس کے لئے جاری فرمایا۔[177]

دور دراز علاقوں کے غرباء اور مساکین کا معاشی انتظام: علامہ ابن جوزی لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے شام و حمص اور دیگر اضلاع کے غرباء و مساکین کی فہرست مرتب کرائی تا کہ ان کے معاش کا انتظام کیا جا سکے۔ چنانچہ جب حضرت عمرؓ نے شام کا سفر فرمایا اور مختلف آبادیوں

---

[175] قاضی امام ابو یوسف، کتاب الخراج، مترجم نیاز احمد اوکاڑوی، مکتبہ رحمانیہ لاہور، ص ۲۴، مقریزی، ج ا ص ۹۲

[176] البلاذری، احمد بن یحیٰ بن جابر، فتوح البلدان، مترجم، ابو الخیر مودودی، مکتبہ تخلیقات لاہور، ۲۰۱۰ صفحہ ۴۶۴

[177] ابو عبیدہ قاسم بن سلام، کتاب الاموال، مترجم عبد الرحمٰن بن طاہر سواتی، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد صفحہ ۲۴۷، طبقات ابن سعد ۳/ ۶۲۰

اور بستیوں سے گزرے تو فرمایا کہ ان غرباء کی ایک فہرست میرے حوالہ کی جائے پھر حضرت عمرؓ نے ان سب کے معاش کا انتظام فرمایا اور اور ان کے وظائف مقرر فرمائے۔[178]

شیر خوار بچوں کا وظیفہ: ایک مرتبہ حضرت عمرؓ رات کی گشت پر تھے۔ایک گھر کے پاس پہنچے تو دیکھا ایک بچہ مچل مچل کے رو رہا ہے۔ آپؓ نے اس کی ماں سے اسے بہلانے کا کہا۔جب باقی جگہوں سے گشت فرماء کر واپسی ہوئی تو دیکھا بچہ ابھی تک رو رہا ہے حضرت عمرؓ نے فرمایا"ویحک انی لاراک ام سوء" تیرا ناس ہوں تو مجھے بری ماں معلوم ہوتی ہے۔اس نے کہا کہ میں نے اس کا دودھ چھڑادیا ہے کیونکہ امیر المومنین کا اعلان ہے کہ جب بچہ دودھ چھوڑ دے گا تو اس کا وظیفہ جاری ہو گا۔اور میں پریشان حال ہوں اور یہی اس بچہ کے رونے کی وجہ ہے۔حضرت عمر نے دریافت فرمایا بچہ کتنے عرصے کا ہے اس نے جواب میں کہا ابھی چند ماہ کا ہوا ہے۔حضرت عمر پر اس واقعہ نے بہت گہرا اثر چھوڑا۔فجر کی نماز میں اتنا روئے کہ شدت گریہ سے آپ کی آواز واضح نہ رہی۔ صبح ہوتے ہی یہ اعلان فرمایا کہ جو بھی بچہ دنیا میں آئے گا اس کا وظیفہ جاری کیا جائے گا۔[179]

چراہگاہوں کا قیام: خلفاء راشدین نے تمام مملکت میں گھوڑوں اور انٹوں کی دیکھ بھال کرنے کے لئے چراہ گاہیں قائم فرمائیں،خود مدینہ کے اطراف میں بہت ساری چراہگاہیں تھی جن میں سے سب سے بڑی ربذہ کے مقام پر تھی اور اس کی لمبائی اور چوڑائی دس دس میل تھی۔جو کہ مدینہ سے چار منزل کے فاصلے پر تھی۔دوسری چراہگاہ نقیع کے مقام پر تھی جو کہ مدینہ سے بیس میل دور واقع ہے۔ایک اور چراہ گار مقام ضربہ میں تھی جو کہ لمبائی چوڑائی میں چھ چھ میل تھی۔

چراہگاہوں کے قریب چشموں کا قیام: حضرات خلفاء راشدین نے چراہگاہوں کے قریب ہی چشمے بھی تیار کرائے تاکہ جانوروں کی دیکھ بال میں آسانی ہو۔چنانچہ مقام ضربہ میں بنی ضریبہ سے پانی کا ایک چشمہ خرید کر چراہگاہ کے لئے مقرر فرمادیا۔اس کے ساتھ چراہگاوں کے منتظمین کے لئے رہائشوں کو بندوبست بھی فرمایا۔

تعمیرات اور نئے شہروں کی آبادکاری: معاشرتی امن کے قیام میں لوگوں کی خدمت اور رفاہ عامہ کا بڑا عمل دخل ہے. عام عوام کی سہولت کے لیے تعمیرات،اور ان کی سہولتوں کا بندوبست کرنا معاشرے کو پر امن اور آسودگی اور خوشحالی سے بھرپور کر دیتا ہے۔

اسلام کا دائرہ حکومت جس قدر وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا اسی قدر تعمیرات کا کام بھی بڑھتا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے دور حکومت میں تعمیرات کا کام انتہائی منظم اور مربوط طریقے سے شروع ہوا۔ابتدائی طور پر پر تعمیرات کے لئے باقاعدہ کوئی صیغہ یا محکمہ نہ تھا بلکہ صوبوں کے عاملین اور حکام اس صوبے کی ثقافت اور طرز رہائش کے مطابق سرکاری کاموں اور محمہ جات کے لئے کے لیے وہاں کے طرز تعمیر کے مطابق سرکاری عمارتیں تعمیر کرواتے رہے۔ عام عوام کی فلاح اور خوشحالی کے لئے لیے سڑکوں کا جال بنا گیا دریاوں اور ندی نالوں پر پل تعمیر کئے گئے اور مساجد تعمیر کی گئیں۔ فوجی چھاونیاں اور مختلف قلعے اور بارکیں تعمیر کی گئی۔ مسافروں کے لیے مہمان خانے تعمیر کیے گئے ۔اسی طرح خزانہ اور مسلمانوں کے اموال کی حفاظت کے لئے بیت المال کی عمارتیں تعمیر کی گئیں۔ حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ تعالی عنہ تعمیرات کے معاملے میں نہایت کفایت شعار تھے لیکن بیت المال اور خزانے کی

---

[178] ابن جوزیؒ، جمال الدین، ابو الفرج، عبد الرحمن، صفۃ الصفوۃ، دار المعرفۃ، بیروت لبنان، جلد اول صفحہ ۲۷۵

[179][179] ابو نعمان سیف اللہ خالد، سیرت عمرؓ، دارالاندلس، کراچی، صفحہ ۵۸

عمارتیں عموماً شاندار اور مستحکم بنائی جاتی تھی۔ اسی سلسلے میں کوفہ کے بیت المال کو روزبہ نامی ایک مشہور مجوسی معمار نے بنایا تھا اور اس میں فارس کی سرکاری اور انتہائی اہم عمارتوں میں استعمال کیا جانے والا مسالہ استعمال کیا گیا تھا۔[180] مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ مسلمانوں کے لئے بہت ہی عظمت اور اہمیت کے حامل شہر ہیں۔ اس زمانے میں چونکہ خلافت کے امور مدینہ میں طے کیے جاتے تھے اور مکہ مکرمہ حج اور عمرہ کے لئے مدینہ منورہ سے کثیر تعداد میں لوگوں کا آنا جانا رہتا تھا اسی لئے مکہ اور مدینہ کے درمیانی راستے میں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم ہم نے مختلف سرائے اور چوکیاں تعمیر کرائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے ۱۷ھ ہجری میں اس راستے کی تعمیر اور توسیع کرائی اور نئے سرے سے اس کی آسانی اور سہولیات کا خیال رکھنے کی تاکید فرمائی۔[181] زراعت کی ترقی کے لئے اسلامی مملکت میں تقریباً تمام صوبہ جات اور اضلاع میں نہریں کھدوائیں گئی بعض نہریں ایسی بھی تھیں جن کا تعلق محکمہ زراعت سے نہیں تھا جیسے کہ نہر ابی موسی جو صرف بصرہ والوں کے لئے صاف اور میٹھے پانی پہنچانے کے خیال سے دریائے دجلہ سے کاٹ کر لائی گئی تھی یہ نہر ۹ میل لمبی تھی اسی طرح ایک اور نہر نہر معقل بھی تعمیر کی گئی جس کی نسبت مثل ہے: اذا جاء نهر الله بطل بهر المعقل۔[182] اسی طرح دریائے نیل کو بحر قلزم سے ملانے کے لیے ایک نہر تعمیر کی گئی جس نہر کو نہر امیر المومنین کا نام دیا گیا اور وہ بہت مشہور ہوئی۔ اسی طرح حضرات خلفائے راشدین نے رضی اللہ عنہ کے زمانہ مبارک میں بہت سارے نئے شہر بھی آباد کیے گئے مسلمان عرب کی گھاٹیوں سے نکل کر جب شام اور ایران کے کے خوبصورت چمن زاروں میں پہنچے تو ان کو یہ علاقے بہت ہی خوبصورت اور خوش آئیند لگے اور انہوں نے وہیں سکونت اختیار کرنے کو ترجیح دی اور یوں بہت سے شہر آباد ہوئے جن میں بصرہ کوفہ فسطاط موصل جیزہ اور بہت سارے دوسرے شہر بھی شامل ہیں۔[183]

مہمان خانوں کی عمارتیں: مہمان خانوں کی عمارتیں اس لیے تعمیر کی گئیں کہ باہر سے آنے والے جو دو چار دن کے لیے شہر میں آتے جاتے تھے، وہ ان مکانات میں ٹھہرائے جاتے تھے۔ کوفہ میں جو مہمان خانہ بنا، اس کی نسبت علامہ احمد بلاذری (وفات ۸۹۲) نے لکھا ہے: انھوں حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ جو لوگ دور دراز علاقوں سے آتے ہیں، ان کے قیام کے لیے مکان بنایا جائے[184]۔ مدینہ منورہ میں مہمان خانہ ۱۷ ہجری میں تعمیر ہوا۔ ابن حبان نے کتاب الثقاہ میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ یہ علم میں رہے کہ اس وقت تک سادگی کا زمانہ تھا لہذا یہ عمارتیں کچی تھیں۔

ویران زمینوں کی آبادکاری: خلفائے راشدین نے لوگوں کو روزگار مہیا کرنے، ملکی آمدنی بڑھانے اور بے کار لوگوں کو کام سے لگانے کے لیے ایک ویران، غیر آباد اور ریگستانی زمینوں پر اپنے غلاموں، آزاد کردہ غلاموں اور بے روزگار لوگوں کو زرعی آلات اور سامان دے کر ان زمینوں پر آباد کرایا۔ یہ لوگ زمینوں میں اناج سبزیاں اور باغ لگاتے، اس طرح ایک طرف ان کو روزگار ملتا تو دوسری طرف ملک کی آمدنی میں اضافہ ہوتا اور لوگوں کی ضرورتیں پوری ہوتیں۔ بے روزگاروں کو کام سے لگانے کا یہ بہترین طریقہ ہے۔

---

180 الطبری، محمد ابن جریر، ابو جعفر، علامہ تاریخ الامم والملوک، تاریخ طبری،، نفیس اکیڈمی اردو بازار کراچی، مترجم، ڈاکٹر محمد صدیق ہاشمی، تذکرہ آبادی کوفہ صفحہ ۱۳۴

181 الطبری، محمد ابن جریر، ابو جعفر، علامہ تاریخ الامم والملوک، تاریخ طبری،، نفیس اکیڈمی اردو بازار کراچی، مترجم، ڈاکٹر محمد صدیق ہاشمی، ص ۳/ ۱۲۷

182 البلاذری، احمد بن یحیٰ بن جابر، فتوح البلدان، مترجم، ابوالخیر مودودی، مکتبہ تخلیقات لاہور، ۲۰۱۰ ص ۳۶۵

183 یاقوت بن عبد اللہ البغدادي شهاب الدين أبو عبد الله، معجم البلدان، تذکرہ، کوفہ، فسطاط جیزہ، دار صادر، ۱۹۹۳

184 البلاذری، احمد بن یحیٰ بن جابر، فتوح البلدان، مترجم، ابوالخیر مودودی، مکتبہ تخلیقات لاہور، ۲۰۱۰ ص ۳۴۵

مساجد کی تعمیر اور مسجد نبوی کی از سر نو تعمیر و توسیع: خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے عوام کی فلاح و بہبود کے لئے بہت سے عملی اقدامات کیے تمام محروسہ ممالک میں کثرت سے مساجد تعمیر کی گئی مساجد میں حکومت کی طرف سے امام اور موذن مقرر کیے گئے۔ مسجدوں میں روشنی اور فرش کا انتظام بھی حضرات خلفائے راشدین کے عہدے مبارکہ سے ہوا اسی طرح حجاج کی راحت اور آسائش کا بھی انتظام کیا جاتا تھا حضرات خلفائے راشدین حج کے لیے جاتے ہیں اس کی خبر گیری اور ان کی خدمات کیا کرتے تھے اسی طرح حرم محترم کی عمارت کافی نہیں تھی تو اس کو وسیع کیا گیا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے ۱۷ھ میں اس کی وسعت اور کشادگی کے لیے بہترین منصوبہ بندی کی۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ نے مسجد نبوی کے پاس ہی ایک زمین کا بڑا ٹکڑا خرید کر بارگاہ نبوی میں پیش کیا تھا جس کی وجہ سے مسجد نبوی کی توسیع زمانہ نبوی میں کی گئی تھی۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ مسلمانوں کے خلیفہ ہوئے تو انہوں نے اس کی تعمیر و توسیع نہایت اہتمام سے کی حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ نے ۲۴ھ اسی طرح مسجد نبوی کو نئے سرے سے تعمیر کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا لیکن معاوضہ دینے پر بھی اس کی قربت سے دست کش ہونے کے لئے لوگ راضی نہیں ہو رہے تھے حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ نے ان کو راضی کرنے کے لیے مختلف تدابیر کی لیکن وہ کسی طرح راضی نہ ہوتے تھے یہاں تک کہ پانچ سال تک اس ارادہ کو ملتوی کرنا پڑا یہاں تک کہ ۲۹ھ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے دن ایک نہایت موثر اور سحر انگیز تقریر فرمائی اور نمازیوں کی کثرت اور مسجد تنگی کی طرف توجہ دلائی اس تقریر کا اثر یہ ہوا کہ لوگوں نے خوشی سے اپنے مکانات دے دیے اور حضرت عثمان نے نہایت اہتمام سے مسجد نبوی کی تعمیر کا کام شروع کیا ہے تمام عاملین طلب کیے گئے اور خود شب و روز مصروف کار رہے۔ چنانچہ دس ماہ کے مسلسل جدوجہد کے بعد اینٹ چونا اور پتھر کی ایک نہایت خوبصورت اور مستحکم اور تیار ہو گی اور اس کام کے ساتھ ساتھ اس کی وسعت اور خوشنمائی میں بھی اضافہ کیا گیا اور لمبائی میں پچاس کا اضافہ کیا گیا۔[185] یہی اصول مکانات اور رہائش کے معاملہ میں بھی جاری ہوتا ہے۔ عام لوگوں کے مکانات کچے، چھوٹے اور چھپر کے جھونپڑے ہوتے تھے اور مالدار و متوسط طبقہ کے لوگوں کے مکانات، پختہ، وسیع، کئی کمروں، دالانوں، صحنوں اور منزلوں والے ہوتے تھے۔ اسلامی صوبوں میں فن تعمیر زیادہ ترقی یافتہ تھا۔ لھذا ان کے مکانات، سڑکیں، حمام، تالاب وغیرہ زیادہ اچھے تھے۔ اسلامی فتوحات کے بعد فن تعمیر میں غیر معمولی ارتقاء ہوا۔ رومی اور ایرانی فن تعمیر کے بہت اثرات پڑے کیوں کہ عراق، شام، مصر اور ایران وغیرہ میں ان کے فن تعمیر نے بہت ترقی کر لی تھی۔ حضرت عثمان نے اپنے عہد خلافت میں جب مسجد نبوی کی توسیع کرائی تو اسے چونہ اور گچ کے استعمال کے ساتھ پختہ تعمیر کرایا۔ اس میں رومی معماروں کے فن کو بھی استعمال کیا گیا تھا۔ مدینہ منورہ مین خاص کر اور دوسرے عربی مراکز مین عام طور سے بلند و بالا اور بڑی عمارات تعمیر کی گئیں[186]۔ ان کے علاوہ سڑکوں، نہروں اور سرایوں وغیرہ کی تعمیر بھی کی گئی۔ خلافت فاروقی اور نہر معقل، نہر سعد اور نہر امیر المؤمنین وغیرہ اہم تھیں۔ یہ فن تعمیر کا اہم ارتقاء تھا۔ ان سے زیادہ اہم نئے شہروں کی تعمیر تھی ان کوفہ، بصرہ، فسطاط،

---

185 نور الدین أبو الحسن علي بن عبد الله بن أحمد بن علي الحسني السمهودي، خلاصة الوفا بأخبار دار المصطفى، صفحہ ۱۲۴

186 ندوی، علامہ معین الدین احمد خلفائے راشدین، ناشر ان قرآن اکیڈمی لاہور، صفحہ ۳۲۲

موصل، حیرہ، برقہ وغیرہ نئے شہر شامل تھے،[187] پرانے شہروں کو ترقی دی گئی۔ یہ دراصل شہر کاری کا ایک اہم دور تھا۔ مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس دور میں اسلامی تہذیب و تمدن میں وسعت بھی پیدا ہوئی۔

احتساب کا معاشرتی امن و استحکام میں کلیدی کردار: احتساب کے لغوی معنی حساب کرنے، اجر ثواب، طلب کرنے اور نہی عن المنکر کے بھی آتے ہیں۔ احتساب کا محکمہ معاشرتی امن وامان، استحکام اور معاشرے کے افراد کے حقوق کی ترسیل کے لئے نہایت ہی اہمیت رکھتا ہے۔ کیونکہ کسی بھی معاشرے کو بد امنی سے روکنے کے لئے ایسی قوت کا ہونا ضروری ہوتا ہے جس کے اختیار کی وجہ سے معاشرے سے برائیوں اور ظلم وناانصافی کا تدارک ہو سکے۔ امام غزالیؒ نے احتساب کی تعریف ان الفاظ سے کی ہے:

احتساب سے مراد یہ ہے کہ اللہ کے حقوق کے بارے میں کسی ناپسندیدہ کام کے ارتکاب سے روکا جائے تاکہ جس کو روکا جارہا ہے وہ اس کے ارتکاب سے باز رہے"۔

بطرس البستانی نے اپنی کتاب دائرۃ المعارف میں احتساب کی یہ تعریف لکھی ہے

"الاحتساب والحسبة في الشرع هما الامر بالمعروف اذا ظهرت تركه والنهي عن المنكر اذا ظهر فعله"[188]

ترجمہ: یعنی احتساب اور حصہ سے مراد شریعت میں امر بالمعروف کو کہتے ہیں جب معروف کو لوگ چھوڑ دیں اور نہی عن المنکر کو کہتے ہیں جب لوگ اس منکر کا ارتکاب کرنا شروع ہو جائے۔

احتساب دو طرح کا ہو سکتا ہے عرفی احتساب اور شرعی احتساب، مولانا سید محمد متین ہاشمی عرفی احتساب کے متعلق لکھتے ہیں:

صدر اسلام میں میں خلفاء الراشدین اور ان کے عمال بذات خود احتساب کے فریضہ کو سرانجام دیتے تھے اور اس کے معاملے میں کسی کی مداخلت کو برداشت نہ کرتے تھے۔ لیکن جب اسلامی مملکت میں وسعت آگئی اور عمال اور خلفاء کے لیے از خود نگرانی کرنا مشکل ہو گیا تو اس کے لئے باقاعدہ محکمہ احتساب کی ضرورت پیش آئی۔ جس کے لیے لیے محتسب یا حکومت کی طرف سے صاحب اس وقت یا عامل السوق وقت مقرر کیا جاتا تھا۔ احتساب شرعی کے متعلق سید محمد متین ہاشمی لکھتے ہیں:

"شرعی حساب میں عمومیت پائی جاتی ہے یعنی مطلق طور پر امر بالمعروف بھی اور نہی عن المنکر بھی۔"[189]

خلیفہ وقت کا سب سے بڑا فرض حکام کی نگرانی اور قوم کے اخلاق وعادات کی تربیت ہے۔ عوام کی تربیت اور ان میں اچھائی کے پروان چڑھانے کے لئے یہ امر نہایت ضروری ہوتا ہے کہ ان پر حکمرانی کرنے والے اور ان کے سردار و سربراہ اچھائی پر عمل پیرا ہوں اور برائی سے اجتناب کرنے والے ہوں۔

خلفاء راشدین کا خود کو احتساب کے لئے پیش کرنا: خلفاء راشدین کا یہ عمل انتہائی اہمیت کا حامل ہے کہ انہوں نے نہ صرف عمال کی نگرانی اور احتساب کیا بلکہ اپنے آپ کو بھی احتساب کے لئے پیش فرمایا اور کسی بھی صورت خود کو احتساب سے مبرا نہیں گردانا۔ حضرات خلفاء

---

[187] الفاروق، علامہ شبلی نعمانی، دارالشاعت کراچی، صفحہ ۲۵۵

[188] البستانی، بطرس، دائرۃ المعارف، مکتبہ اسلامیہ، ۱۹۹۶، ص ۲۱۸

[189] ہاشمی سید محمد متین، اسلامی حدود اور ان کا فلسفہ مع اسلام کا نظام احتساب، مرکز تحقیق دیال سنگھ لائبریری، ۳۲۴

راشدین نے خلفاء کے احتساب کی باقاعدہ اجازت دے رکھی تھے اور اس بات پر باقاعدہ حوصلہ افزائی فرماتے تھے کہ اگر خلیفہ واقعتاً کسی ایسے معاملہ میں پڑھ گیاہے جو خلاف شریعت ہے تو اس کی روک ٹوک کی جائے۔ایک مرتبہ سیدنا ابو بکرؓ نے یہ خطبہ ارشاد فرمایا:

"فإن أحسنتُ فأعِينُونِي وإن أسأتُ فقوِّمُونِي"[190]

ترجمہ: اگر میں اچھائی کروں تو میری اعانت کرنا اور اگر میں کسی غلطی میں پڑ جاؤں تو مجھے سیدھا کر دینا

ایک مرتبہ امیر المومنین حضرت عمرؓ خطبہ کہنے کے لئے کھڑے ہوئے اور دوران خطبہ یہ ارشاد فرمایا:

"یا ایھا الناس اسمعوا و اطیعوا"[191]

اے لوگو اولی الامر کی بات سنا کرو اور اس کی اطاعت کیا کرو

حضرت عمرؓ خطاب فرما ہی رہے تھے کہ اسی دوران ایک آدمی کھڑا ہوا اور آپؓ کی بات کاٹتے ہوئے بولا: لا سمع ولا طاعة کوئی سمع و اطاعت نہیں کی جائے گی۔ حضرت عمرؓ نے نہایت نرمی سے اس سے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ ہے تو وہ شخص کہنے لگا کہ مجھے جو مال غنیمت میں چادر ملی ہے وہ تن تو ڈھانک سکتی ہے مگر اس سے کرتہ تیار نہیں ہو سکتا آپ کی چادر سے کرتہ کیسے تیار ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے اس کا جواب دینت کت لئے اپنے بیٹے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کو کہا۔ تو حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ نے فرمایا کہ حضرت عمرؓ کے حصہ میں آنے والی چادر سے قمیص نہ تیار ہو سکتی تھی اس لئے میں نے اپنے حصہ کی چادر بھی ان کو دی جس سے قمیص تیار کی گئی۔ آپؓ کی یہ وضاحت سن کر سامع کو اطمینان ہو گیا اور اس نے نہایت ادب و احترام کے ساتھ یہ عرض کی: الآن السمع والطاعة یا امیر المومنین[192] اے امیر المومنین اب آپ کی بات دل و جان سے تسلیم کی جائے گی۔

حضرت عثمانؓ نے امن کے قیام کے لئے خلیفہ کے محاسبہ کو بھی امت کا حق قرار دیا اور اس حق کی نشاندہی فرماتے ہوئے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ جو شخص امیر المومنین منتخب کیا جاتا ہے وہ مطلق العنان بادشاہ نہیں ہوتا بلکہ اس کے ذمہ تمام مسلمانوں کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ اس لئے خلیفہ کے اختیارات صرف دو شرطوں کے ساتھ مقید ہوتے ہیں اور ان شرائط کی پاسداری کرتے ہوئے اس کے اعمال کو پرکھا جاتا ہے

۱۔ خلیفہ کو چاہئے کہ تمام احکامات اور اعمال و افعال میں کتاب و سنت کی پیروی کرئے اور کسی بھی صورت کتاب و سنت کی مخالفت نہ کرے اور اسے چاہئے کہ اس کا ہر عمل کتاب و سنت کے مقاصد سے ہم آہنگ ہو۔

۲۔ امت اسلامیہ کا جس بات پر اجماع و اتفاق ہو اس سے اختلاف نہ کرے اور نہ ہی اس دائرے سے باہر نکلے۔ چونکہ خلیفۃ المسلمین امت محمدیہ کی نیابت کرتا ہے اور انہیں کی طرف سے اس کا انتخاب عمل میں آیا ہوتا ہے اس لئے اسے بھی چاہیئے کہ امت کے متفقہ امور سے سر مو انحراف نہ کرئے اور اس کے تمام افعال و اعمال امت کے مصالح اور احکام الٰہی کے نفاذ کے گرد گھومتے ہوں۔[193]

---

190 العشرۃ المبشرون، ابو بکر الصدیق، ص ۲/۴۵

191 الطبرانی، حافظ ابو القاسم سلیمان بن احمد بن ایوب، المعجم الکبیر للطبرانی، باب ام الحصین الاحمسیہ، مترجم، غلام دستگیر چشتی، پروگریسو بکس، صفحہ ۲۵/۱۵۸

192 ایضاً

193 فتحی عبد الکریم، الدولۃ والسیادۃ، صفحہ ۲۶۸

لیکن خلفاء راشدین کے مطابق امیر المومنین کے باقعدہ احتساب کے لئے یہ امر ضروری ہے کہ اس کا احتساب باقاعدہ مجلس شوریٰ کے ذریعہ کیا جائے اور اسی کے فیصلہ کے مطابق خلیفہ وقت کی بھی سرزنش کی جائے اگر اس کے کسی عمل میں غلطی پائی جائے۔

گورنروں اور مناصب پر موجود ذمہ داروں کا احتساب: کسی بھی حکومت کا قانون اور آئین اگرچہ کتنا ہی منظم اور مرتب کیوں نہ ہو اور ہر طرح کے سقم سے خالی کیوں نہ ہو اگر ذمہ داروں کی پوچھ گچھ اور ان کی نگرانی نہ ہو تو وہ نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خلفاء راشدین اس کا باقاعدہ اہتمام کیا کرتے تھے۔ اور اپنی فطری نرمی اور دوسروں کے عیبوں پر پردہ ڈالنے کی جبلت کے باوجود انتظامی معاملات میں کسی سے ذرہ برابر بھی چشم پوشی نہ کی جاتی تھی۔ اور جب کبھی کسی بھی منصب پر موجود کوئی شخص ایسا کام کرتا ہے اس کے شایان شان نہ ہوتا تو اس کی سرزنش کی جاتی۔ جنگ یمامہ میں مسیلمہ کذاب کے ہاتھوں دھوکے اور فریب کی وجہ سے بہت سے مسلمانوں کو نقصان پہنچا تھا اور مسیلمہ کے سپہ سالار جس کا نام مجاحہ حنفی تھا اس نے مسیلمہ کا سارا لشکر دھوکہ دھی سے مسلمانوں سے بچا لیا۔ لیکن حضرت خالد بن ولیدؓ نے فتح کے بعد اس کی بیٹی سے شادی فرمالی اور اس کو اس کی غداری کی سزا نہ دی جس پر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ان کی سرزنش کی اور یوں ارشاد فرمایا:

"تتوثب على النساء وعند اطناب بيتك دماء المسلمين"[194]

ترجمہ: کیا تم عورتوں کے ساتھ شادی کرنے میں مصروف ہو جب کہ آپ کے خیمہ کی کھونٹی کے پاس ابھی تک مسلمانوں کا خون موجود ہے

حضرت عمرؓ جب کسی بھی عامل کو کسی علاقہ کے لئے منتخب فرماتے تو اس کے لئے ایسے تمام امور منع فرمادیتے جو ہر عام مسلمان نہ کر سکتا ہو اور اس کا فائدہ یہ ہوتا تھا کہ عام مسلمانوں کو اپنے حقوق کا حصول آسان رہتا تھا اسی غرض سے وہ عاملین سے یہ عہد لیتے تھے کہ ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہوں گے۔ باریک کپڑے نہ پہنیں گے۔ دروازے پر دربان نہ رکھیں گے۔ چھنا ہوا آٹا جو عوام کی دسترس سے باہر ہو وہ نہ کھائیں گے۔ اہل حاجت کے لئے ہر آن اپنی چوکھٹ کھلی رکھیں گے۔[195] اس کے ساتھ ساتھ جو بھی کسی منصب پر مقرر کیا جاتا تھا اس کے مال اور اسباب کی فہرست تیار کر کے محفوظ کر لی جاتی تھی اور اگر کسی عامل کے مال میں غیر معمولی اضافہ ہوتا تو اس کی چھان بین کی جاتی تھی اور اگر کسی طرح کا کھوٹ نظر آتا تو اس حوالے سے سرزنش کی جاتی تھی۔ موسم حج میں عام اعلان تھا جس شخص کو کسی عامل سے شکایت ہو وہ فورا بارگاہ خلافت میں شکایت لے کر حاضر ہو اور پھر بارگاہ خلافت سے ان شکایات کی چھان پرکھ کے بعد ان شکایات کی فوری طور پر ازالہ کیا جاتا تھا۔ اس حوالے سے بہت سے واقعات ملتے ہیں لیکن ہمارے موضوع کے وثوق کے لئے کچھ واقعات بھی کافی ہونگے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ بصرہ کے گورنر تھے۔ ان کے حوالے سے دربار خلافت میں شکایات موصول ہوئیں کہ انہوں نے اسیر ان جنگ میں سے ساٹھ رئیس زادے اپنے لئے منتخب کر کے رکھ دئے ہیں اور اس کے علواہ بھی بہت سی شکایات پہنچائی گئی۔ حضرت عمرؓ نے ان سے اس بابت سوال کئے جن کا انہوں نے تسلی بخش جواب دیا اور ان کو ان کے عہدے پر برقرار رکھا گیا۔

---

[194] الیعقوبی، احمد ابن ابی یعقوب جعفر، تاریخ الیعقوبی، مترجم، مولانا اختر فتح پوری جلد ۲ صفحہ ۱۴۸

[195] الطبری، محمد ابن جریر، ابو جعفر، علامہ تاریخ الامم والملوک، تاریخ طبری، نفیس اکیڈمی اردو بازار کراچی، مترجم، ڈاکٹر محمد صدیق ہاشمی، ص ۳/ ۲۴۷

"ایک مرتبہ حضرت ابی ابن کعبؓ جو بڑے مرتبہ کے صحابی تھے جب مجلس سے اٹھ کے واپس ہوئے تو لوگ بھی ادب کے لئے ساتھ چلنے لگے۔ حضرت عمرؓ کا ان کے پاس سے گزر ہوا تو یہ حالت دیکھ کر ان کو ایک کوڑا مارا حضرت ابی ابن کعبؓ نے وجہ دریافت فرمائی تو انہوں نے فرمایا:""اما تریٰ فتنة للمتبوع و مذلةً للتابع[196]"

ترجمہ: کیا آپ کو معلوم نہیں کہ یہ عمل جس کی اتباع کی جاتی ہے اس کو فتنہ میں ڈال دینے والا ہے اور اتباع کرنے والوں کو ذلت میں ڈال دیتا ہے۔ حضرت عثمانؓ بھی عمال کی باقاعدہ بگرانی کیا کرتے تھے اور ملکی معاملات میں احتساب اور نکتہ چینی کا اپنا شیوہ بنالیا تھا۔ ولید بن عقبہ نے ایک مرتبہ بادہ نوشی کی تو اسے معزول کر کے سر عام حد جاری فرمائی۔ حضرت عثمانؓ کی طرف سے نگرانی کا یہ طریقہ کار تھا کہ احوال کی دریافت کے لئے دربار خلافت سے وفود جاری کئے جاتے تھے جو تمام ممالک محروسہ کا دورہ کرتے اور عمال کے طرز عمل اور رعایا کی حالت کا اندازہ لگاتے تھے۔ اسی طرح ہر جمعۃ المبارکہ کو منبر پر تشریف لاتے تو خطبہ ارشاد فرمانے سے قبل لوگوں سے اطراف کے احوال معلوم فرماتے۔ اور تمام ممالک میں یہ اعلان تھا کہ کسی کو بھی کسی منصب والے سے شکایت ہو اور اس کی سنوائی نہ ہو پا رہی ہو تو دربار خلافت میں شکایت پہنچائے۔ اور حج کے موقع پر عمومی طور پر تمام عمال بھی طلب کئے جاتے تھے تاکہ شکایات کا ازالہ کیا جاسکے۔ حضرت علیؓ کا بھی یہی طرز عمل تھا۔ اور وہ صاحبین مناصب اور عمال کی ہمیشہ خبر گیری کیا کرتے تھے۔

احتساب کے لئے باقاعدہ ایک محکمہ کی بنیاد: حضرات خلفاء راشدین کے زمانہ میں ایک صیغہ یہ بھی تھا جس کے ذمہ بازاروں اور علاقوں کی خبر گیری کرنا ہوتا تھا۔ اس کے ذمہ ہوتا تھا کہ بازار میں مال درست حالت میں پہنچے بائع و مشتری کے نزاع کیصورت پیدا نہ ہو اور اس طرح کے تمام معاملات اسی محکمہ ذمہ ہوتے تھے۔ حضرت عثمانؓ معاشرتی امن کی خاطر اپنے رشتہ داروں کی بھی پرواہ نہ کرتے تھے جرثین الحکم آپ کا چچازاد بھائی بھی تھا اور داماد بھی تھا۔ آپؓ نے ان کے ذمہ یہ کام لگایا تھا کہ بازاروں میں معاشی استحصال کی روک تھام کی جائے۔ اشیاء خرید و فروخت کی قیمتوں کو متناسب کیا جائے۔ دوکانداروں کے پیمانوں اور باٹوں کا موازنہ کیا جائے۔ جب حضرت عثمانؓ کو معلوم ہوا کہ جرثین اپنی ذمہ داری خوش اسلوبی سے نہیں نبھا رہے تو اتنی قریبی رشتہ داری کے باوجود ان کو معزول فرما دیا۔ حضرت علیؓ نے جب کعبؓ بن مالک کو ان کی خدمت پر معمور فرمایا تو یہ نصیحت فرمائی:

"اخرج فی طائفة من اصحابک حتیٰ تمر بارض السواد کورة فتسالهم عن عمّالهم و تنظر فی سیرتهم"[197]

حضرت علیؓ کی بازپرس سے ان کے اعزاء و اقرباء بھی مستثنیٰ نہ تھے ایک مرتبہ ان کے چچازاد بھائی حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے جو کہ بصرہ کے عامل تھے بیت المال سے ایک بیش بہار قم لی آپؓ نے ان کی سرزنش فرمائی اور وہ مکہ تشریف لے گئے۔[198]

عہدیداران مملکت کے تقرر میں جوہر شناسی اور عصبیت سے بچاو: حضرات خلفاء راشدین کا یہ عمل تقلید کا باعث تھا کہ وہ ملکی معاملات میں جب کسی کا تقرر فرماتے تو اس میں اس کی اہلیت اور اس کام کے کرنے کی صلاحیت دیکھی جاتی تھی اور جو بھی شخص کسی کام کیلئے زیادہ مناسب لگتا تھا اسی کو اس کے لئے منتخب کیا جاتا تھا۔ اس حوالے سے شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ اپنی نابغہ روزگار کتاب السیاسۃ الشرعیہ میں لکھتے ہیں۔

---

[196] الدارمي، عبداللہ بن عبدالرحمن، مترجمہ، بنت حافظ عبدالستار حماد، سنن دارمی، انصار السنۃ پبلیکیشنز لاہور

[197] قاضی امام ابویوسف، کتاب الخراج،، مترجم نیاز احمد اوکاڑوی، مکتبہ رحمانیہ لاہور ص، ۲۶۷

[198] قاضی امام ابویوسف، کتاب الخراج،، مترجم نیاز احمد اوکاڑوی، مکتبہ رحمانیہ لاہور ص صفحہ ۶۰

"فیجب علی ولیّ الامر ان یولی علی کل عمل من اعمال المسلمین اصلح من یجده لذالک العمل قال النبی ﷺ من ولی من امر المسلمین شیا فولّی رجلاً و هو یجد من هو اصلح للمسلمین منه فقد خان الله و رسوله"[199]

ترجمہ: مسلمانوں کے ولی الامر یعنی حاکم پر یہ بات لازم ہے کہ مسلمانوں کے کسی امر کا جب کسی کو والی یا نگران مقرر کرے تو ایسے شخص کا انتخاب کرے جو اس کام میں سب سے زیادہ مہارت رکھتا ہو کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص مسلمانوں کا امیر ہو یا کسی معاملے کا نگران ہو اور وہ کسی ایسے معاملے میں جو مسلمانوں سے متعلق ہو ایسے شخص کو منتخب کرے کہ اس سے بہتر آدمی اس حوالے سے اس کے پاس موجود ہو تو اس شخص نے اللہ اس کے رسول ﷺ اور مسلمانوں کے ساتھ خیانت کی ہے۔

حضرات خلفاء راشدین نے کبھی بھی کسی بھی شخص کو کوئی عہدہ اس کی قرابت یا اس سے دوستی کی وجہ سے نہیں سونپا۔ اور اس بات کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حق میں عظیم خیانت سمجھا جاتا تھا کہ کسی نااہل کو محض اپنائیت کے سبب نوازہ جائے۔ حضرت عمرؓ کا ارشاد مبارک ہے:

"من استعمل رجلاًبمودّة او قرابة لا یستعمله الا لذالک فقد خان الله و رسوله والمومنین"[200]

حضرت عمرؓ کا جب انتقال ہونے لگا تو لوگوں نے عرض کیا کہ یا امیر المومنین عبداللہ بن عمرؓ کو خلیفہ منتخب فرما دیجئے وہ اس کے اہل بھی ہیں اور سب ان سے راضی بھی ہیں۔ آپؓ نے فرمایا کہ خاندان فاروقی میں ایک شخص کا یہ بار اٹھا لینا کافی ہے اور پھر باقاعدہ یہ ارشاد فرمایا"لیس له من الامر شی" یعنی ان کو امیر المومنین ہونے سے کوئی تعلق اور واسطہ نہ ہونا چاہیے۔[201] حضرت عمرؓ نے جب بیت المال کا باقعدہ رجسٹر مقرر فرمایا اور اس میں لوگوں کے نام لکھے جانے لگے تو قبیلہ عدی کے لوگ آپؓ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے کہ ائے عمرؓ آپ رسول اللہ ﷺ کے نائب اور حضرت ابو بکرؓ کے جانشین ہیں تو اپنا نام امیر المومنین ہونے کی وجہ سے شروع میں کیوں نہیں لکھتے۔ (عدی والے آپ کے خاندان کے لوگ تھے) حضرت عمرؓ نے فرمایا تم لوگ صرف یہ چاہتے ہو میری وجہ سے تمہارا نام بھی پہلے آجائے اور تم بھی پہلے حصہ دار بن جاو۔ خدا کی قسم جب تک تمہاری باری نہ آجائے تمہارا نام نہ لکھ اجائے گا اگرچہ تمہارا نام سب سے آخر میں کیوں نہ چلا جائے۔[202] حضرت عمرؓ کے غلام اسلمؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے پاس نو پیالے تھے جب بھی کبھی ان کے پاس کوئی عمدہ چیز آتی یا پھل آتا تو اولا ان پیالوں میں ازواج النبی ﷺ کا حصہ لگاتے اور اپنی بیٹی حضرت حفصہ کا حصہ سب سے آخر میں رکھتے تھے فان کان النقصان کان فی حقها اگر کسی کے حق میں کمی ہوتی اس چیز کے کم ہونے کی وجہ سے تو وہ حضرت حفصہ کے حق میں ہوتی تھی اور دوسروں کے حق میں کمی نہ آنے دیتے[203]

حضرت عثمانؓ معاشرتی امن کی خاطر اپنے رشتہ داروں کی بھی پرواہ نہ کرتے تھے جرثین الحکم آپ کا چچا زاد بھائی بھی تھا اور داماد بھی تھا۔ آپؓ نے ان کے ذمہ یہ کام لگایا تھا کہ بازاروں میں معاشی استحصال کی روک تھام کی جائے۔ اشیاء خرید و فروخت کی قیمتوں کو متناسب

---

[199] ابن تیمیہ، شیخ الاسلام، امام، السیاسۃ الشرعیہ، حکمران، بیوروکریسی اور عوام، دائرہ نور القرآن اردو بازار کراچی صفحہ ۱۸۷

[200] ابن تیمیہ، شیخ الاسلام، امام، السیاسۃ الشرعیہ، حکمران، بیوروکریسی اور عوام، دائرہ نور القرآن اردو بازار کراچی صفحہ ۱۸۷

[201] ابن قتیبہ، ابراہیم بن قتیبہ، الامامۃ والسیاسۃ ج ا ص ۴۴

[202] البلاذری، احمد بن یحیٰ بن جابر، فتوح البلدان، مترجم، ابوالخیر مودودی، مکتبہ تخلیقات لاہور، ۲۰۱۰ صفحہ ۴۵۰+ الماوردی، امام ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب بصری، الاحکام السلطانیہ ترجمہ مولوی سید محمد ابراہیم، نفیس اکیڈیمی کراچی ص ۲۲۱

[203] ابو نعمان سیف اللہ خالد، سیرت عمرؓ، دارالاندلس، کراچی، صفحہ۔۵۸

کیا جائے۔ دوکانداروں کے پیمانوں اور باٹوں کا موازنہ کیا جائے۔ جب حضرت عثمانؓ کو معلوم ہوا کہ جرثین اپنی ذمہ داری خوش اسلوبی سے نہیں نبھارہے تو اتنی قریبی رشتہ داری کے باوجود ان کو معزول فرمادیا۔

حضرت علیؓ نے جب مسند خلافت سنبھالی تو بہت سے فتنے سر اٹھا چکے تھے بہت سے اطراف میں عمال کی طرف سے اور کہیں عوام کی طرف سے فتنہ اور بغاوت کا سامنا تھا۔ حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کے مقرر کردہ بہت سے عمال کو معزول فرماء دیا اور اسی سلسلے میں عبداللہ بن ابی سرحؓ کو بھی معزول فرماء دیا اور مصر کی ولایت ان کے بجائے قیس بن سعدؓ کو عطاء فرمائی۔ پھر آپ کی رائے ہوئی تو ان کی جگہ محمد بن ابو بکرؓ کو مصر روانہ کیا۔ اور پھر ان کی مدد کرنے کے لئے اشتر نخعیؒ کو بھیجا جو کہ راستے میں ہی انتقال فرماء گئے۔ ان واقعات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اصل مدعا کسی کے انتخاب میں اس کا اس کام کا اہل ہونا ہوتا تھا۔

دیگر فتنہ کے اسباب کی روک تھام: خلفاء راشدین نے صرف عمال اور اہل مناصب کی ہی نگرانی نہ کی بلکہ ان تمام اسباب کو دور فرماء دیا جو کہ فتنہ کا سبب بن سکتے ہیں ۔ ہوا پرستی، آوارگی، شراب نوشی اور اس طرح کی فضولیات میں پڑنے والوں کی سختی سے سرزنش فرمائی۔ شعر وشاعری اور اس کے ذریعے دوسروں کی ہجو کرنا عرب میں عام اور معمولی مذاق تھا۔ حضرات خلفاء راشدیین نے اس کو سختی سے بند کر دیا۔ حطیہ عرب کا مشہور ہجو گو شاعر تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس کو قید کر دیا اور اسی شرط پر اس کو رہائی ملی کہ اس کے بعد کبھی بھی ہجو گوئی نہ کرئے گا[204]۔ شعر وشاعری میں فحش گوئی اور غلیظ زبان کا استعمال کرنے پر انتہائی سختی برتی جاتی تھی۔ شعراء کو عشقیہ اشعار میں عورتوں کا نام لینے پر پابندی لگادی گئی۔ حضرت عمرؓ کو اس بات کا بہت خیال تھا کہ عوام سادگی کو چھوڑ کر عیش وعشرت میں نہ پڑ جائیں ۔ افسروں کو بطور خاص اس بات کا پابند کیا جاتا تھا کہ ایسے لباس نہ پہنیں جن سے عیش وعشرت جھلکتی ہو اور ایسے لباس پہننے سے ممانعت فرمائی جو غیر مسلموں کا شعار ہو۔

ابن سعد صحیح سند سے روایت کرتے ہیں کہ سیدنا عمرؓ کو اطلاع ملی کہ کچھ لوگ بیعت رضوان والے درخت کے پاس آتے ہیں اور وہاں نماز ادا کرتے ہیں حضرت عمرؓ کو ان کے اس عمل میں فتنہ کا ندیشہ گزرا لہذا ان لوگوں کو ڈانٹ دیا۔ لیکن جب یہ محسوس ہوا کہ یہ نہ ہو لوگ اس کی تعظیم میں حد سے تجاوز کر جائیں انہوں نے اس فتنہ کے سد باب کے لئے وہ درخت ہی کٹوا دیا۔[205] اسی طرح جب لوگوں کے پاس مال و دولت کی فراوانی ہوگئی اور ضرورت اصلیہ سے زائد مال بھی حاصل ہو گیا تو عوام میں کبوتر بازی اور پرندوں اور جانوروں کے لڑانے کا شوق پیدا ہوا حضرات خلفاء راشدین نے اس عمل کی ممانعت فرمائی اور ایسے جانوروں اور کبوتروں کے زبح کا حکم دیا گیا جن کا مقصد آپس میں لڑائی اور کھیل تماشہ ہو کیونکہ ایسے اعمال سے معاشرے میں لڑائی جھگڑے پروان چڑھتے ہیں جو کہ بعض اوقات بڑی لڑائیوں کا بعث بھی بن سکتے ہیں۔

پولیس کا محکمہ اور معاشرتی امن میں اس کی اہمیت: حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف لانے کے بعد اور میثاق مدینہ کے وجود میں آنے کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی اسلامی مملکت کے کے تمام اختیارات کا مرکز اور منبع تھے۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں آپ ﷺ نے وہ تمام امور سرانجام دیئے یا اپنے عاملین کے ذریعے ان کی پیروی کروائی جو کہ کہ

---

[204] عزالدین بن الاثیر ابوالحسن علی بن محمد الجزری، أسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، تذکرہ زبرقان، صفحہ ۳۰۸

[205] علی الطنطاوی، وناجی الطنطاوی، اخبار عمر واخبار عبداللہ ابن عمر الطبعۃ الثامنہ، المکتب الاسلامی، بیروت، صفحہ ۳۲۱

شعبہ پولیس کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ مبارکہ میں کئی مرتبہ بازار کا گشت فرمایا۔ اور فروخت کی جانے والی اشیاء کا معائنہ فرمایا۔ اور دھوکے اور فریب سے منع فرمایا۔ اسی طرح کئی مرتبہ جب کسی شخص سے جرم سرزد ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہ عنہ اسے پکڑ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا کرتے تھے۔ ایسی متعدد احادیث ہیں جن میں یہ الفاظ ہیں کہ فلاں شخص نے کوئی جرم کیا اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے نے اسے پکڑ کر کر بھی اکرم صلی وسلم کی خدمت میں لایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق ارشاد فرمایا خذوا علی یدیہ یعنی اس کے ہاتھ پکڑ لو۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سارے جرائم پر پر قید اور حبس کا حکم پر فرمایا جیسے کہ قرض کی عدم ادائیگی یا قرض کی ادائیگی میں ٹال مٹول کرنے پر بھی قید کرنے کی سزا دی یا دینے کا حکم فرمایا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس بات کا خاص خیال رکھنے کی تاکید فرمائی کہ جب تک جرم ثابت نہ ہو جائے اس وقت تک مار پیٹ نہ کی جائے۔ اس حوالے سے نبی اکرم ﷺ کی بہت سی احدیث ملتی ہیں۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"عن عمرو بن الثرید عن ابیه عن رسول الله ﷺ قال الواجد یحل عرضه وعقوبته قال ابن المبارك یحل عرضه یغلط علیهم عقوبته یحبس له"[206]

ترجمہ: حضرت عمر بن ثرید اپنے والد سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مالدار آدمی کا قرض ادا نہ کرنا اس کی عزت اور سزا کو حلال کر دیتا ہے۔

اس حوالے سے ابن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں کسی مالدار کی عزت کے حلال کرنے سے مراد یہ ہے کہ اسے برا بھلا کہا جا سکتا ہے اور اس سے مراد قید کی سزا ہے[207]

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں پولیس کی ڈیوٹیاں یا اور قیام امن کے لیے لوگوں کو دوسروں کے حقوق کی ادائیگی کے لیے تاکید کرنا اور لوگوں کو دوسروں کے ساتھ اچھا برتاو کرنے کا حکم اور حقوق کی ادائیگی اور ظلم اور جبر سے بچانے کے لیے لیے مجبور کرنا اور اس کے عدم کی صورت میں سزا دینے کی صورت یں بھی ملتی ہیں۔

حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ تعالی عنہ کے زمانہ مبارک میں معاشرتی امن کے لئے بہت سارے اقدامات کیے گئے۔ ان اقدامات میں سے ایک بہترین اقدام پولیس کے شعبہ کا قیام تھا۔ خلافت راشدہ کے ابتدائی دور یعنی حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ کے دور مبارک میں معاشرتی امن کے لیے اور معاشرے کی برائیوں کے تدارک کے لیے خلیفہ وقت اور صوبوں کے والی از خود خود کوشش کیا کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں باقاعدہ طور پر امن کو قائم رکھنے کے لیے اور معاشرے کو پر امن بنانے کے پولیس کے محکمہ کی ابتدا کی. حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت ہی جہاں بین اور مدبر حکمران تھے۔ انہوں نے اسلامی حکومت کی نظام مملکت میں ایسے کارنامے سرانجام دیئے جن میں بہت ہی جامعیت اور ہمہ گیری پائی جاتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے حکومت اور نظام حکومت کے لیے ہر پہلو میں ایسے کارنامے سرانجام دیئے کہ تاریخ عالم میں ان کی کوئی مثال نہیں ملتی حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ پہلے خلیفہ ہیں جن کے عہد میں پولیس کا محکمہ وجود میں آیا اور اس پولیس کے لیے "شرطہ" کا لفظ استعمال

---

[206] السجستانی، سلیمان بن الاشعث، سنن ابی داود، کتاب الجهاد، باب فی صلح العدو، رقم الحدیث ۲۱۱۰

[207] السجستانی، سلیمان بن الاشعث، سنن ابی داود، کتاب الجهاد، باب فی صلح العدو، حاشیۃ سنن ابو داود، ۳/۱۱۱

کیا جاتا تھا اور پولیس کے بڑے ذمہ دار کو "صاحب الاحداث" کہا جاتا تھا۔ اس صیغہ میں عہد خلفائے راشدین رضی اللہ تعالی عنہ میں مزید ترقی ہوئی اور حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کے دور خلافت میں شرطہ یا صاحب احداث کے تحت کام کرنے والا محکمہ بہت ہی وسیع پیمانے تک پھیل گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے زمانہ مبارک میں حضرت عبداللہ بن مسعود ایک صوبے کے حامل تھے جب انہیں ایک جرم کی اطلاع ملی تو انہوں نے فوراشرطہ کو مجرمین کو گرفتار کر کے ان کے سامنے پیش کرنے کے لیے روانہ کر دیا اس حوالے سے معیر السعدی کی روایت نقل کی جاتی ہے:

"وعن ابي وائل عن معير السعيدي قال خرجت اسقيني فرسا لي في السحر فمررت بمسجد بني حنيفه وهم يقولون ان مسيلمه رسول الله فاتيت عبد الله ابن مسعود فاخبرته فبعث الشرطه فجاءوا بهم فاستتابهم فتابوا فخلى سبيلهم وضرب عنق عبد الله بن نواحه فقالوا اخذت قوما في امرئ واحد وقتلت بعضهم وتركت بعضهم قال اني سمعت رسول الله ﷺ وقدم عليه هذا وابن اسال ابن حجر فقال اتشهد اني رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال نشهد ان مسيلمه(كذاب) رسول الله فقال النبي ﷺ امنت بالله ورسله ولو كنت قاتلا وفدا لقد لقتلته كما قال فقال عبد الله ابن مسعود فلذا قتلته"[208]

ترجمہ: معیر السعدی سے مروی ہے کہ میں صبح سویرے اپنے گھوڑے کو پانی پلانے کے لیے نکلا۔ تو میرا گزر مسجد بنی حنیفہ کے پاس سے ہوا میں نے دیکھا کہ لوگ وہاں ایک دوسرے سے اس طرح کی باتیں کر رہے تھے کہ "معاذاللہ مسیلمہ بھی اللہ کا رسول ہے" ۔ اس بات پر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس آیا جو کہ اس صوبہ کے گورنر تھے اور انہیں یہ سب بتلایا۔ انہوں نے فورا پولیس (الشرطہ) کو بھیجا اور وہ ان سب لوگوں کو گرفتار کر کے لے آئے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ نے ان سے توبہ کروائی تو انہوں نے توبہ کر لی۔ ان کی توبہ کی وجہ سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ نے ان کو چھوڑ دیا ان میں ایک عبداللہ بن نواحہ نامی شخص بھی تھا جس کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ نے قتل فرما دیا۔ اس پر کچھ لوگوں نے کہا کہ آپ نے ایک ہی معاملے میں کچھ لوگوں کو گرفتار کیا اور کچھ لوگوں کو چھوڑ دیا اور کسی کو قتل کر دیا۔ اس حوالے سے فرمایا کہ ایک مرتبہ یہ شخص یعنی عبداللہ بن رواحہ اور ایک اور شخص ابن اثال بن حجر حضرت نبی اکرم ﷺ کے پاس وفد بن کر آئے، رسول اللہ سلم نے جب ان دونوں سے پوچھا کہ کیا تم گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں تو انہوں نے انکار کیا تھا اور مسیلمہ کو اللہ کا رسول کہا تھا اس پر حضرت نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میں اللہ پر بھی اللہ کے رسولوں پر بھی ایمان رکھتا ہوں اور اگر میں کسی وفد کو قتل کرنے والا ہوتا تو میں تم دونوں کو قتل کر چکا ہوتا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ اس شخص کو اسی وجہ سے میں نے قتل کر دیا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے زمانے میں پولیس کا محکمہ مکمل طور پر فعال تھا اس محکمہ کی ذمہ داریوں ہے ہیں معاشرے میں امن کا کام کرنا اور فتنوں کی سرکوبی اہم ذمہ تھا۔ علامہ شبلی نعمانی رحمہ اللہ اپنی کتاب الفاروق میں تحریر فرماتے ہیں:

> "پولیس کا صیغہ مستقل طور پر قائم ہو گیا تھا اور اس وقت اس کا نام احداث تھا چنانچہ پولیس افسران کو صاحب الاحداث کہا جاتا تھا مختلف شعبوں پر مختلف حضرات کو حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے صاحب الاحداث مقرر کیا تھا بحرین پر حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے حضرت قدامہ بن مظعون اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ کو

---

[208] ابن حنبل، الامام احمد، مسند احمد ابن حنبلؒ، مترجم، مولانا محمد ظفر اقبال، مکتبہ رحمانیہ لاہور ۲۴۵۸۰

اختیارات دے کر بھیجا۔ حضرت قدامہ بن مظعونؓ کا کام تحصیل مالگذاری تھا اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذمہ پولیس کے اختیارات تھے"[209]

خلفائے راشدین رضی اللہ تعالی عنہم کے حوالے سے بہت سی ایسی مثالیں ملتی ہے جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خلفائے راشدین محکمہ احداث کے ان فرائض کو سرانجام دیتے رہے اور ان سے متعلق آپ حضرات نے وقتاً فوقتاً بڑی واضح ہدایات جاری فرمائیں۔ بعض ایسی ہدایات بھی ملتی ہیں جو ترقی یافتہ زمانے میں جدید اصول سمجھی جاتی ہیں۔ جن میں سے ایک اصول یہ ہے کہ مجرم کو پناہ دینا خود ایک جرم ہے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے اس حوالے سے بہت واضح طور پر ممانعت فرمائی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ جرم کے بہت ہی خلاف تھے اور مجرموں کو چاہے وہ کوئی بھی ہو اور کہیں بھی ہو قانون کے تحت لانا اور سزا دینا بہت ہی ضروری سمجھتے تھے۔ اس حوالے سے جب ہم خلفاء راشدین کے اولین خطبات کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ انہوں نے اپنے اولین خطبات میں سب سے پہلی اور ضروری بات جو کہی تھی وہ یہ تھی کہ ہر ایک کو قانون کے کٹہرے میں لایا جائے گا اور ہر ایک کو اس کا حق دیا جائے گا۔ حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ تعالی عنہ اپنے زمانہ خلافت میں راتوں کو گشت کیا کرتے تھے اور لوگوں کے احوال معلوم کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ اسی طرح اس گشت کا مقصد ایک یہ بھی ہوتا تھا کہ مجرموں کا جرم معلوم کیا جاسکے اور مظلوموں کو ظالموں کے ظلم سے بچایا جاسکے۔

جیل خانہ جات کا قیام اور معاشرتی برائیوں کا تدارک: حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ تعالی عنہم میں سے حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کو اس بات کا اعزاز حاصل ہے کہ انہوں نے نے جرم اور مجرموں کی سرکوبی کے لیے باقاعدہ جیل خانہ جات کا قیام فرمایا۔ اور معاشرتی بدامنی اور برائیوں کے تدارک کا اہتمام فرمایا۔ اس حوالے سے علامہ شبلی نعمانی رحمہ اللہ اپنی کتاب الفاروق میں رقمطراز ہیں:

شعبہ احداث میں حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کی بہترین ایجاد یہ ہے کہ انہوں نے جیل خانہ جات بنوائے۔ ورنہ اس سے پہلے عرب میں جیل خانوں کا نام و نشان موجود نہیں تھا اور یہی وجہ تھی کہ سزائیں سخت بھی جاتی تھی حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے سب سے پہلے مکہ معظمہ میں صفوان بن امیہ کا مکان چار ہزار درہم میں خریدا اور اس کو جیل خانے میں تبدیل فرمایا۔ پھر مختلف اضلاع اور صوبوں میں بھی جیل خانہ جات تعمیر کروائے۔ علامہ اقبال بلاذری کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ کوفہ کا جیل خانہ نرسل سے بنا تھا۔ اس وقت تک صرف مجرم قید خانے میں رکھے جاتے تھے اور جیل خانے میں بھجوائے جاتے تھے۔[210] اسی طرح جیل خانہ جات کی تعمیر کے بعد کچھ گناہوں کی سزا میں تبدیلی بھی کی گئی جیسے کہ کہ ابو محجن ثقفی بار بار شراب پینے کے جرم میں پکڑے جاتے تھے اور ان سے شراب تھوڑی نہیں جارہی تھی تو انہوں نے ان کو حد لگانے کے بجائے آئے چھوڑنے تک قید کی سزا دی گئی۔[211] حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کے دور خلافت میں آپ رضی اللہ تعالی عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کی اصطلاحات اور حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے ہی مقرر کردہ افراد کو ہی پولیس کے نگرانی کے لئے مقرر فرمایا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کے زمانہ خلافت میں پولیس کے محکمے

---

[209] الفاروق، علامہ شبلی نعمانی، دارالشاعت کراچی، ص۳۴۹

[210] الفاروق، علامہ شبلی نعمانی، دارالشاعت کراچی، ص۳۴۶

[211] البلاذری، احمد بن یحیٰ بن جابر، فتوح البلدان، مترجم، ابوالخیر مودودی، مکتبہ تخلیقات لاہور ۲۰۱۰، ۱۲۳

نے زیادہ وسعت اختیار کر لی تھی۔ صاحب الشرطہ یا اس کے مقرر کردہ افراد ہر وقت حاضر رہتے اور ہر وقت آپ رضی اللہ تعالی عنہ کے احکام کی تنفیذ کے لیے تیار رہتے تھے۔[212]

"حضرت قیس بن سعد بن عبادہ جو انس رضی اللہ تعالی عنہ کے قول کے مطابق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے صاحب الشرطہ کے درجے میں کام کرتے رہے تھے جب حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ خلیفہ بنے تو انہوں نے حضرت سعد کو مصر میں اپنا امیر مقرر فرمایا۔ حضرت سعد بن عبادہ علی رضی اللہ تعالی عنہ کے عہد خلافت میں امیر لشکر بھی رہے ان کے پاس الشرطہ کے نام سے بارہ ہزار نفری پر مشتمل ایک دستہ تھا جو عسکری مہمات کے علاوہ پولیس کے فرائض بھی سر انجام دیتا تھا۔ یہ دستہ ان کے پاس حضرت علیؓ کی وفات کے بعد بھی باقی رہا۔"[213]

حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کے زمانہ مبارک میں صاحبالشرطہ کے ساتھ ایک اور اصطلاح عامل الشرطہ کی بھی وجود میں آگئی تھی۔ انہوں نے عامل الشرطہ کو بلا کر حکم دیا کہ میں تمہیں وہ کام کہہ رہا ہوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے کرنے کا کہا تھا اس حوالے سے یہ روایت آتی ہے:

"عن حنش الكناني عن علي انه بعث عامل الشرطه فقال له اتدري على ما ابعثك على ما بعثني عليه رسول الله ﷺ ان انحت كله يعني صورة وان اسوي كل قبر"[214]

ترجمہ: خنش الکنانی حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے اپنے عامل الشرطہ کو روانہ فرمایا اور ان سے یہ فرمایا کہ کیا تمہیں معلوم ہے کہ میں تمہیں ایسے فرض کی تکمیل کے لئے بھیج رہا ہوں جس کے لئے رسول اللہ ﷺ نے مجھے بھیجا تھا اور فرض یہ تھا کہ میں تمام مجسمے اور بت توڑ ڈالوں اور قبریں برابر کر دوں۔

عدلیہ (محکمہ قضاء) اور قضاۃ کے تقرر میں اعتدال کا معاشرتی امن میں کردار: حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود ہی قاضی تھے اور خود ہی حکمران بھی تھے۔ کسی بھی قسم کا معاملہ درپیش ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کا فیصلہ فرمایا کرتے تھے۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد خلفائے راشدین میں سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کے زمانے میں خود خلیفہ وقت اور افسران ملکی کسی بھی معاملہ میں بطور قاضی فیصلہ کیا کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے خلیفہ بننے کے بعد صیغہ قضاء کو انتظامی صیغہ سے الگ فرما دیا۔ گویا الگ سے قضاء کا محکمہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نہ کی ہی بدولت مملکت اسلامی میں شامل ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے تمام صوبوں اور اضلاع میں اسلامی عدالتیں قائم فرمائیں اور ان عدالتوں کے قاضی مقرر فرمائے اس کے ساتھ ساتھ قضا کے اصول پر بھی ایک فرمان بھیجا جو موسی اشعری رضی اللہ تعالی عنہ گورنر کوفہ کے نام تھا۔ عدالت کے تمام اصول احکام اس میں درج تھے۔ ہم اس کو بعینہ اس مقام پر درج کرتے ہیں:

"اما بعد فان القضاء فريضة محكمة وسنة متبعة سوّ بين الناس في وجهك ومجلسك وعدلك حتى لا ييأس الضعيف من عدلك ولا يطمع الشريف في جمفك البينه على المدعي واليمين على من انكره والصلح جائز الا

---

[212] عبد المنعم صالح علی، دفاع عن ابی ہریرہ ۱۸۶،

[213] ابن حجر عسقلانی، شیخ الاسلام احمد بن علی، تہذیب التہذیب، تحقیق شیخ عادل احمد عبد الموجود، ادارہ شئون الاسلامی، السعودیہ العربیہ ۳/۱۷۷

[214] ابن حنبل، الامام احمد، مسند احمد ابن حنبلؒ، مترجم، مولانا محمد ظفر اقبال، مکتبہ رحمانیہ لاہور ۱/۱۵۰

صلحا احل حراما او حرم حلالا، لا يمنعك قضاء قضيه بالامس فراجعت فيه نفسك ان ترجع الى الحق الفهم الفهم فيما يختلج في صدرك مما لم يبلغ في الكتاب والسنه واعرف الامثال والاشباع ثم قس الامور عند ذلك واجعل لمن ادعى بينة عمده ينتهي اليه فان احضر بينة اخذت له بحقه والا وجهت القضاء عليه والمسلمون عدول بعضهم على بعض الا مجلودا في حد مجربا في شهاده الزور او طنينا في ولاء او وراثة"[215]

ترجمہ: حمد وصلاۃ کے بعد یہ بات جان لینی چاہئے کہ قضاء اور انصاف کے لئے حکم بننا ایک محکم فریضہ اور ایک ایسی سنت ہے جس کی اتباع کی جاتی ہے۔ لوگوں کو اپنے حضور میں، اپنی مجالس میں اور اپنے انصاف میں برابر رکھو تاکہ ایسے لوگ انصاف سے مایوس نہ ہو جائیں جو معاشرے میں کمزور سمجھے جاتے ہیں۔ اور رعایت کی امید رکھنے والے کو تمہاری رورعایت کی امید پیدا نہ ہو جائے۔ مدعی یعنی کسی امر کا دعوی کرنے والے پر ثبوت پیش کرنا لازم ہے۔ اور جو شخص اس دعوے کا انکار کرنے والا ہو اس پر قسم پیش کرنا لازم ہے۔ صلح ہر صورت میں جائز ہے سوائے اس صورت کے جس کی وجہ سے حرام حلال نہ ہو جائے اور حلال حرام نہ ہو جائے۔ کل اگر تم نے کوئی فیصلہ کیا ہے تو آج غور کرنے کے بعد اس سے رجوع کر سکتے ہو۔ جس مسئلہ میں شبہ ہو اور قرآن اور حدیث میں اس کا ذکر موجود نہ ہو تو اس کے اندر خود اجتہاد اور غور و فکر کرو اور پھر سے غور و فکر کرو اور اس کی مثالوں اور اس جیسے نظیروں پر خیال کرو پھر قیاس کرو۔ جو شخص دلیل پیش کرنا چاہ رہا ہو تو اس کے لیے ایک ایسا معیاد یا وقت مقرر کر دو کہ وہ ثبوت حاصل کر کے پیش کر سکیں۔ پھر اگر وہ ثبوت لے آئے تو اس کو اس کا حق دلا دو وگرنہ مقدمہ خارج کر دو۔ مسلمان سارے کے سارے عادل اور ثقہ ہیں سوائے ان کے کہ جن کو حد قذف میں سزا دی گئی ہو یا جنہوں نے جھوٹی گواہی دی ہو یا ولاء اور وراثت میں مشکوک ہو چکے ہوں۔

حضرت عمرؓ کے اس فرمان عالی شان سے ہمیں قضاء کے متعلق بہت سے امور سیکھنے کو ملتے ہیں۔ جو ذیل میں ذکر کئے جاتے ہیں۔

۱۔ قاضی کو بحیثیت قاضی اپنی نشست و برخاست میں تمام لوگوں کے ساتھ یکساں سلوک کرنا چاہیئے۔

۲۔ جو شخص دعویٰ کرتا ہے یعنی مدعی ہوتا ہے اس کے ذمہ ثبوت پیش کرنا لازم ہوتا ہے۔

۳۔ جس کے خلاف دعویٰ کیا گیا ہے اگر اس کے پاس ثبوت یا دلیل نہیں ہے تو اس کے ذمہ قسم کھانا لازم ہے۔

۴۔ مدعی اور مدعاعلیہ ہر حالت میں صلح کر سکتے ہیں سوائے اس صورت کے جو قانون اسلام کے خلاف ہو اس میں صلح نہیں ہو سکتی۔

۵۔ قاضی خود اپنی مرضی سے ایک مقدمہ کر لینے کے بعد اگر اس مقدمے میں کوئی تبدیلی کرنا چاہے کر سکتا ہے۔

۶۔ مقدمہ میں پیش ہونے کے لئے ایک تاریخ متعین ہونی چاہیے جس میں مدعی اپنی بینہ پیش کر سکیں۔

۷۔ جو تاریخ قاضی کی طرف سے مقرر کی گئی ہو اس پر اگر مدعاعلیہ / منکر حاضر نہ ہو سکے تو مقدمہ کا یک طرفہ فیصلہ کر دیا جائے گا۔

۸۔ ہر مسلمان اس بات کا اہل ہے کہ وہ گواہی دے سکے سوائے اس کے جو سزا یافتہ مجرم ہوں جس کا جھوٹی گواہی دینا ثابت ہو وہ قابل شہادت نہیں۔

---

[215] ابو عمر احمد بن محمد بن عبد ربہ بن سالم القرطبی، عقد الفرید، قاہرہ، جلد ۱، صفحہ ۱۰۳، ۱۰۲

حضرات خلفاء راشدین کے قضاۃ کو نصائح اور امن عامہ کی تلقین: حضرات خلفاء راشدین نے قضاۃ کے تقرر کے بعد ان کو نہایت عمدہ نصائح فرمائے جو کہ امن عامہ کے قیام میں نہایت ہی مددگار اور معاون ہو سکتے ہیں۔ خلفاء راشدین کے مختلف قضاۃ کو بھیجے گئے خطوط اور نصائح کو اختصار کی غرض سے یکجا کیا جاتا ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو نصیحت کرتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا:

"الزم اربع خصال يسلم لك دينك وتحظ بافضل حظك

١ اذا حضر الخصمان فعليك البينات العدول اوالايمان القاطعة

٢ثم اذن للضعيف حتى ينبسط لسانه ويجتري قلبه

٣ وتعاهد الغريب، فانه اذا طال حبسه ترك حاجته وانصرف الى اهله

٤واحرص على الصلح ما لم يبين لك القضاء[216]"

ترجمہ: اگر تم چار عادتوں کو خوب پختگی کے ساتھ اپنالو گے تو تمہارا دین بھی سلامت رہے گا اور تم اپنی قسمت کے بہترین حصے فیضیاب بھی ہو سکو گے۔

۱۔ جب فریقین تمہارے پاس آجائیں تو تم صرف ایسے ثبوت پر جو عادلانہ ہو یا پختہ قسموں پر ہی فیصلہ کرو

۲۔ جو شخص کمزور ہو اس کو بولنے کی اجازت دو تاکہ اس کی زبان کھلے اور اس کے دل میں جرات پیدا ہو سکے

۳۔ غریب الوطن یعنی پردیسی کا خیال رکھو اس لیے کہ اگر وہ اگر اس کو زیادہ انتظار کی وجہ سے ٹھہرنا پڑا تو آپ کو ادھورا چھوڑ کر اپنے گھر کی طرف واپس آجائے گا

۴۔ جب تک سماعت مکمل ہو جانے کی وجہ سے فیصلہ واضح نہ ہو جائے اس وقت تک فریقین کے مابین مصالحت کی بھرپور کوشش کرتے رہو۔

حضرت شریح کو نصیحت کرتے ہوئے حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا:

"عن شريح ان عمر ابن الخطاب ﷺ كتب اليه ان جاءك شيء في كتاب الله فاقض به فان جاءك ما ليس في كتاب الله فانظر سنة رسول الله ﷺ فاقض بها فان جاءك ما ليس في كتاب الله ولم يكن في سنة رسول الله ولم يتكلم فيه احد قبلك فاختاري امرين شئت ان تجتهد برايك ثم تقدم وان شئت تتاخر فتاخر ولا ارالتاخر الا خيرا لك"[217]

ترجمہ: حضرت شریح روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ نے ان کی طرف مکتوب بھیجا جا کہ اگر فیصلہ کرتے ہوئے کوئی معاملہ پیش آجائے تو اگر اس کے حوالے سے کتاب اللہ میں کوئی حکم موجود ہے تو اس کے ذریعے فیصلہ کرو۔ اگر اس معاملے کے مطابق کتاب اللہ میں کوئی عمل موجود نہیں تو سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اس کے حوالے سے جانچ پرکھ کر کرو اگر آپ کو سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی اس امر کے متعلق کوئی حکم نہیں ملتا اور نہ ہی کتاب اللہ میں ملتا ہے اور نہ ہی اس سے متعلق آپ سے پہلے کسی کا کوئی کلام ملتا ہے تو دونوں میں سے جس معاملے کو چاہے اختیار کر لو۔ یا تو اپنی رائے کے مطابق اجتہاد کرو اور اسی کے مطابق فیصلہ کرو کرو یا پھر اس کو متاخر کر دو اور میرے خیال میں متاخر کرنا ہی بہتر ہے۔

---

[216] ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ، ج۳ص ۱۱۹

[217] علاوالدین، علامہ، علی متقی بن حسام الدین، کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، مترجم احسان اللہ شائق، دار الاشاعت اردو بازار کراچی، جلد ۳ صفحہ ۱۷۴

ایک اور مقام پر قاضی شرح کو خط میں یہ فرمان ملتا ہے:

"لا تشارولا تمار ولا تبع ولا تبتع في مجلس القضائ ولا تقضي بين اثنين وانت غضبان"[218]

ترجمہ: کمرہ عدالت میں نہ تو کسی سے جھگڑا کرو نہ ہی بلاوجہ بحث ومباحثہ کرو نہ ہی کوئی چیز خرید وفروخت کرو اور کبھی بھی دو آدمیوں کے درمیان اس حالت میں فیصلہ نہ کرو جب کہ آپ کو غصے میں ہو۔

قضاۃ کے انتخاب میں جوہر شناسی اور عہد خلافت راشدہ کے مشہور قضاۃ: خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے قضاۃ کے انتخاب میں میں بہت ہی احتیاط کیا کرتے تھے۔ اور قاضی میں ایسی تمام صفات تلاشتے کو کہ فیصلہ کرنے میں اس کو اہل ثابت کرتی ہیں۔ اس کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ جو لوگ ابتدائی طور پر بطور قاضی منتخب کیے گئے وہ اس حیثیت سے تمام عرب میں منتخب تھے چنانچہ مدینہ منورہ کے قاضی القضاۃ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کے زمانے میں عمر رضی اللہ تعالی عنہ خود تھے۔ جبکہ حضرت علیؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ بھی بطور قاضی فیصلے کیا کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کی خلافت کے بعد **مدینہ** کے قاضی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالی عنہ مقرر کیے گئے تھے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالی عنہ رسول اللہ صلی اللہ وسلم کے زمانے میں بھی کاتب وحی رہے تھے اور سریانی اور عبرانی زبان کے ماہر تھے۔ اخبار القضاۃ میں ہے:

"ان عمر استعمل زيد ابن ثابت على القضاء و فرض له رزقاً۔[219]"

بصرہ کے قاضی کعب ابن سعود الازدی مقرر کیے گئے۔ جو کہ بہت ہی معاملہ فہم اور نکتہ شناس انسان تھے مجھے امام ابن سیرینؒ نے ان کے بہت سے فیصلے اور احکام نقل فرمائے ہیں۔[220] **فلسطین** کے قاضی حضرت عبادہ بن صامتؓ تھے جو کہ آنحضرت ﷺ کے مقربین صحابہ میں سے تھے۔ اور ان کے ذمہ اہل صفہ کی تعلیم بھی تھی۔ **کوفہ** کے قاضی حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ تھے۔ جو کہ فقہ حنفی کے مورث اعلیٰ ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے بعد قاضی شریح کوفہ کے قاضی مقرر ہوئے۔ حضرت علیؓ ان کو **اقضی العرب** کہا کرتے تھے۔ ان حضرات کے علاوہ جمیل بن المعراجمی، ابو مریم الحنفیؒ، سلیمان بن ربیعہ الباہلی، عبدالرحمٰن بن ربیعہ، عمران بن الحصین، ابو قرۃ الکندی رضی اللہ عنہم خلفاء راشدین کے زمانہ مبارکہ میں قاضی کے عہدہ پر براجمان رہے۔ اسی طرح حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ بھی مختلف مواقع میں قاضی کا منصب سنبھالتے رہے مگر اکثر اوقات انتظامیہ یا بیوروکریسی میں ہی رہے۔

قضاۃ کا امتحان کے بعد مقرر ہونا: قاضیوں کے تقرر کا اختیار اگرچہ والیان صوبہ کا اختیار ہوا کرتا تھا۔ لیکن کبھی کبھار خلفاء راشدین زیادہ احتیاط کے طور پر خود بھی لوگوں کا بطور قاضی انتخاب فرماتے اور مختلف علاقوں کی طرف ارسال اور تقرری کی جاتی تھی۔ قاضی شریح کے تقرر کا واقعہ بھی مشہور ہے۔[221]

قاضیوں کی تنخواہیں اور رشوت سے بچاو کے وسائل: حضرات خلفاء راشدین نے وہ طرق اور وسائل اختیار فرمائے ئ جن کی وجہ سے عدل وانصاف کی فراہمی میں آسانی ہو اور ایسے لوگوں کا بطور قضی انتخاب فرمایا جو کسی کے رعب ودبدبے میں نہ آئیں۔

---

[218] الجاحظ، عمرو بن بحر بن محبوب الکنانی بالولاء، اللیثی، أبو عثمان، البیان والتبیین، محقق ومترجم، عبدالسلام ھارون، مکتبہ الخانجي، ۱۹۹۸ج ۲، ص ۷۵

[219] حیان، محمد بن خلف، اخبار القضاۃ، عالم الکتب بیروت ۱۹۸۴ج ۱ص ۳۲۴

[220] ابن اثیر، عزالدین، ابوالحسن علی بن محمد الجزری، ترجمہ مولانا عبدالشکور لکھنوی، اسد الغابہ فی امعرفۃ الصحابہ، المیزان تاجران کتب، لاہور،

[221] حافظ ابن ہمامؒ، محمد بن عبدالواحد بن عبدالحمید، فتح القدیر حاشیہ ہدایہ، دالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ج ۱، ص ۲۴۷

۱۔ حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ تعالی عنہ نے قاضیوں کو رشوت خوری سے محفوظ رکھنے کے لیے ان کی بیش بہا تنخواہیں مقرر فرمائیں تا کہ ان کو الگ سے رقم کی ضرورت نہ ہو مثلاً سلیمان ربیعہ اور قاضی شریح کی تنخواہ پانچ سو درہم ماہوار تھی اور یہ تعداد اس زمانہ کے لحاظ سے بہت ہی کثیر تھی۔

۲۔ یہ قاعدہ مقرر کر دیا کہ جو شخص دولت مند نہ ہو اور معزز نہ ہو اسے قاضی مقرر نہ کیا جائے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالی عنہ کو کوفہ کے گورنر تھے ان کو فرمان لکھا اور اس میں اس قاعدے کی وجہ یہ لکھی کی دولت مند پیسوں کی طرف راغب نہ ہو گا اور معزز شخص کسی کا اثر قبول نہ کرے گا۔[222]

عدل و انصاف کی فراہمی اور مساوات کا معاشرتی امن کے قیام میں اثر: حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مبارک کے بعد خلفائے راشدین کے دور کو خیر القرون یعنی زمانوں میں سے بہترین زمانہ قرار دیا گیا ہے۔ اور اس کی وجہ عدالت اور انصاف کی فراہمی اور ہر ایک کو اس کے حقوق کا ملنا ہے۔ عدل و انصاف کی اہمیت اور اس کی ضرورت کے حوالے سے قرآن کریم کی آیات مبارکہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث پچھلے باب میں تفصیل سے بیان کی جا چکی ہیں۔ حضرات خلفائے راشدین نے اپنے زمانہ خلافت میں معاشرتی امن اور استحکام معاشرہ کے لئے معاشرے میں عدل و انصاف کا رواج فرمایا اور عدل و انصاف کے فریضہ کو کو بھرپور انداز میں میں پیش کرنے کے لئے قاضیوں کے تقرر میں انتہائی احتیاط سے کام لیا جاتا تھا اس کے ساتھ ساتھ صرف ان حضرات کو قضاء کا عہدہ سونپا جاتا تھا جن کے حوالے سے ان کا عدل اور ثقہ ہونا ثابت ہو۔ حضرات خلفاء راشدین کے عہد مبارک میں اسلامی ریاست و مملکت کی حدود میں نہایت وسعت ہو گئی تھی اور مشرق و مغرب کا ایک انتہائی وسیع خطہ اسلامی مملکت کا حصہ تھا۔ تاریخ عالم میں پہلی مرتبہ یہ واقعہ رونما ہوا تھا کہ ایسی زبردست عالمی قوت وجود میں آئی تھی جس میں ہر رنگ و نسل اور ہر دین و مذہب کے ماننے والے ایک دوسرے کے ساتھ ہنسی خوشی ایک دوسرے کے حقوق ادا کرتے ہوئے رہ رہے تھے۔ اس کی وجہ اسلام کا عادلانہ نظام تھا جس سے وہ پوری طرح مطمئن تھے۔ اور یہ دین اسلام ہی تھا جس نے ان تمام امتیازات اور اختلافات رنگ و نسل کے باوجود اپنی ریاست کے تمام باشندوں کے جملہ حقوق محفوظ کر رکھے تھے اور ان کو ایک پر امن معاشرہ عطاء کیا تھا جس کے لئے مظلوم طبقات اس مملکت میں شامل ہونے کے لئے دعائیں کیا کرتے تھے۔ یہ خلفاء راشدین کا عدل و انصاف تھا جس کے اثرات اس ریاست کی عوام پر پڑ رہے تھے۔[223] اس حوالے سے عہد خلفاء راشدین کے واقعات سے اسلامی عدل و انصاف کی جھلک دیکھی جا سکتی ہے۔ عدل اور انصاف کا سب سے بڑا لازمہ اور سب سے اہم اور بنیادی امر مساوات ہے یعنی دیوان عدالت میں چاہے بادشاہ ہو یا گدا ہو امیر ہو یا غریب ہو سب کے سب ہم مرتبہ سمجھے جائیں۔ اس حوالے سے خلفائے راشدین رضی اللہ تعالی عنہ کو اس قدر اہتمام تھا کہ اس کے تجربے اور امتحان کے لئے متعدد دفعہ خود کمرہ عدالت میں فریق مقدمہ بند کر گئے۔ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالی عنہ میں کچھ نزاع و اختلاف ہوا۔ ابی بن کعب رضی اللہ تعالی عنہ نے زید بن ثابت رضی اللہ تعالی عنہ کے ہاں مقدمہ دائر کیا چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ مدعا علیہ کی حیثیت سے حاضر ہوئے حضرت زید بن ثابت نے ان کو تعظیم دی حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا

---

222 لمحمد ابن خلف الو کیع، اخبار القضاۃ بیروت عالم الکتب ص ۲۳۳

223 الدولۃ الاسلامیہ فی عہد الخلفاء الراشدین، صفحہ ۲۳۱

یہ تمہارا پہلا ظلم ہے یہ کہہ کر ابی بن کعب رضی اللہ تعالی عنہ کے برابر بیٹھ گئے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالی عنہ نے قاعدے موافق حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ سے قسم لینی چاہی۔ حضرت زید رضی اللہ تعالی عنہ نے جو کے قاضی تھے انہوں نے ابی بن کعب رضی اللہ تعالی عنہ سے درخواست کی کہ حضرت عمرؓ امیر المومنین ہیں اس لئے ان کو قسم سے معاف رکھو۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ اس طرف داری پر بہت رنجیدہ ہوئے اور زید کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا جب تک تمہارے نزدیک ایک عام آدمی اور حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ منبر نہ ہو تم منصب قضا کے قابل نہیں سمجھے جاتے۔[224]

ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ مدینہ کی گلیوں میں سے گزر رہے تھے تو ایک گلی میں سے گزرتے ہوئے دیکھا کہ کچھ لوگ ایک عورت کو گھسیٹتے ہوئے لے جا رہے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے معاملہ دریافت کیا تو لوگوں نے بتایا کہ اس عورت نے بدکاری کی ہے اور عورت کو حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس لے کر جایا جا رہا ہے تاکہ حد نافذ کی جا سکے۔ آپؓ نے لوگوں کو اس سے منع فرمایا اور عورت کو چھڑوا دیا۔ لوگ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس پہنچے اور سارا واقعہ سنایا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے بلوا بھیجا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کو اس کی وجہ بتاتے ہوئے عرض کی کہ اے امیر المومنین کیا آپ نے یہ حدیث نہیں سنی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین طرح کے لوگوں سے سے قلم اٹھالیا گیا ہے۔ (اور یہ حدیث اس عورت کے بے قصور ہونے پر دلیل کے طور پر بیان فرمائی) سونے والا شخص یہاں تک کہ وہ بیدار ہو جائے۔ دوسرا وہ شخص جو نابالغ ہو یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائے۔ اور تیسرا گناہ میں مبتلا آدمی جب تک وہ باہوش نہ ہو[225]۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا کہ جی ہاں میں نے یہ فرمان آپ ﷺ سنا ہے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ سے حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے یہ عرض کی کہ اے امیر المومنین اس عورت کو دیوانا پن کے دورے پڑتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ آدمی جس کے ساتھ اس عورت کی بدکاری کا کہا جا رہا ہے اس حالت میں اس عورت کے پاس آیا ہو جب کہ یہ عورت پاگل پن میں مبتلا ہو جب عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے یہ سنا ہے تو اس عورت کو رہا فرما دیا اور یہ کہا کہ لو لا علیّ لھلک عمر یعنی آج اگر حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نہ ہوتے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ ہلاک ہو چکے ہوتے کسی کے ساتھ ناانصافی کرنے کی وجہ سے۔[226]

فنون کے متعلقہ معاملات میں انصاف کی فراہمی کے لئے ماہرین فن کی شہادت: اصول شہادت اور محکمہ قضا کے متعلق انصاف کی فراہمی کے لیے خلفائے راشدین رضی اللہ تعالی عنہم نے جو نادر ایجادات کیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ جو معاملہ فنون کے متعلق ہو اس میں انصاف کی فراہمی کے لیے ماہرین فن کی شہادت بھی ضروری ہوتی تھی۔ اس حوالے سے ایک واقعہ نقل کیا جاتا ہے کہ ایک شخص جس کا نام حطیہ تھا اس نے زبرقان نامی شخص کے حوالے سے ہجو یہ اشعار کہے مگر اشعار ایسے تھے جن سے صاف طور پر یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ ہجو ہے یا مدح ہے۔ زبرقان نے اس حوالے سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے محکمہ قضا سے رجوع کیا۔ چونکہ یہ معاملہ شعر و شاعری سے متعلق تھا اور اور شاعرانہ اصطلاحات اور طرز تخاطب عام بول چال سے الگ ہوتا ہے۔ اس لیے حضرت عمر

---

224 لمحمد ابن خلف الوکیع، اخبار القضاۃ بیروت عالم الکتب، ص ۲۳۳

225 ابن حنبل، الامام ابو عبد اللہ، مسند امام احمد، مترجم مولانا محمد ظفر اقبال، مکتبہ رحمانیہ، لاہور ص ۱/ ۱۵۵

226 ابن حنبل، الامام ابو عبد اللہ، فضائل الصحابہ، مترجم نوید احمد بشار، بک کارنر جہلم، ص ۲/ ۷۰۸

رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مشہور اور عمدہ شاعر، جن کی نسبت مدحت رسول ﷺ سے اس طرح جڑتی ہے کہ ان کو نبی اکرم ﷺ نے از خود مدح سرائی کا کہا تھا یعنی حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالی عنہ کو بلا کر پوچھا اور ان کی رائے کے مطابق فیصلہ کیا۔[227]

حدود اور سزاوں کا تعین اور معاشرتی امن میں اس کا اثر: کسی بھی معاشرے میں اس وقت تک استحکام اور امن کا قیام نہیں ہو سکتا جب تک اس معاشرے میں مجرموں کو ان کے جرم کے مطابق سزا نہ دی جاتی ہو۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہ نے جب اقبال جرم فرمایا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجرموں کو ان کے جرم کے مطابق سزا دی۔ حضرت خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ انہوں نے بھی اپنے زمانہ خلافت میں مجرموں کی سرکوبی فرمائی اور ان کے جرم کے مطابق ان کی سزا مقرر فرمائی۔ کیونکہ جب مجرموں کو ان کے جرم کی سزاء دی جاتی ہے تو وہ سزاء صرف سزاء نہیں ہوتی بلکہ ان لوگوں کے لئے بھی عبرت ہوتی ہے جو کسی سزا میں ملوث ہوں یا ہونے کا ارادہ رکھتے ہوں۔ اسی طرح جب کسی جرم کی سزا دی جاتی ہے تو اس جرم سے متعلق جن لوگوں کے حقوق ہوتے ہیں ان کا بھی اپنی ریاست اور اس کے قوانین پر اعتبار بڑھتا ہے اور وہ جرم کے بدلے مزید جرائم کی دنیا میں داخل ہونے کے بجائے اپنے لئے انصاف کے حصول کے لئے حکومت اسلامی کا دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں۔ اور یوں ایک معاشرہ اپنے استحکام کی جانب بڑھتا ہے اور معاشرتی امن کا رواج ہوتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ظلم و ناانصافی کی بھی حوصلہ شکنی ہوتی ہے۔ حضرت نبی اکرم ﷺ کے زمانہ مبارک میں ہی اللہ تعالی کی طرف سے بہت سے جرائم کی حدود یا قصاص مقرر ہو گئی تھی مگر اس کے ساتھ ساتھ کچھ جرائم ایسے بھی تھے جن کے متعلق امیر المومنین کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا تھا کہ وہ اپنی صوابدید کے مطابق اس جرم کی سزا دے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے حد خمر جس کی نسبت اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل مختلف تھا لیکن انہوں نے اپنے دور خلافت میں شرابی کے لیے چالیس درے کی سزا لازمی کر دی۔ اسی طرح کچھ جرائم ایسے تھے جو خلفاء راشدین کے زمانے میں نئے سامنے آرہے تھے تھے۔ اس کے حوالے سے بھی انہوں نے اجتہاد اور مشاورت کے بعد ان کی سزائیں مقرر کی۔ جیسے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کے زمانے میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالی عنہ نے ان کو لکھا کہ حوالی مدینہ میں ایک شخص علۃ ابناء میں مبتلا ہے۔ جو کہ اہل عرب کے لیے ایک نیا جرم تھا اور قرآن و حدیث میں اس کی سزا مقرر نہ تھی۔ اس لیے حضرت ابو بکر صدیقؓ نے تمام صحابہ سے اس حوالے سے مشاورت کی حضرت علیؓ نے جلانے کی سزا تجویز کی اور تمام صحابہ نے اس پر اتفاق کر لیا۔[228] حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ ذاتی طور پر مجرموں کے ساتھ انسانیت کی وجہ سے کے ہمدردانہ برتاؤ کیا کرتے تھے۔

> ”عہد نبوی میں میں اسلم نامی قبیلہ کے ایک شخص (حضرت ماعز اسلمیؓ) نے ان کے سامنے جب بدکاری کا اعتراف کیا تو وہ بولے کیا تم نے میرے سوا کسی اور سے بھی اس کا تذکرہ کیا ہے اس نے کہا نہیں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے توبہ کرو اور اس راز کو پوشیدہ رکھو خدا تعالی بھی اس راز کو چھپا دیں گے۔ کیونکہ وہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتے ہیں۔ حضرت ماعز اسلمی اگر ان کے مشورے پر عمل کرتے تو وہ رجم سے بچ جاتے مگر وہ خود دربار رسالت میں حاضر ہوے اور چار دفعہ جرم کا اقرار کیا اور خوشی خوشی سزاء کو قبول فرمایا۔“[229]

---

[227] الفاروق، علامہ شبلی نعمانی، دارالشاعت کراچی، ص۲۱۹

[228] المنذری، حافظ، الترغیب الترہیب، مکتبہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ۱۴۱۷ج۲، ص۱۲۶

[229] ابن حنبل، الامام ابو عبد اللہ، مسند امام احمد، مترجم مولانا محمد ظفر اقبال، مکتبہ رحمانیہ، لاہور ص ج۱، ص۳۴۴

حدود و تعزیرات کا قیام حکومت وقت کی ذمہ داری ہے: حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کے عہد خلافت میں ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالی عنہا کی ایک لونڈی نے ان پر جادو کر دیا۔ اور اس نے اس بات کا اقرار بھی کیا تو ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالی عنہ نے اسے قتل کر دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ نے اس پر نکیر کی تو ام المومنین حضرت حفصہؓ کے بھائی حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے عرض کی آپ ام المومنین پر اس خاتون کے قتل پر کیونکر کرتے ہیں جس نے ان پر جادو کیا تھا اور خود اعتراف بھی اس پر حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ نے ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالی عنہ کی رعایت اور ادب کا خیال رکھتے ہوئے خاموشی اختیار فرمائی لیکن ساتھ ساتھ فرمایا کہ میں نے کیا اس وجہ سے نہیں کر رہا تھا کہ یہ قتل ناحق تھا بلکہ کہ اس وجہ سے کی جا رہی تھی کہ حدود اور قصاص کا قیام کرنا امام وقت یا حکومت کا حق ہے اور امام کے علاوہ کوئی اور اس حق کو استعمال کرے تو یہ اچھا نہیں ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کے دور خلافت میں ایک شخص نے ایک تاجر کو قتل کر دیا جب اس کا مقدمہ عدالت میں پیش کیا گیا تو اس شخص کو اس تاجر کے بدلے میں قصاص میں قتل کیا گیا[230]۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کے دور خلافت میں دو آدمیوں نے جھگڑا کیا کیونکہ جگڑا کرنے والوں میں ایک دوسرے کا نقصان پہنچانے کا حرص ہوتا ہے اس لئے حضرت عثمانؓ نے ئی فرمان جاری کیا کہ جب بھی لوگ جھگڑا کریں گے تو اس میں زخم آنے یا نقصان کی صورت میں اس کے بدلے میں اس کا قصاص / برابر نقصان کیا جائے گا۔[231]

تعزیر و حدود میں احتیاط اور انتہائی انصاف کی کوشش: حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ تعالی عنہ کے امن کے قیام کے لیے کوششیں بہت ہی زیادہ تھیں۔ اور وہ حد درجہ یہ کوشش کیا کرتے تھے کہ انصاف کے تمام تقاضے پورے کئے جائیں اور تعزیر اور سزا کے قیام میں حد سے زیادہ احتیاط کی جائے حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کے غلام محجن کا بیان ہے کہ ایک عورت حضرت عثمانؓ کے پاس آئی اور کہنے لگی مجھ سے زنا کا گناہ سرزد ہوا ہے اس لئے مجھ پر حد قائم کریں حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ نے محجن سے کہا اس کو نکال دو۔ (محجن کہتے ہیں) میں نے ان کے حکم کی تعمیل کی۔ لیکن وہ عورت پھر سے آئی اور کہنے لگی کہ امیر المومنین مجھ سے زنا کا گناہ سرزد ہوا ہے اس لئے مجھ پر حد قائم کریں حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ نے پھر محجن سے کہا اس کو نکال دو۔ (محجن کہتے ہیں) میں نے ان کے حکم کی تعمیل کی وہ عورت پھر سے آئیں تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ نے کہا افسوس تیری زبوں حالی کو دیکھتا ہوں اور یہ زبوں حالی ایسی بری بلا ہے کہ یہ انسان کو برائی پر آمادہ کر دیتی ہے لہذا اس کو لے جاؤ اس کو پیٹ بھر کھانا کھلاؤ پہناؤ اس کے بعد کھجور اور کشمش دو اور اگر کوئی قافلہ جا رہا ہو تو عورت کو گدھے کے ساتھ اس قافلے کے ہمراہ کر دو میں محجن کا بیان ہے کہ میں نے اسی اثناء میں اس عورت سے پوچھا کہ تم اب بھی اقرار کروں گی کہ تم نے گناہ کا ارتکاب کیا ہے وہ بولی نہیں میں تو امیر المومنین رضی اللہ تعالی عنہ کے سامنے اپنی زبوں حالی کی وجہ سے یہ اقرار کر رہی تھی۔[232]

حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے اپنے دور خلافت میں امن کے قیام کے لیے یہ اقدامات کیے کہ عدالت اور انصاف کا بول بالا فرمایا اور اور عدل و انصاف کے کے انتہائی کوششیں کی۔ زنا کے وقت زانیہ کو دیکھا جاتا تھا کہ وہ سزا کی متحمل ہے یا نہیں اگر کوئی عورت حاملہ ہوتی تو سزا جاری نہ کی جاتی اور سزا کو موخر فرماتے تھے[233]۔ ایک مرتبہ آپ رضی اللہ تعالی عنہ کے سامنے ایک عورت کو لایا گیا آپ رضی اللہ تعالی عنہ کو معلوم ہوا کہ

---

230 عصر الخلافۃ الراشدۃ، ص ۱۵۳

231 ڈاکٹر محمد رواس، قلعہ جی، موسوعۃ فقہ عثمان ابن عفان، مترجم الیف الدین ترابی، ادارہ معارف اسلامی منصورہ، لاہور ۱۹۹۳ ص ۹۳

232 قاضی مظہر حسین، حضرت عثمان ذوالنورین ؓ، مترجم مولانا عبد الوحید الحنفی، مرحبا اکیڈمی، صفحہ ۱۴۴

233 ابن کثیر، امام حافظ عماد الدین ؒ، البدایہ والنہایہ، مکتبہ المعارف بیروت، ۵/ ۲۴۸، مترجم: محمد اصغر مغل. ناشر: دار الاشاعت، کراچی صفحہ ۳۲۰

وہ عورت حالت نفاس میں ہے آپ نے اس کی سزا کو موقوف فرمایا اور اس کی وجہ کے طور پر یہ واقعہ بیان فرمایا کہ ایسی ہی عورت کا معاملہ آپ ﷺ کے سامنے آیا تو آپ نے اس عمل کی یوں تحسین فرمائی تھی:

"فامرني ان اجلدها فاذا هي حديث عهد من نفاس فخشيت ان انا جلدتها ان اقتلها وذكر ذلك للنبي ﷺ فقال احسنت، وفي روايه قال صل الله عليه وسلم دعاها حتى ينقطع دموعها ثم امر عليها"[234]

ترجمہ: یعنی رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ میں اس پر حد نافذ کروں تب ہی پتہ چلا کہ وہ حالت نفاس میں ہے تو مجھے ڈر ہوا کہ اگر میں نے اس کو سزا دے دی تو وہ مر جائے گی جب یہ بات آپ ﷺ کے سامنے لائی گئی تو آپ ﷺ نے اس کی تحسین فرمائی اور ایک اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تک اس کا دم منقطع نہیں ہو جاتا اس کو چھوڑ دو۔

مذکورہ بالا تمام امور اور واقعات سے یہ بات واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ خلفاء راشدینؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں عدل و انصاف کے قیام کی بھرپور کوشش فرمائی اور اس عدل و انصاف ہی کی وجہ سے وہ ایسا معاشرہ تشکیل دینے میں کامیاب ہوئے جس میں الگ الگ رنگ و نسل کے لوگ ایک دوسرے کے ساتھ بھائی چارے اور امن و سلامتی سے رہتے تھے اور ایک دوسرے کا خیال رکھتے تھے۔ یہ خلفاء راشدین کے عدل و انصاف ہی کی بدولت ممکن ہوا کہ لوگ اسلامی نظام کے گرویدہ ہوئے اور اسلام کے نظام امن و سلامتی اور نظام اخوت کی طرف رجوع کیا۔ یہ ایک ایسا معاشرہ تھا جس نے مسلم ہوں یا غیر مسلم سب کے سب کے ساتھ یکساں سلوک کیا اور مساوات کا ایسا نظام متعارف فرمایا کہ اسلامی مساوات اور اسلامی اخوت و بھائی چارہ غیر مسلموں کو اسلام کی طرف کھینچنے لگا۔ اور اسلامی مملکت کے اس نظام کی وجہ سے غیر مفتوحہ علاقے خود خطوط تحریر کر کے اسلامی لشکر کو اپنے ہاں دعوت دیتے تاکہ باقی ظالمانہ نظاموں سے ان کی جان چھوٹ سکے۔

خلفاء راشدین کی دینی خدمات: اسلامی ریاست کے قیام کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس طرح جزیرہ نمائے عرب بالخصوص مدینہ منورہ کے تمدن کو اسلامی بنانے کو کوششیں کیں تھیں انھیں خطوط پر خلافت راشدہ کے اس مبارک دور میں بھی عظیم مساعی کی گئیں۔ اس میں تبلیغ و اشاعت دین، تعلیم، علوم، فنون کے فروغ زبان ولباس، غذا اور طرز رہائش اور فن تعمیر شامل ہیں۔

تبلیغ و اشاعت دین: عہد نبوی کی مانند ریاست اسلامی کی تمام سیاسی افسروں اور کارکنوں، گورنروں، عاملوں، امیروں وغیرہ کا اولین فریضہ یہ تھا کہ وہ اسلام کی تبلیغ کریں۔ چنانچہ بلا استثناء یہ واقعہ ہے کہ عراق و شام اور ایران و مصر وغیرہ کی تمام فتوحات کے دوران جنگ شروع کرنے سے پہلے، اور فوجی کاروائیوں کے دوران حریف کو پہلے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی جاتی، پھر صلح کر کے جزیہ ادا کر کے اسلام کا ذمی بننے کی شرط رکھی جاتی اور بالکل آخر میں تلوار اٹھائی جاتی تھی۔ حضرت خالد بن ولید، حضرت عیاض بن غنم، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عمرو بن العاص، حضرت زید بن ابی سفیان اور ان کے بھائی حضرت معاویہ، حضرت ابوعبیدہ بن الجراح، حضرت شرجیل بن حسنہ اور حضرت عقبہ بن نافع وغیرہ تمام امرائے لشکر کی کارروائیوں کے سلسلے میں ہی حقیقت واضح طور سے ہمارے سامنے آتی ہے۔ اشاعت اسلام کا دوسرا اصل طریقہ اور سبب فتح و قبضہ کے بعد مقبوضات میں مسلمان امیروں، کارکنوں،

---

234 مشکوۃ شریف، کتاب الحدود، صفحہ ۳۱۱

فوجیوں اور عام لوگوں کا حسن اخلاق، پاکیزہ کردار اور انسانی سلوک تھا۔ وہ خاموشی کے ساتھ مگر بہت گہرا اثر کرتا تھا۔ اس کی بنا پر بہت سے لوگوں نے ان مقبوضات میں اسلام قبول کر لیا۔ کیوں کہ اسلامی تعلیمات کی سچائی کا جیتا جاگتا ثبوت مفتوح لوگوں کو اس میں ملتا تھا۔[235]

فتوحات کے بعد خلفاء کرام نے خاص کر اور ان کے مقرر کردہ امیروں، گورنروں اور کارکنوں کے علاوہ مبلغوں نے اسلام کو اسلامی مقبوضات میں پھیلانے کی باقاعدہ منصوبہ بند طریقہ سے شعوری کوششیں کیں۔ مآخذ میں واضح طور سے ذکر آتا ہے کہ تینوں اولین خلفاء نے غیر مسلموں میں اشاعت اسلام کے لیے باکردار، خوش گفتار اور عالم و عامل مبلغوں کا تقرر کیا تھا جو زیادہ تر صحابہ کرام پر مشتمل تھے۔ ردہ جنگوں کے دوران حضرت عدی بن حاتم طائی کی کوششوں سے بنو طے اور دوسرے مرتد قبائل نے اسلام قبول کیا۔ حضرت مثنی بن حارثہ شیبانی نے بنو وائل کے عیسائیوں اور بت پرستوں کو مسلمان بنایا۔ حضرت خالد کی مساعی سے عراق عرب اور حدود شام کے بیشتر قبائل نے اسلام قبول کیا۔ حضرت عمر نے متعدد صحابہ کرام کو جن میں حضرات ابوسفیان، عبادہ بن صامت، معاذ بن جبل، ابوالدرداء، عبداللہ بن مسعود وغیرہ شامل تھے تبلیغ تعلیم کے لیے مامور کیا تھا[236]۔ انھوں نے اپنے اپنے علاقوں میں اسلام کی اشاعت بھی کی۔ اسی طرح حضرت عثمان نے اپنے زمانے میں مبلغین کو مقرر کیا تھا۔ ان کے علاوہ تمام صحابہ کرام اور مسلم علماء اپنی جانب سے دوسرے طبقات کے ساتھ مل کر تبلیغ دین کا فریضہ انجام دیتے تھے کہ وہ صرف حکومت کا کام نہ تھا۔

تعلیم: خلفاء کرامؓ کو شروع ہی سے یہ احساس تھا کہ نو مسلموں کی تعلیم ان کے دینی رسوخ اور اسلامی پختگی کے لیے ضروری تھی۔ چنانچہ ان کے تمام امیروں، فوجی سالاروں، گورنروں اور ان کے ماتحت عاملوں اور کارکنوں کو عام ہدایت تھی کہ وہ نو مسلموں میں بنیادی دینی تعلیم کا کام ضرور انجام دیں۔ حضرت ابو بکر کے عہد خلافت میں چونکہ فتوحات کی تکمیل نہیں ہوئی تھی اس لیے مسلمانوں کی تعلیم و تربیت کے سلسلہ میں ان کی توجہ بدوی قبائل پر مرکوز رہی۔ انھوں نے جزیرہ نمائے عرب کے متعدد شہروں میں بھی معلمین کا بطور خاص تقرر کیا۔ خلافت فاروقی میں فتوحات کی مضبوطی کے بعد تعلیم کا کام زیادہ جوش و ولولہ اور منصوبہ بند طریقوں سے مقبوضات میں کیا گیا۔ عمال و امرائے فاروقی کے علاوہ بہت سے صحابہ کرام کو تعلیم و تربیت کے لیے متعدد صوبوں میں تعینات کیا گیا۔ ان میں سے کوفہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود کو، حضرت معاذ بن جبل، عبادہ بن صامت، ابی بن کعب، ابوایوب اور ابوالدرداکو شام کے مختلف امصار و مراکز میں تعلیم و تربیت کے لیے مقرر کیا۔[237] ان حضرات نے حمص، دمشق اور فلسطین وغیرہ میں تعلیم کا چرچا عام کیا۔ قرآن مجید کی سورتوں کا ناظرہ اور حفظ، ان کا مفہوم و مطلب، احادیث نبوی کے اہم اجزاء، عام مسئلہ مسائل کے علاوہ سیرت و اخلاق اور لکھنے پڑھنے کے فن پر بنیادی طور سے زور دیا۔ بدوی قبائل کی تعلیم کے لیے حضرت ابوسفیان نامی ایک صحابی کو مقرر کیا تھا۔ عراقی امصار میں بصرہ کے لیے حضرت معقل بن یسار، عبداللہ بن مغفل اور عمران بن حصین و مقرر کیا۔ ان معلموں نے عربی زبان وادب کی بھی ضروری تعلیم دی۔ بصرہ میں کم از کم دس معلم مقرر کئے گئے تھے۔ فقہ کی تعلیم کے لیے حضرت عبدالرحمن بن غنم کو شام کے لیے اور

---

[235] ابن قیم الجوزیۃ، محمد بن أبي بکر بن أیوب بن سعد شمس الدین، زاد المعاد في ھدي خیر العباد ۱/۳۰، ۳۲

[236] ابن قیم الجوزیۃ، محمد بن أبي بکر بن أیوب بن سعد شمس الدین، زاد المعاد في ھدي خیر العباد، ۳۰، اخذ کردہ، الفاروق علامہ شبلی نعمانی اردو

[237] شبلی نعمانی، علامہ الفاروق، دارالشاعت کراچی، ۲۵۵، ۱۳۷، ۲۵۶

حضرت عمران بن حصین کو بصرہ کے لیے مقرر کیا تھا۔ دوسرے معلموں نے بھی فقہ کی تعلیم دی۔ تعلیم عام طور پر مساجد میں دی جاتی تھی اور بعد میں اس مقصد کے لیے مکاتب بھی قائم کئے گئے۔ ان معلمین کے گھر بھی مکاتب کا کام کرتے تھے اور ان کی ذات والاصفات چتا پھر تا مدرسہ تھی۔ مساجد کے ائمہ اور مؤذنیں بھی تعلیم وتربیت کا کام کرتے تھے۔ حضرات عمر وعثمان نے ان معلمین کی تنخواہیں مقرر کی تھیں۔ مگر صحابہ کرام عام طور سے تنخواہ نہیں لیتے تھے۔ اسلامی مراکز مدینہ، مکہ، یمن، کوفہ، بصرہ، دمشق، بیت المقدس، حمص، حلب، فسطاط اور برقہ وغیرہ میں اسلامی تعلیم کے دو درجات تھے:

ایک ابتدائی جس میں طلباء قرآن وحدیث اور فقہ کی بنیادی تعلیمات حاصل کرتے اور لکھنا پڑھنا سیکھتے تھے۔

دوسرے اعلی تعلیم کے حلقے تھے جن میں اسلامی علوم وفنون کی فنی اور اعلی تعلیم دی جاتی تھی۔ عام تعلیم میں تمام مسلمان شریک ہوتے تھے۔ ان میں مرد وعورت اور بچے بھی شامل تھے۔ جب کہ اعلی تعلیم کے مخصوص حلقے ہوتے تھے۔ ان ہی حلقوں سے تابعین کرام کے علماء وفضلاء نکلے۔ اعلی تعلیم کے حلقوں میں مکہ وطائف میں حضرت عبد اللہ ابن عباس کا حلقہ، مدینہ منورہ میں حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابی بن کعب وغیرہ متعدد حضرات کے حلقے، کوفہ میں حضرت عبد اللہ بن مسعود وغیرہ کے حلقے اور اسی طرح مذکورہ بالا تمام اکابر صحابہ کے تفسیر وحدیث اور فقہ وعربی ادب کے حلقے تھے۔ انھوں نے اعلی تعلیم حاصل کر کے اسلامی علوم وفنون کو ترقی دی[238]۔

مبحث دوم: خلفاء راشدین کی تعلیمات واقدامات کی عصری معنویت

انسانی حقوق کا تحفظ معاشرتی امن واستحکام کا ضامن : حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے قابل فخر دور میں انسان کو انسانیت کے مقام کا شعور عطا کیا گیا۔ انسان کو اپنے مقام کی عظمت اور اس کے تحفظ کے اصول بھی بتائے گئے۔ اور پھر نظام خلافت راشدہ کے تحت اس کے مقام کو بھرپور تحفظ بھی دیا گیا۔ انسان کو تمدنی فرائض کی ادائیگی میں اس طرح مشغول کیا گیا کہ معاشرے کے حقوق خود بخود ادا ہونے لگے۔ حضرات خلفاء راشدین نے انسانوں کو ان کی عظمت اور حقوق اور فرائض کا یقین دلایا اور معاشرے میں انسان کے اصل مقام سے روشناس کرایا۔ ان حضرات نے انسانیت کی ایسی خدمت کی کہ رہتی دنیا تک کے لیے اصول اور اقدار کا مینارہ نور بنا دیا۔

انسانی حقوق: حق کا لفظ مصدر ہے جو باطل کے مقابلے میں استعمال ہوتا ہے۔ حق کی جمع حقائق یا حقوق آتی ہے۔ شریعت اسلامی میں حق کا معنی اسکے مضاف الیہ سے سمجھا جاسکتا ہے۔ اور اسکی تقسیم مضاف الیہ کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ کچھ حقوق عمومی نوعیت کے ہوتے ہیں جیسے کہ تعلیم انصاف اور کچھ حقوق ایسے ہوتے ہیں جو معاشرے میں ہر شخص کے بنیادی حقوق کا تصور کیے جاتے ہیں جیسے اپنے لئے کمانے کا حق وغیرہ[239]

معروف اسلامی سکالر محمد النجیمی انسانی حقوق کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"المقصود بحقوق الانسان تلك المبادئ والقوانين العامة التي اتفقت عليها الاديان والقوانين الدولية في ما يتعلق باحترام الانسان في مجال عقيدته وحريته وثقافته وفي مجال حقوق المراة والطفل والقضايا السياسية وحرية التفكير وهي حقوق كفلتها الشريعة الاسلامية وجميع الاديان والقوانين الدولية"[240]

---

238 محمد سیّد طنطاوی، عمر بن خطاب ۲۳۳

239 حمیری، ابو محمد عبد الملک بن هشام بن ایوب، السیرۃ النبویۃ، سیرت ابن ہشام ۳۱۱، ۱۹۳۶

240 بیہقی، ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ، السنن الکبریٰ، ۱۰/ ۱۳۶

ترجمہ: انسانی حقوق سے مراد تمام ادیان اور بین الاقوامی قوانین و وثیقہ جات کے اعتبار سے ایسے تمام متفقہ، رہنما اصول اور قواعد ہیں جن کا تعلق انسان کے احترام سے ہو۔ جیسا کہ دینی، معاشرتی آزادی، عورتوں کے حقوق، بچوں کے حقوق اسی طرح تمام قسم کے سیاسی حقوق، اظہار رائے کی آزادی وغیرہ۔ یہ ایسے امور ہیں جن کو تمام ادیان اور حقوق انسانی کے عالمی دستاویزات میں بطور حق تسلیم کیا گیا ہے۔

ڈاکٹر وہبہ الزحیلی انسانی حقوق کی تعریف لکھتے ہوئے کہتے ہیں:

"المراد بحقوق الانسانيه حماية مصلحة الشخص سواء كان حقا عاما كتحقيق الامن وقمع الجريمه ورد العدوان والتمتع بالمرافق العامه ام خاسا كحق الزوجه في النفقه وحق الام في الحزانه لطفلها وحق الاب في الولاده على اولاده ونحوه"[241]

ترجمہ: انسانی حقوق سے مراد کسی بھی شخص کے ان مصالح کی حفاظت ہوتی ہے۔ چاہے وہ مصلحت عمومی ہو جیسے امن اور امان کی فراہمی، جرائم کی روک تھام، دشمن کی سرکوبی اور عمومی سہولیات سے استفادے کا حق یا کوئی خاص مصلحت ہو جیسے بیوی کا شوہر پر نفقہ کا حق اور ماں کے لیے بچے کا حق حضانت اور باپ کے لئے بچوں کی ولایت کا حق وغیرہ۔

ان تعریفات کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ انسانی حقوق سے مراد وہ بنیادی نعمتیں اور آسائشیں ہوتی ہیں جو اللہ تبارک و تعالی نے انسانوں پر نچھاور کیں ہیں تاکہ وہ بطور انسان اپنی عزت اور وقار کی حفاظت کر سکیں۔

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے انسانوں کو ان کے تمام بنیادی حقوق عطا فرمائے اور ان کے حقوق کی ادائیگی میں کسی قسم کی کوتاہی کرنے اور کمی کرنے کی سختی سے ممانعت فرمائی۔ حضرات خلفاء راشدین نے اپنے عمال اور گورنروں کو جب بھی نصیحت فرمائی اس میں عوام کے ساتھ حسن سلوک عوام کی بھلائی اور ان کے امن و امان کے لئے کوششیں کرنے کی ترغیب فرمائی۔ ہم انسانی بنیادی انسانی حقوق کو درج ذیل عنوانات کے تحت ذکر کرتے ہیں:

انسانی مقام کا شعور اور اور اس کے مرتبے کا تحفظ: قرآن و سنت کے اصولوں کو دیکھیں تو انسان کا اس دنیا میں حیثیت اور مقام یہ ہے کہ وہ اللہ تعالی کا نائب ہے اللہ تعالی کا بندہ ہے اور اس کے سامنے جواب دہ ہے۔[242] یہ مضمون قرآن کریم میں مختلف مقامات پر مختلف پیرایوں میں بیان کیا گیا ہے۔ انسان کے اللہ تعالیٰ کے نائب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس پر ایک بہت بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ معاشرے کو صالح معاشرہ بنائے۔ معاشرہ ایسا ہو جو امن و امان کا مسکن ہو اور اس میں کسی قسم کا ظلم و جرم نہ ہو۔

خلافت راشدہ نے انسانی مقام کا شعور عام کرنے اور اس کے اس مقام کے تحفظ کرنے میں کسی قسم کی کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔ خلفائے راشدینؓ کا اپنی اطاعت و فرمانبرداری کو اللہ تعالی اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور فرمانبرداری کے ساتھ مشروط کرنا اس سلسلہ کی بنیاد کڑی ہے۔ انسانی مقام کا تصور اور تحفظ خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ نے اپنے پہلے خطبہ میں یوں ارشاد فرمایا تھا:

---

[241] ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ خسروجردی، بیہقی ۱۰/ ۱۳۶

[242] القرآن، سورۃ البقرہ، ۳۰

"والضعيف فيكم قوي عندي حتى اريح عليه حقه ان شاء الله تعالى والقوي فيكم ضعيف عندي حتى اخذ منه ان شاء الله تعالى"[243]

ترجمہ: لوگو جو شخص تمہارے درمیان کمزور سمجھا جاتا ہے۔ وہ میرے نزدیک مضبوط اور قوی ہے یہاں تک کہ میں اس کے اس کا حق دلا دوں اور تم میں سے جو شخص خود کو طاقتور سمجھتا ہے۔ وہ میرے نزدیک کمزور ہے جب تک کہ میں اس سے حق وصول نہ کر لوں۔

انسان کا بطور انسان تقدس ہر آدمی کے ساتھ وابستہ ہے۔ اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ ہر فرد قانون کی نظر میں برابر ہو اور ریاست کے اندر مساوی حقوق رکھتا ہو۔ عہد خلافت راشدہ میں بہت سی مثالیں ایسی ملتی ہیں جن سے یہ بات وضاحت سے نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ حضرات خلفاء راشدین ہر انسان کی بطور انسان تعظیم و توقیر کیا کرتے تھے۔

حضرت علی کے زمانہ مبارک میں ان کی ذرہ چوری کرنے والے غیر مسلم کے ساتھ حضرت علی کا رویہ اس سلسلے کی ایک عمدہ مثال ہے کہ آپؓ نے خلیفہ ہونے کی حیثیت استعمال کرتے ہوئے وہ ذرہ اس سے چھین نہیں لی بلکہ اپنے حق کے لئے عدالت سے رجوع کیا اور عدالت کے ذریعے اپنا حق وصول کیا۔[244]

انسانی حقوق کا تحفظ اور ادائیگی: اسلامی مملکت میں دو طرح کے شہری رہا کرتے تھے۔ مسلم اور ذمی۔ اگر ہم خلافت راشدہ کی فلاحی مملکت میں انسانی حقوق کے تحفظ اور ادائیگی کے لیے خلفائے راشدین کے اقدامات کو دیکھتے ہیں تو اس میں سب کے سب کو برابر کا حصہ ملتا دکھائی دیتا ہے۔ حضرات خلفاء راشدینؓ نے تمام لوگوں کو مساوی حقوق عطاء فرمائے۔

سید ابوالاعلی مودودی لکھتے ہیں:

> "خلافت راشدہ اپنے پورے دور میں اسلامی قانون کی سختی سے پابند رہی۔ حتی کہ حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم نے انتہائی نازک اور سخت فتنہ و فساد کے حالات میں بھی حدود شرع سے باہر قدم نہ رکھا۔"[245]

گویا خلافت راشدہ میں کسی کے ساتھ ناانصافی اور ناروا سلوک کا تصور بھی موجود نہ تھا۔ اس کی مثال یوں سمجھی جاسکتی ہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے اپنے خلاف محاصرہ کرنے والے باغیوں کے ساتھ قتال کی اجازت نہ دی باوجود صحابہ کرام کے اصرار کے اور اس کی وجہ بیان فرماتے ہوئے یہ فرمایا کہ ایک مسلمان کے بدلے ہزاروں کا خون نہیں بہایا جاسکتا۔ اس سے ان کے دل میں انسانیت کی عظمت اور انسانوں کے حقوق کی ادائیگی کا جذبہ دیکھا جاسکتا ہے۔

علامہ یعقوبی نے خلیفہ دوم حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے دور کا یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالی عنہ کے بیٹے نے ایک عیسائی کو مارا پیٹا۔ وہ عیسائی اپنا مقدمہ لے کر بارگاہ خلافت میں پہنچا۔ مقدمہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے عدالت میں پیش ہوا تو آپؓ نے ان کو مجمع عام میں سزا دی جائے اور باپ اور بیٹے دونوں سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا کہ تم نے لوگوں کو کب سے غلام بنانا شروع کیا ہے حالانکہ ان کی ماوں نے تو ان کو آزاد جنا تھا۔[246]

---

[243] حمیری، ابو محمد عبد الملک بن ھشام بن ایوب، السیرۃ النبویۃ، سیرت ابن ہشام، مترجم مصطفی البابی مصر ۱۹۳۶، ۳۲۱

[244] ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ خسرو جردی، بیہقی، ۲/ ۳۲۰

[245] مودودی سید، خلافت و ملوکیت، ادارہ ترجمان القرآن لاہور، ۱۹۸۸، صفحہ ۱۷۲

[246] الیعقوبی، احمد ابن ابی یعقوب جعفر، تاریخ الیعقوبی، مترجم، مولانا اختر فتح پوری ۱۹۶۰ جلد ۲/ ۱۱۱

سماجی آزادی اور تمام انسانوں کے عزت اور آبرو کا تحفظ: عہد خلافت راشدہ میں تمام انسانوں کو سماج میں ان کے متعلقہ تمام ایسے امور کی اجازت دی گئی تھی جو کہ بنیادی حقوق میں شامل ہوتے ہیں اور شریعت اسلامی سے متصادم نہیں تھے۔ حضرات خلفاء راشدینؓ کے سامنے جب بھی کوئی ایسا مقدمہ آتا جس میں کسی کی عزت نفس یا شخصی آزادی کے متعلق کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو فوراہنگامی بنیادوں پر خلیفہ وقت اس کے ازالہ کا اہتمام فرماتے تھے۔ تمام انسانوں کو مکمل طور پر آزادی حاصل تھی اور ہر شخص کی عزت و آبرو کا خیال رکھا جاتا تھا۔ اس حوالے سے اس بات کو نہ دیکھا جاتا تھا کہ آیا یہ شخص آزاد ہے یا غلام ہے، ذمی ہے یا معاہد ہے یا مسلمان ہے بلکہ ہر ایک کی عزت نفس کا خیال رکھا جاتا تھا۔

حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ تعالی عنہ کے متعلق ایک واقعہ آتا ہے کہ آپؓ نے ایک شخص کو مال غنیمت میں حصہ زیادہ مانگنے پر کوڑے لگوائے اور سر منڈوادیا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی دربار خلافت میں شکایت لگائی گئی۔ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس ان کی شکایت پہنچی تو آپ رضی اللہ تعالی عنہ نے فوراً اس کے بدلہ لینے کا حکم صادر فرمایا۔[247]

ایک طرف سرکاری سطح پر نظام خلافت کے ادارے کی وجہ سے ہر ایک کے حقوق میں اس قدر محتاط ہیں اور دوسری طرح انفرادی سطح پر خلفاء کا طرز عمل عجیب مثالی رہا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے ایک غلام کو دوکان سے دو عدد کپڑے خریدنے کے لئے حکم فرمایا۔ جب وہ لے آیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے قیمتی کپڑے کا ٹکڑا اسے دیکھتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تم اس عمدہ کپڑے کے زیادہ مستحق ہو کیوں کہ تم جوان ہو اور تمھیں زینت اور آرائش کا دل چاہ رہا ہو گا۔ اور دوسرا کپڑا جو عمدگی اور قیمت میں کم درجہ کا تھا خود رکھ لیا اور فرمایا ہے میں بوڑھا ہو چکا ہوں اس لئے مجھے زینت کی ضرورت نہیں[248]۔ سبحان اللہ ایک غلام کو خود سے بہترین اور اچھا پہننے کو دینا جب کہ خود خلیفۃ المسلمین بھی ہیں۔ اس سے ان کے دل میں انسانیت کی عظمت اور تمام انسانوں کی عزت و آبرو کا خیال رکھنے کا سمجھا جا سکتا ہے۔ رنگ، نسل، مقام، مرتبہ، کسی بھی چیز کے امتیاز کے بغیر رعایا کی نفسیات کا اس طرح خیال رکھنا اور عوام کے دل میں اپنا مقام پیدا کرنا انہیں کی شان تھی جو کہ اور تاریخ کا حصہ بن گیا

آزادی اظہار رائے اور مشاورت: حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانہ مبارکہ میں تمام انسانوں کو اپنی رائے پیش کرنے کا بھرپور حق حاصل تھا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کی پہلی تقریر جو بیعت عام کے بعد شہریوں کے اجتماع عام میں کی تھی اس میں انہوں نے اپنی رائے کے اظہار کرنے کی آزادی کے متعلق یوں ارشاد فرمایا:

> ”اگر آپ چاہیں تو اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کسی اور کو چن لیں میری بیعت آپ کے راستے میں حائل نہیں ہو گی۔ اسی طرح ایک اور جگہ فرمایا اگر میں کام ٹھیک کروں تو میری مدد کریں اور اگر میں غلط کرو مجھے ٹھیک کر دیں۔“[249]

---

[247] محمد سیّد طنطاوی، عمر بن خطاب ۱/ ۱۸۵

[248] العینی، علامہ بدر الدین محمود بن احمد، عمدۃ القاری فی شرح صحیح البخاری، محقق علامہ محمود محمد عمر، دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان ۲۳/ ۱۴۳

[249] الطبری، محمد ابن جریر، ابو جعفر، علامہ تاریخ الامم والملوک، تاریخ طبری،، نفیس اکیڈمی اردو بازار کراچی، مترجم، ڈاکٹر محمد صدیق ہاشمی، ۳/ ۳۱۲

جب حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کو زخمی کر دیا گیا اور ان کی وفات کا وقت قریب آ گیا تو آپؓ نے اپنی وفات سے پہلے آئندہ خلیفہ کے انتخاب کے سلسلے میں چھ رکنی کمیٹی بنائی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے ان سے یہ ارشاد فرمایا جو شخص مسلمانوں کے مشورے کے بغیر زبردستی خود امیر بننے کی کوشش کرے اسے قتل کر دو۔[250]

حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم ہمیشہ ہی لوگوں سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ اور آزادی اظہار رائے پر اور حق بات کے کہنے پر پر حوصلہ افزائی کیا کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ رضی اللہ عنہم امت میں اجتماعی ضمیر بیدار رکھنے کے خواہش مند تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ امت کا ہر فرد امت مسلمہ کے لئے اسکے تمام اجتماعی معاملات کے متعلق سوچنے، سمجھنے اور رائے رکھنے، رائے دینے کا اہل ہو اور اسکی رائے کو سننا اور پرکھنا خلافت کے لئے مفید ثابت ہو۔ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کے سامنے ایک مرتبہ کچھ خارجیوں کو گرفتار کر کے لایا گیا جب وہ آپ کے سامنے آئے تو وہ نعوذ باللہ آپ کے منہ پر آپ کو برا بھلا کہنے لگے ان میں سے ایک خدا کی قسم کھا کر آپ کو قتل کرنے کا اظہار کر رہا تھا۔ صحابہ کرام نے حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ سے اس کو سزا دینے کا مطالبہ کیا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے کوئی کوئی کاروائی نہ کروائی بلکہ اس کی رائے یا اس کے اس گناہ سے کوئی تعرض نہ فرمایا۔[251]

عورتوں کے حقوق کا تحفظ: قرآن کریم اور حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اور اسوہ حسنہ کی روشنی میں خواتین کا معاشرے میں بہت ہی عمدہ مقام اور بہت عظیم حیثیت اور ذمہ داری ہے۔ جب ہم خلفائے راشدین رضی اللہ عنہ کے زمانے کو دیکھتے ہیں تو ہمیں زمانہ نبوی ﷺ کے بعد پہلی مرتبہ عورت کو معاشرے میں باوقار شہری کی جگہ ملتے ہوئے اور اس کو اس کا مرتبہ و مقام ملتے ہوئے نظر آیا۔ حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانے میں خواتین نے معاشرے کو اسلامی خطوط پر استوار کرنے میں حکومت کا بھرپور ساتھ دیا۔ مسلمان خواتین نے نسلوں کی تربیت کی، اللہ کے راستے میں نکلنے والے مجاہدینکو جنگی تیاری میں مدد فراہم ،خود اللہ کے راستے میں جنگوں میں شامل ہوئیں، جنگوں میں زخمیوں کی کی مرہم پٹی اور ان کے علاج معالجے کا بندوبست کیا۔ اور صرف یہ نہیں بلکہ وہ تعلیم و تربیت اور اعمال صالحہ میں بھی مصروف رہیں۔ ان سب کے ساتھ ساتھ وہ خانگی امور اور اندرون خانہ سرگرمیوں میں بھی مصروف رہیں۔ غرض زندگی کے ہر شعبہ میں عورتوں کو نمائندگی فراہم کی گئی۔

حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے خواتین سے امور سلطنت کے بارے میں بھی مشورہ کیا کرتے تھے بطور خاص امہات المومنین کی آراء کو اور دیگر صحابیات کی آراء کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ اس حوالے سے عہد رسالت اور عہد خلافت راشدہ کے بہت سے واقعات ملتے ہیں۔ معاشرہ میں خواتین کا کردار نہ صرف اجتماعی کاموں میں ہاتھ بٹانے تک تھا بلکہ وہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم پر تعمیری اور مثبت تنقید بھی جاری رکھتیں تھیں۔ ایک مرتبہ ایک خاتون نے خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کو سر راہ روک کر یہ کہا۔ اے عمر لوگوں کے معاملے میں اللہ سے ڈرو۔ جب آپؓ کے ساتھی نے اسے ٹوکنا چاہا تو حضرت عمرؓ نے اسے منع فرما دیا اور اس عورت کی اس مثبت رویہ کی حوصلہ افزائی فرمائی۔[252]

---

[250] ایضاً

[251] طنطاوی، محمد سیّد، عمر بن خطاب ۱۸۴،

[252] عمری، جلال الدین، عورت اسلامی معاشرہ میں، مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور ۱۹۸۳، ۱۷۹

ذاتی زندگی کی آزادی اور معاشی تحفظ: حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے معاشرے کے ہر فرد کو محترم اور مفید سمجھا اور اسی کے مطابق اس کی خدمت اور حوصلہ افزائی کی۔ مسلم، غیر مسلم، امیر، غریب، مسافر، مقیم اعلیٰ، ادنیٰ کی کوئی تقسیم نہیں تھی۔ حضرات خلفائے راشدین اپنے آپ کو مختار کل نہیں سمجھتے تھے بلکہ خود کو رعایا کی ہی طرح سمجھتے اور ان کے کادم اور ذمہ دار کی طرح سمجھتے تھے۔ ان حضرات نے تمام ضعیفوں اور مسکینوں کے لئے اپنی ذات کو مرجع بنالیا تھا۔ ہر ایک کی ضروریات پوری کرنے کی کوشش کرتے اور اسے معاشی طور پر خوشحالی کی طرف لے جانے کی کوشش کرتے تھے۔

اسی سلسلے میں حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے تمام ضرورت مندوں کی تمام ضروریات کو پورا کرنے کے لیے ان کے ناموں کا بیت المال کے رجسٹر میں اندراج کیا اور اسلامی حکومت کی طرف سے انکی مسلسل نگرانی کی جاتی اور ان کو وظائف دیے جاتے تھے۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالی کے متعلق ایک خاتون کا بیان ہے:

"فارسل الي بخمسين درهما وشقيقة سلالية ثم قال هذا عطاء ابنك وهذا كسوته فاذا مرت به سنة رفعناه الى ماة"[253]

ترجمہ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مجھے پچاس درہم دے کر بھیجے اور یہ ارشاد فرمایا کہ یہ آپ کے بیٹے کے لئے تحفہ ہے اور یہ اس کے لئے عمدہ کپڑے ہیں۔ جب وہ سال کا ہو جائیگا تو ہم دراہم کی تعداد ایک سو تک بڑھادیں گے۔

اس واقعہ سے حضرت عثمانؓ کا اپنی رعایا کی خبر گیری کرنے اور ان کی ضرورتوں کا خیال رکھنے کا سبق ملتا ہے۔ اتنی وسیع و عریض سلطنت ہونے کے باوجود ان تمام امور میں از خود حصہ لیتے اور رعایا کی خبر گیری فرماتے اور معاش کا بندوبست فرماتے۔

حضرات خلفائے راشدین شہریوں کی نجی زندگی میں حکومت کی بے جا دخل اندازی کرنے کو بھی ناپسند فرماتے تھے۔ مذہب اور عقیدے کی آزادی، معاشی زندگی اور ملکیت کے حقوق، قانون وراثت اور ان تمام حقوق کے تحفظ کے اقدامات خلفائے راشدین کے تاریخی کارنامے ہیں۔ خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ نے حضرت عمر بن عاص رضی اللہ عنہ کو شام اور فلسطین کی طرف مہم پر روانہ کرتے ہوئے فرمایا تھا: اپنے ساتھیوں کے ساتھ اسی طرح پیش آؤ جس طرح والد اپنی اولاد کے ساتھ پیش آتا ہے۔ اور لوگوں کے راز نہ ٹٹولو اور ان کے ظاہر کے مطابق ان کے ساتھ معاملہ کرو۔[254]

افراد معاشرہ کی اصلاح کی کوششیں: حضرات خلفائے راشدین ہمیشہ ہی معاشرے کی اصلاح کی کوشش کیا کرتے تھے اس مقصد کے لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا اپنے منصبی فرائض میں سے ایک فرض سمجھتے تھے۔

کسی بھی معاشرے کی بنیادی اکائی اس معاشرے کے افراد ہیں اور اس معاشرے کے بگڑنے یا سنورنے میں ان افراد کا بہت بڑا عمل دخل ہوتا ہے اسی وجہ سے اصلاح معاشرہ کے لئے خلفاء راشدین ہمیشہ پر عزم رہے۔ اسلامی ریاست اور حکومت جہاں عوام الناس کی دنیاوی ضروریات پوری کرنے کی ذمہ دار ہوتی ہے ہے وہیں وہ ان کی روحانی اور دینی و دنیادی تعلیم ان کی اخلاقی تربیت کی ذمہ دار ہوتی ہے لہذا خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے ہمیشہ ریاست کے دونوں بنیادی ستونوں کو کمزور نہ ہونے دیا اور اس مقصد کے لیے انہوں

---

[253] الماوردی، امام ابو الحسن علی بن محمد بن حبیب بصری، الاحکام السلطانیہ ترجمہ مولوی سید محمد ابراہیم، نفیس اکیڈیمی کراچی، ص ۱۴۴

[254] مودودی سید، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن لاہور ۵ / ۸۹

نے قانون کی حاکمیت اور عدل اور انصاف کی فراہمی کو یقینی بنایا۔ خلافت راشدہ کے یہ وہ معاشرتی احسانات ہیں جو آج تک آنے والی انسانی حکومتوں کے لئے مشعل راہ بنی ہوئی ہیں۔ ان زریں اصولوں سے نہ صرف مسلمان حکومتیں فیضیاب ہوتی ہیں بلکہ انسان کے اجتماعی شعور بھی ان سے فائدہ حاصل کرتے ہیں اور معاشرے کی فلاح اور معاشرے میں امن وامان کے کے کوششیں کی جاتی ہیں۔ اسلامی معاشرہ اصول حکمرانی سے لے کر تمدن کے نظام تک ہر ایک معاملے میں اور ہر ایک جذیئے میں ہمیشہ خلافت راشدہ کا ممنون رہے گا۔ اگر ہم تاریخی حقائق اور مثالوں والوں کو دیکھیں تو ہمیں یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ انسان کو اپنی دنیاوی اور اخروی کامیابی کے لیے جس جامع نظام کی ضرورت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور ان کے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کا نظام ہے اس نظام کے ذریعے معاشرہ امن وامان اور سکون کی آماجگاہ بن سکتا ہے۔

محکمہ پولیس کی اصلاح اور عصری معاشرتی امن: دنیا کے مختلف ممالک میں نظام کی اصلاح ایک مستقل اور بتدریج عمل ہے۔ جس قدر نظام درست، چست، منظم اور اقدار پر مبنی ہو گا اسی قدر ملک بھی پائیدار و مستحکم کہلائے گا۔ دنیا کے وہ ممالک جہاں آبادی کے تناسب سے نظام کو چلانے والے مقدار یا صلاحیتوں کے اعتبار سے کم ہیں، وہاں مسائل کا حل بھی ممکن نہیں ہے۔ اس کے برعکس مسائل کے حل میں ایک جانب انسانی وسائل بھرپور ہونے چاہیں تو یہ بھی ضروری ہے کہ موجود انسانی وسائل کو قابل قدر اور قابل استعمال بنایا جائے۔ ہندوستان میں گزشتہ تین دہائیوں سے خصوصاً اور عموماً آزادی کے بعد سے پولیس نظام کی اصلاح کی کوششیں جاری ہیں۔ پولیس وہ ادارہ ہے جو نہ صرف نظام کو درست رکھنے، نظم ونسق چلانے، انسانی مسائل کے حل میں بہترین کارکردگی انجام دینے میں سرگرم رہتا ہے بلکہ سماج میں پھیلی برائیوں کے خاتمہ کے لیے بھی پوری طرح مستعد رہنے والا ادارہ ہے۔ چونکہ نظام میں بگاڑ ایک حقیقت ہے لہذا اس ادارہ میں بھی مختلف وجوہات کی بنا پر خامیاں محسوس کی جاتی رہی ہیں۔ پولیس نظام کی اصلاح ہندوستان میں آزادی سے قبل انگریزوں کے زمانے سے آج تک جاری ہے۔ بے شمار کمیشن قائم ہو چکے ہیں اور تجاویز، مشورے اور تربیت و تنظیم کے پروگرام بنائے جا چکے ہیں۔[255]

پولیس کے نظام کی اصلاح کے لیے اسلامی نظریاتی کونسل کی تجاویز: اسلامی نظریاتی کونسل کی رپورٹ جو کہ اسلامی نظام عدل کے نام سے مرتب کی گئی ہے۔ اس میں پولیس کے نظام اور اس کی اصلاح کے ساتھ ساتھ پولیس کی کارکردگی بہتر بنانے کے لیے تجاویز بھی دی گئی ہیں۔[256]

پولیس کی کارکردگی: برصغیر میں پہلی مرتبہ پولیس فورس کو پولیس ایکٹ ۱۸۶۱ کے تحت بنایا گیا تھا۔ جس کے قواعد وضوابط کے مطابق صوبوں کو اپنے لئے الگ طور سے پولیس کے قواعد اور ضوابط مقرر کرنے کا اختیار دیا گیا تھا۔ اس زمانے میں پولیس عدلیہ کے ماتحت ہوا کرتی تھی۔ پولیس کے تمام قوانین اور پولیس کی انتظامی قواعد میں اندرونی معائنہ نظام (inbuilt inspection system) کا اہتمام کیا گیا تھا۔ کسی بھی تھانے معائینہ کا طریقہ کار یا تھا کہ SHO سے اوپر کے عہدے پر فائز پولیس افسران کے علاوہ مجسٹریٹ سال میں ایک مرتبہ پولیس اسٹیشنوں کا معائنہ اپنے فرائض کا ایک آئینی اور محکم حصہ سمجھ کر کرتا تھا۔ یہ نظام پولیس انتظامیہ کی جانچ پڑتال

---

[255] علوی، خالد، اسلام کا معاشرتی نظام، الفیل ناشران وتاجران کتب، لاہور ۲۰۰۹، صفحہ ۲۴۵

[256] وحید الدین، ڈاکٹر، گومل یونیورسٹی، اسلام کا نظام عدل، صفحہ ۹۳ تا ۹۷

اور اس میں توازن پیدا کرنے کے لیے ایک بہترین اور موزوں نظام تھا۔ چونکہ سب ڈویژنل مجسٹریٹ اور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ باقاعدہ طور پر پولیس اسٹیشنوں کا معائنہ کیا کرتے تھے۔ اس وجہ سے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کو پولیس تھانوں کے سپرنٹنڈنٹ کی سالانہ خفیہ رپورٹ مرتب کرنے کا اختیار حاصل تھا۔ اس اصول کا مقصد یہ تھا کہ پولیس کے کام کی مؤثر جانچ پڑتال کے لیے پولیس کے محکمہ سے باہر انتظامیہ یہ یا عدلیہ میں سے افراد متعین کئے جائیں تاکہ ان کا احتساب اور جانچ اچھے طریقے سے کی جاسکے۔[257] پولیس کے شعبہ میں معاصر قیادت اور افرادی تنظیم leadership and personal discipline کی درستگی کرنے اور اصلاح کا پہلے بھی سوچا گیا لیکن چونکہ ایک سرکاری محکمہ دوسرے سرکاری محکمے کی افادیت یا اس کی تنظیم پر اعتراضات نہیں کر سکتا اس لیے اس مسئلے پر سنجیدگی سے غور نہیں کیا گیا۔ لیکن اب حالات اس نہج تک پہنچ چکے ہیں کہ اگر اس مسئلے پر سنجیدگی سے غور نہ کیا گیا تو معاشی بدعنوانی اور معاشرتی بدامنی بڑھ سکتی ہے۔

پولیس پر محتسب اعلی کی نگرانی: محتسب کے دفتر کے قیام کا مقصد یہ ہوتا ہے ہے کہ حکومت انتظامی مشینری میں موجود خرابیوں کو دور کر کے کے انتظامی ڈھانچے کو زیادہ مؤثر کیا جائے اس مقصد کے لیے محتسب اعلی کو پولیس کی جانچ پڑتال کی مکمل آزادی ہونی چاہئے۔

پاکستان میں پولیس کی اصلاح کے لئے تجاویز:

بے جا مداخلت کی روک تھام: پولیس کا نظام اور اس کی کارکردگی اس وقت تک بہتر نہیں ہو سکتی جب تک سرکاری کاموں میں پولیس کی بے جا مداخلت بند نہیں کی جاسکتی۔ مقدمات کے درج کرنے تفتیش کرنے، سفارش اور بیرونی مداخلت کو فوری طور پر ختم کیا جانا پولیس کے انصاف کے کام میں مثبت طور پر اثر انداز ہو سکتا ہے۔ اسی طرح پولیس کے افسران اور جوانوں کی پوسٹنگ اور ٹرانسفر میں بے جا مداخلت پولیس کے محکمے میں بہت سی خرابیوں کا باعث ہے۔

پولیس کی بھرتی: اس بات کا خیال رکھا جائے کہ پولیس کی بھرتی میرٹ کے مطابق ہو اور بھرتی میں میرٹ اور تعلیمی استعداد کو کو لازمی میں طور پر جانچا جائے اور اس بھرتی میں سفارش کی لعنت کو ختم کیا جائے۔

انصاف کی فی الفور فراہمی: کسی بھی جرم قتل اغوا برائے تاوان اور ڈکیتی وغیرہ کا جرم سرزد ہونے کی صورت میں پولیس کے افسران کو موقع پر پہنچنا لازم کیا جائے۔ تاکہ جرم کی نوعیت، وقت اور جرم کے مطابق انصاف فراہم کیا جاسکے۔ ذیل میں بیان کردہ افسران اگر موقع پر حاضر ہو جائیں تو انصاف کی فی الفور فراہمی ممکن ہو سکتی ہے۔ ایڈیشنل ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج، ڈی ایس پی، مجسٹریٹ درجہ اول، ایس ایچ او، اور اگر کوئی مقدمہ قتل کا ہو تو اس قتل کے مقدمے میں ڈاکٹر کو بھی پہنچنا چاہیے۔[258]

جرم ہونے کی صورت میں اگر یہ تمام افراد جرم کے موقع پر پہنچ جائیں اور موقع پر ہی شہادت لے کر فیصلہ سنایا جائے تو بہت سے جرائم کی روک تھام ہو سکتی ہے۔ سوائے ان مقدمات کے جو انتہائی پیچیدہ یا مشکل ہوں ان میں باقاعدہ ترتیب سے اس جرم کی پیروی کی جاسکتی

---

[257] نیازی، لیاقت علی خان، ڈاکٹر، اسلام کا انتظامی قانون، دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور ۲۵

[258] ڈاکٹر، نیازی، لیاقت علی خان، اسلام کا انتظامی قانون، دیال سنگھ لائبریری، ۲۳۵

ہے۔اس طرح بہت سے ایسے معاملات جن کا فیصلہ کرنے میں عدالت کو بہت وقت لگ جاتا ہے فوری طور پر نمٹائے جاسکتے ہیں اور عدالت کا بہت سا وقت بچ سکتا ہے۔[259]

پولیس کا احتساب: پولیس کو بااختیار بنانے اور اس کے کام میں بیرونی مداخلت ختم کرنے کی انتہائی ضرورت ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ پولیس کا بھی باقاعدہ احتساب کیا جائے۔اس ضمن میں یہ بات انتہائی ضروری ہے کہ ضلع کی سطح پر پولیس افسران، انتظامیہ اور عمائدین پر مشتمل کمیٹیاں ہوں جو پولیس اہلکاروں کے خلاف کارروائی کر سکیں اور ان کا محاسبہ ہو سکے۔

پولیس کے قوانین میں ترمیم: دفعہ ۵۴ ضابطہ فوجداری کے تحت پولیس کسی بھی شخص کو شک کی بنیاد پر پکڑ سکتی ہے۔اور کسی بھی شخص کو آوارہ گردی کے جرم میں پکڑ سکتی ہے۔ اس طرح کی بہت سی دفعات ایسی ہیں جن میں پولیس کو فوری کاروائی کا اختیار دیا گیا ہے۔ایسی دفعات عوام الناس کا استحصال کرنے اور ان پر ظلم کرنے کا راستہ بن سکتی ہیں۔ قوانین میں ترمیم کرکے کے یہ بات لازم کی جائے کہ ماسوائے سنگین جرائم کے پولیس کو گرفتار کرنے کا حق حاصل نہ ہو کسی بھی شخص کو بلاوجہ گرفتار نہ کیا جاسکے۔

تفتیشی پولیس کی علیحدگی: پولیس کی تفتیش کرنے والی ٹیم علیحدہ ہونی چاہیے۔پولیسی تھانے میں میں تفتیشی ٹیم علیحدہ سے ہوں اور ان سے دوسرے کام نہ لئے جائیں صرف مقدمات کی پیروی اور مقدمات کے حوالے سے تفتیش کرنا ان کا کام ہو۔اس صورت میں پولیس کا محکمہ اپنی ڈیوٹی ذمہ داری اور درست طریقے سے سرانجام دے سکتا ہے۔ اسی طرح گشت کے نظام کے لیے علیحدہ پولیس فورس ہونی چاہیے، پولیس کے جوان رات کو گشت کرتے ہیں اور دن کو سرکاری ڈیوٹی جو انتہائی دشوار گزار ہے۔اس سے موثر طور پر جرائم کی روک تھام نہیں ہو سکتی۔

حبس بے جا: عدالت عالیہ میں حبس بے جا کی رٹ پیش کی جاسکتی ہے لیکن ایسا کرنے سے اکثر لوگ قاصر ہوتے ہیں اگر اس کے ساتھ ساتھ ڈسٹرک مجسٹریٹ کو بھی یہ اختیار دیا جائے تو ضلع، تحصیل اور تھانہ کی سطح تک سائل کو انصاف فوری اور سستا انصاف مل سکتا ہے[260]۔

عصر حاضر میں محکمہ احتساب کا معاشرتی امن میں کردار:

احتساب کا محکمہ حضرت نبی اکرم ﷺ کے زمانہ مبارکہ ہی سے قائم تھا۔ حضرت نبی اکرم ﷺ خود ہی اس محکمہ کے سربراہ کے طور پر معاشرتی برائیوؓ کے تدارک کے لئے اقدامات فرماتے تھے۔ حضرات خلفاء راشدینؓ کے دور میں بھی ابتدائی طور پر حضرات خلفاء راشدینؓ اور ان کے عمال ازخود معاشرتی برائیوں کے تدارک میں مصروف کار رہتے تھے۔ حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے دور میں ابتدائی طور پر محتسب کا محکمہ قائم ہو گیا تھا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں قاضی خود ہی محتسب کے فرائض سرانجام دیتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے دور میں قاضی القضاۃ ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ نے محتسب کے فرائض سرانجام دیے۔[261] حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کے دور میں میں ابو ادریس الخوارزمی میں ادا مظالم عدالت کے سربراہ تھے، حضرت عثمان

---

[259] ایضاً

[260] علوی، خالد، اسلام کا معاشرتی نظام، الفیل ناشران وتاجران کتب، لاہور ۲۰۰۹، صفحہ ۲۳۵

[261] ندوی، علامہ معین الدین احمد خلفائے راشدین، ناشران قرآن اکیڈمی لاہور، ص ۳۲۲

رضی اللہ تعالی عنہ کے دور میں بھی یہ ادارہ قائم رہا۔ لیکن جب اسلامی سلطنت میں وسعت آگئی تو ان حضرات کا از خود ہی یہ عمل سر انجام دینا خلافت اور امارت کی ذمہ داریوں کے بوجھ کے ساتھ ساتھ مشکل سے مشکل تر ہو گیا۔ حضرات خلفاء راشدین کے زمانہ میں اس محکمہ ک باقاعدہ بنیاد رکھی گئی اور اس کے نگران کو عامل السوق کہا گیا۔ خواجہ احمد محمود اپنی کتاب دستور الاحتساب میں محتسب کی ذمہ داریاں بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"عامل السوق کا کام معاشرتی برائیوں کا تدارک ہوتا تھا۔ عامل السوق کسی بھی علاقے سے ہر قسم کی معاشرتی معاشی یا اخلاقی برائیوں کے خاتمہ کا ذمہ دار ہوتا تھا۔ صفائی ستھرائی کا خیال رکھنا، شراب اور ناجائز چیزوں کی خرید و فروخت سے ممانعت کرنا، آوارہ گردی سے لوگوں کو بچانا، شہریوں کو یہ ہدایت کرنا کہ اپنے مویشیوں کو باندھ کر رکھیں، عام راستوں پر عمارات کی تعمیر کیسے روکنا، ہمسائے کے راستے یا روشنی کو بند کرنے سے روکنا، ناپ تول میں کمی بیشی کرنے سے روکنا، برائی اور بے حیائی کے کاموں سے روکنا، مساجد کو تجارت کی جگہ بنانے سے روکنا، عورتوں اور مردوں اختلاط سے روکنا اور اس طرح کی تمام ذمہ داریاں محتسب کے ذمہ تھیں۔ گویا محتسب کے ذمے میں ایسے تمام امور ہیں جن کی وجہ سے معاشرتی امن پامال ہوتا ہے۔"[262]

علامہ ماوردی اپنی کتاب الاحکام السلطانیہ [263] میں لکھتے ہیں۔

"محتسب تجارتی امور میں بہت اہم کردار ادا کرتا تھا مارکیٹ میں قیمتوں کا تقرر کرتا تھا ناپ تول میں کمی کرنے سے روکنا اور سڑکوں کی دیکھ بھال بھی اسی کے ذمہ تھی۔ حتی کہ طبیب حکیم و اساتذہ کا احتساب کرنا بھی اسی کے ذمہ تھا"۔

سربراہ مملکت اور احتساب: اہل مغرب کا نظریہ تو یہ ہے کہ صدر مملکت یا کسی ملک کے سربراہ کے خلاف کسی قسم کا دعوی نہیں کیا جا سکتا اور اس کا احتساب بھی نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اگر ہم اسلامی سلطنت میں اسلامی سربراہ کے بارے میں بات کریں تو یہ دیکھنے کو ملتا ہے کہ اسلامی مملکت میں سربراہ مملکت عوام کی جان مال ان کی عزت اور آبرو کا محافظ ہوتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ خود بھی احتساب کے تحت آسکتا ہے۔ اور قانون کی نظر میں اس میں اور ایک عام آدمی میں کوئی فرق نہیں رکھا گیا۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ فرماتے ہیں:

" اسلامی سربراہ مملکت اگر سلطنت کے امور میں کوئی ایسا کام سرانجام دے جو صرف سلطنت سے متعلق ہو تو اس کے خلاف دعویٰ نہیں کیا جا سکتا البتہ عمومی نوعیت میں اس کے خلاف دعویٰ کیا جا سکتا ہے۔"[264]

لیکن فقہ کی رو سے دیکھا جائے تو سربراہ مملکت اور عام شہری میں کوئی فرق نہیں ملتا اور یہی خلفاء راشدینؓ کی بھی سنت ہے۔

پاکستان میں نظام احتساب: اگر ہم پاکستان میں احتساب کے عمل کو جاننا چاہیں تو ہمیں سب سے پہلے ان اداروں کا تذکرہ کرنا ہو گا جن کے ذمہ احتساب کا کام ہے۔ پاکستان میں احتساب کا کام کرنے کے لئے درج ذیل ادارے اور تنظیمیں عمل میں لائی گئی ہیں۔

---

[262] احمد محمود، خواجہ، کتاب دستور الاحتساب، المکتبہ السلفیہ، ۱۹۸۶، ص ۲۳۳

[263] الماوردی، امام ابو الحسن علی بن محمد بن حبیب بصری، الاحکام السلطانیہ ترجمہ مولوی سید محمد ابراہیم، نفیس اکیڈیمی کراچی ص، ۲۴۵

[264] ڈاکٹر حمید اللہ، اسلامی ریاست، الفیصل ناشران وتاجران کتب اردو بازار لاہور، ۲۰۰۵ ص ۱۳۴

۱۔ وفاقی محتسب کا ادارہ: یہ ادارہ ۱۹۸۳ میں وجود میں آیا۔ اس کے پاس تین سال کے عرصے میں ایک لاکھ تیس ہزار پانچ سو چھپن درخواستیں موصول ہوئیں۔ یہ ادارہ انتظامی زیادتیوں کے حوالے سے کام کرتا ہے البتہ عدالتی معاملات میں مداخلت نہیں کرتا۔ اب وفاقی محتسب کے ادارے کو صوبائی سطح پر بھی شروع کیا گیا ہے۔ اور صوبہ پنجاب وغیرہ میں صوبائی محتسب کا ادارہ بھی قائم گیا گیا ہے[265]۔

۲۔ وزیر اعظم کی معائینہ کمیٹی: یہ کمیٹی انتظامی زیادتیوں کو روکنے اور بڑی سطح پر سکینڈلز کی تحقیقات کرنے کے لئے قائم کی گئی ہے۔ یہ کمیٹی براہ راست سربراہ مملکت یعنی وزیر اعظم کے ماتحت ہوتی ہے۔ اور ان کے احکامات کے مطابق عمل کرتی ہے۔

۳۔ فیڈرل اینٹی کرپشن کمیٹی: اس ادارے کے ذریعے پورے ملک میں ہر طرح کی برائی اور کرپشن کو روکا جاتا ہے اور معاصر معاشی دھاندلیوں کا احتساب کیا جاتا ہے۔ اسکے قیام کا اصل محور کرپشن کی روک تھام کے لئے موثر اقدامات کرنا ہے[266]۔

۴۔ عدالتیں: سپریم کورٹ اور ہائی کورٹ کسی بھی رٹ کی شکل میں عوام کے بنیادی حقوق کا تحفظ کرتی ہے۔ اسی طرح ہر غیر قانونی کام میں گرفت کرتی ہیں۔ سیشن عدالتیں، سول عدالتیں، فوجی عدالتیں، سول کورٹس، بینکنگ کورٹس اور سنگین جرائم کے روک تھام کے لئے عمومی عدالتیں احتسابی کا کا عمل سرانجام دیتی ہیں۔

۵۔ اسمبلیاں: مرکزی اور صوبائی سطح پر اسمبلیاں جمہوریت کی بنیاد ہیں۔ اور ان اسمبلیوں میں ہر طرح کے ظلم وجور اور ہر طرح کی برائی کے خلاف آواز اٹھائی جاسکتی۔ اور مذہبی اور قومی معاملات کے متعلق بحث ومباحثہ کیا جاتا ہے۔ کسی بھی ملک میں اس کے مستقبل کے متعلقہ امور میں اسمبلی کا بہت عمل دخل ہوتا ہے۔ اس ملک میں قومی اور صوبائی سطح پر مقرر کردہ امیدواران کا انتخاب اسی اسمبلی کے لئے ہوتا ہے جو کسی بھی علاقے کی عوام کی نمائیندگی کرتے ہیں[267]۔

۶۔ پبلک اکاونٹس کمیٹی: یہ کمیٹیاں منتخب نمائندوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ اور محکموں کا مالی احتساب کرنا ان کا ذمہ ہوتا ہے۔ کسی بھی محکمہ کی طرف سے کرپشن یا مالی بے ضابطگیوں کی صورت میں یہ کمیٹی اس مالی بے ضابطگی کے متعلق چھان بین کرتی ہے اور مجرموں کو ان کے جرم کے مطابق سزا دی جاتی ہے۔

۷۔ آڈیٹر جنرل اور آڈٹ کا ادارہ: یہ ادارے مالی احتساب کے لئے وجود میں لائے گئے ہیں ان کا کام سرکاری اداروں میں مالی بے ضابطگیوں کو روکنا ہے۔ کسی بھی مالی ادارے کا ماہانہ وسالانہ آڈٹ ہوتا ہے۔ اور یہ ادارہ آڈٹ کرنے کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ اس ادارے کی بدولت بہت سی مالی بے ضابطگیوں کی روک تھام ہوتی ہے۔

۸۔ وزیر اعلیٰ معائنہ ٹیم: یہ ٹیم ہر صوبے کے وزیر اعلی کے ماتحت ہوتی ہے اور مختلف محکموں کا احتساب اس کے ذمہ ہوتا ہے۔ یہ ٹیم ڈائرکٹ وزیر اعلی کو رپورٹ پیش کرتی ہے۔ جس کے باعث بہت سے جرائم کا انسداد ممکن ہوتا ہے۔ وزیر اعلیٰ کو رپورٹ کرنے کی وجہ سے بہت سی برائیوں کا تدارک خود وزیر اعلیٰ کی بگرانی میں ہو سکتا ہے۔

---

[265] ڈاکٹر، نیازی، لیاقت علی خان، اسلام کا انتظامی قانون، دیال سنگھ لائیبریری، ۲۳۵

[266] ڈاکٹر، نیازی، لیاقت علی خان، اسلام کا انتظامی قانون، دیال سنگھ لائیبریری، ۲۳۵

[267] ایضاً

۹۔ سپریم جوڈیشل کمیشن: سپریم جوڈیشل کمیشن کا کام ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کے ججوں کے خلاف دھاندلی کی صورت میں ان کے خلاف کارروائی کرنا ہے۔ ہائیکورٹ کی سطح پر ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج کے ایک آفیسر ہے جسے ممبر انسپکشن کہا جاتا ہے یہ ضلعی عدلیہ کے خلاف کاروائی کر سکتا ہے۔

۱۰۔ سرکاری ملازمین سے متعلقہ انتظامی قوانین اور ان کی محکمانہ تحقیقات: سرکاری ملازمین کی کارکردگی کو بہتر کرنے اور بے ضابطگیوں کو روکنے کے لیے باقاعدہ قوانین ترتیب دیے گئے ہیں۔ جن قوانین کے تحت محکمے سرکاری ملازمین کی کی تحقیقات کر سکتے ہیں۔

۱۲۔ خفیہ رپورٹیں: یہ بھی سرکاری ملازمین کو قابو میں رکھنے کا ایک بہت موثر ذریعہ ہیں۔ ان کے ذریعے ان افسران کو جو ماتحتوں پر زیادتی اور ظلم کرتے ہیں احتساب کے تحت لایا جاسکتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ایسے جرائم پیشہ افراد جو ملک میں اعلیٰ مناصب پر ہوں یا بہت طاقتور سمجھے جاتے ہوں اور ظاہری طور پر کوئی ان کے خلاف کاروائی کرنے سے خائف ہو ان کے متعلق بھی یہ خفیہ رپورٹیں بہت کارآمد ثابت ہوتی ہیں۔

۱۳۔ سیکرٹریٹ میں شکایات کا ازالہ: لوگوں کی شکایات کا ازالہ کرنے کے لیے سیکرٹریٹ میں implementation and coordination cell کھولا گیا ہے۔ جو کافی حد تک موثر ہے خاص طور پر ملازمین کے حق میں اس کی افادیت بہت ہے۔

۱۴۔ anti corruption establishment: اس ادارے کے ملازمین مین غلط کار بیوروکریسی کو کو اپنی گرفت میں لے کر بیوروکریسی کے ذریعے ملکی تقدیر بدل سکتے ہیں۔

۱۵۔ اجلاس عام اور کھلی کچہریاں: حکومتی مشینری وزارہ افسران بالا، کمشنر، ڈپٹی کمشنر وغیرہ کے دورے، اجلاس عام اور کھلی کچہری بھی احتساب کا ایک عام اور موثر ذریعہ ہیں۔

۱۶۔ پولیس کے زریعے احتساب: مجرموں کے احتساب کے لئے پولیس کا عمل دخل بھی کسی سے ڈھکا چھپا نہیں ہے اور انتہائی موثر کردار ادا کیا جاسکتا ہے۔

۱۷۔ ملٹری پولیس: پولیس، انٹیلیجنس، آئی فائیو، اور منسٹری ایکٹ کے تحت کورٹ مارشل جیسی کارروائیاں فوجی جوانوں اور افسران کے لئے بہت معنیٰ رکھتی ہیں اور فوج کی کارکردگی کو بہتری کی طرف لے کر جاتی ہیں[268]۔

ایف آئی اے: یہ ادارہ کافی موثر ہے بالخصوص مرکزی محکمہ جات کے لیے اور بین الاقوامی طور پر بے ضابطگیوں کی تحقیقات کے لیے۔[269] اس ادارے کا مقصد تمام اداروں کی تفتیش کرنا اور جرائم کے سدباب کے لئے کوششیں کرنا ہے۔ اس ادارے کے ذریعے ایسے تمام افراد کو جو ملکی معاملات میں دخیل ہوں ان کی کسی کرپشن یا بے ضابطگی کے لئے تفتیش کیا جاسکتا ہے اور ان کا جرم ثابت ہونے پر عدالت سے سزا دلوائی جاسکتی ہے۔

احتساب کی درستگی کے لیے چند تجاویز: کسی بھی معاشرے کو مستحکم اور امن و امان کا گہوارہ بنانے کے لیے اس معاشرے میں جرائم کی روک تھام اور اور برائیوں کے تدارک کا باقاعدہ نظام ہونا بہت ہی ضروری ہے۔ جس ملک میں احتساب کا نظام اور عدلیہ یہ فعال کردار

---

[268] ڈاکٹر، نیازی، لیاقت علی خان، اسلام کا انتظامی قانون، دیال سنگھ لائبریری، ۲۳۶

[269] ایضاً

ادا کرتی ہے اس ملک میں امن وامان کا قیام، سلامتی اور معاشرتی استحکام بڑھتا چلا جاتا ہے۔ گویا جرائم کا انسداد کرنا اور معاشرے کو مستحکم بنانا ہر حکومت کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ انسانی فطرت کسی بھی قانون یا ضابطے پر عمل دو ہی صورتوں میں کرتی ہے۔ انعام کے لالچ یا شوق وذوق سے اور دوسری صورت ہے کہ کسی کام کے نا کرنے پر سزا کا ڈر ہو۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کی اس فطرت کے پیش نظر انسان کو جنت اور اس کی نعمتوں کا وعدہ بھی فرمایا ہے اور برائی کو اختیار کرنے کی صورت میں جھنم اور اس کی سزاوں کا تذکرہ بھی فرمایا ہے۔ اسی لئے معاشرے میں احتساب کا موجود ہونا اور جرائم کی روک تھام کے لئے باقاعدہ نظام کا موجود ہونا معاشتی امن واستحکام کا باعث بنتا ہے۔

احتساب کے نظام کی بہتری کے لئے کچھ گزارشات پیش کی جاتی ہیں جو کہ معاشرتی امن کے لئے زیادہ موثر ہونگی:

۱۔ پولیس کے نظام میں تبدیلی کی ضرورت ہے۔ کیونکہ موجودہ حالات میں پولیس معاشرتی برائیوں کے تدارک میں اپنا فعال کردار ادا کرنے میں ناکام ہے۔ اور معاشرہ برائیوں اور فتنہ وفساد کی آماجگاہ بنتا چلا گیا ہے۔

۲۔ پاکستانی معاشرے کے مزاج کے مطابق احتساب کرنے والے کو قانونی اختیارات دیے جائیں تاکہ وہ اختیار کو استعمال کرتے ہوئے معاشرے میں امن وامان قائم کر سکیں۔ کیونکہ اختیارات کی کمی کی وجہ سے بڑے مجرم اپنے لئے راستہ نکال لیتے ہیں اور چھوٹا موٹا جرم کرنے والے اور اپنا دفاع نہ کر سکنے والے، ضعیف وکمزور قانون کی سخت گرفت میں آجاتے ہیں۔

۳۔ کسی بھی معاشرے میں برائی کا ایک بڑا ذریعہ منشیات کا استعمال بھی ہے۔ منشیات انسانی معاشرے کے لئے ناسور ہونے کے ساتھ ساتھ انسانی صحت پر بھی بہت برا اثر ڈالتی ہیں۔ منشیات کی روک تھام کا باقاعدہ بندوبست کیا جائے۔ اور اس کے لئے قومی سطح پر باقاعدہ منصوبہ بندی کی جائے۔ اس کام کے لئے باقاعدہ ایسی فورس تشکیل دی جائے جو نشے کے عادی افراد کو نشہ چھڑانے کی کوشش کریں اور باقاعدہ حکومتی سطح پر ایسے مراکز قائم کئے جائیں جو ان کی صحت کا خیال رکھیں۔

۴۔ گداگری کی لعنت کا خاتمہ کرنے کے لئے موثر اقدامات کئے جائیں اور ایک باقاعدہ محکمہ قائم کیا جائے جو اس حوالے سے تفتیش کرئے کہ گداگری کرنے والوں کی پشت پناہی کون کر رہا ہے اور کون واقعی طور پر مفلس ہے۔ اور ان کے حالات کے مطابق ان کے متعلقہ فیصلے کئے جائیں۔

۵۔ رشوت کی روک تھام کی جائے اور عوام الناس کے حقوق کی پامالی کی صورت میں محتسب کے پاس اختیار ہو جس کے تحت وہ رشوت لینے والوں کو کڑی سے کڑی سزا دے سکے۔

۶۔ خوراک میں ملاوٹ کرنے اور معاشی اصلاحات کے متعلق امور محتسب کے دائرہ کار میں ہوں اور محتسب ان کے متعلق باقاعدہ محکمانہ کاروائی کرنے کا پابند ہو تاکہ معاشرتی افراط وتفریط سے بچا جا سکے۔

۷۔ ہر ضلع اور ڈویژن میں محتسب مقرر ہونے چاہیے جن کے ذمہ ان اضلاع کے تمام معاملات ہوں۔ اور ان کی کمیٹی کے ممبران کے لئے اس ضلع کے ہر دوکان دار، ہر محکمہ کے متعلق تمام ضروری معلومات موجود ہوں اور گرانفروشی، معاشی استحصال، معاشری بدامنی وغیرہ ہر صورت میں محتسب تک باقاعدہ ہر معاملہ کی رپورٹ پہنچنی چاہیے۔ اور محتسب پر بھی محکمانہ طور پر ہر معاملہ کی اصولی طور پر

تفتیش اور باقاعدہ تمام امور صفاف و شفاف موجود ہوں اور اگر ممکن ہو سکے تو افادہ عام کے لئے انٹرنیٹ پر بھی ان امور کو باقادہ عام کی دسترس میں دیا جاسکے تاکہ عوام کے ساتھ احتساب کے نام پر کھلواڑ نہ ہو سکے۔

فصل دوم: خارجی امن وامان کے متعلق خلفاءراشدین کی تعلیمات واقدامات اوران کی عصری معنویت

مبحث اول: خارجی امن وامان کے متعلق خلفاءراشدین کی تعلیمات واقدامات

مفتوحہ علاقوں کی عوام کے حقوق کا تحفظ، فلاح وبہبود:

اسلام کے بین الاقوامی قانون کی بنیادی قرآن کریم اور حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ اگر ہم دنیا کے قدیم رسم و رواج اور مذاہب کو دیکھیں تو وہاں دشمن پر کسی قسم کا کوئی رحم اور اس کے ساتھ کسی قسم کی بھلائی نہیں ملتی جبکہ اسلام کے بین الاقوامی قانون میں غیر مسلموں کے حقوق کے تحفظ کے لیے بہت سے قوانین موجود ہیں۔ مسلمانوں کے ہاں یہ قاعدہ معروف ہے۔ المسلم والکافر فی مصاب الدنیا سواء، یعنی چاہے مسلمان ہو یا کافر ہو ہو وہ دنیاوی معاملات میں سب کے ساتھ اسلامی ریاست کے لیے برابر ہے[270]

ڈاکٹر حمید اللہ اپنی کتاب عہد نبوی میں نظام حکمرانی میں غیر مسلموں کے حقوق کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں ہیں اسلام کا بین الاقوامی قانون مسلمانوں کا وہ رویہ ہے جس کے تحت مذہبی طور پر اور قانونی طور پر غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات کا عمل کے دوران پابند ہیں اور جس کی خلاف ورزی کرنا گناہ ہے۔ غیر مسلموں کی اقسام سے پہلے ہم اسلامی ریاست اور دوسری ریاستوں کی اصطلاحات کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور پھر یہ سمجھتے ہیں کہ فقہ اسلامی میں غیر مسلموں کے لیے کون کون سی اصطلاح استعمال ہوئی ہیں۔

دارالاسلام: اس سے مراد وہ علاقے ہیں جہاں اسلامی حکومت قائم ہو اور اسلامی احکامات اور شعار اسلامی نافذ ہو اور اور مسلمانوں کو کو ہر قسم کی آزادی اور امن اور تحفظ حاصل ہو۔[271]

دارالعہد: اس سے مراد وہ غیر مسلموں کے علاقے ہیں جو اپنی داخلی خود مختاری برقرار رکھنے کے لیے کسی اسلامی ریاست کی بالادستی تسلیم کر کے اس کے ساتھ معاہدے میں شامل ہو گئے ہوں امام شافعی رحمہ اللہ کے مطابق یہ معاہدہ مسلم ریاست کی انتظامی حدود میں ہوتا ہے دارالعہد میں مسلمانوں کی حکومت کا حصہ ہوتا ہے اور ایسے لوگوں کے سے مسلم ریاست ان کی حفاظت کے لیے ایک خاص رقم یعنی خراج وصول کرتی ہے۔ دارالعہد میں موجود لوگوں کا اسلامی ریاست کے ساتھ ایک معاہدہ ہوتا ہے جس معاہدے کی رو سے مسلمانوں کی حکومت ان کی حفاظت کرتی ہے اور وہ مسلمان حکومت کے قوانین اور اصولوں کی پاسداری کرتے ہیں۔[272]

دارالحرب: اس دارالحرب سے مراد وہ غیر مسلم علاقے یا وہ ریاستیں ہوتے ہیں جہاں اسلام کے دینی اور سیاسی احکام نافذ نہ ہوں اور وہاں مسلمانوں کی حکومت نہ ہو۔ اور جو مسلمانوں کے دشمن اور ان کی آزادی کے لیے خطرہ سمجھتے جاتے ہوں۔

اسی طرح فقہ اسلامی میں غیر مسلم تین طرح کے گردانے جاتے ہیں۔

---

[270] حمید اللہ، ڈاکٹر، عہد نبوی میں نظام حکمرانی، کراچی، اردو اکیڈمی ۱۹۸۱

[271] وہبہ الزحیلی، ڈاکٹر، آثار الحرب فی فقہ الاسلامی ط ۱۹۱، ۲

[272] نجیب الارمنازی، ڈاکٹر، الشرع الدولی فی الاسلام، مطبعہ ابن زیدون، ۱۹۰

ذمی: زمی سے مراد وہ لوگ ہوتے ہیں جو ایسے ممالک میں رہتے ہوں کہ جن ممالک کو مسلمانوں نے جہاد کے بعد فتح کیا ہو اور اسلامی ریاست نے اس علاقے کے لوگوں کی جان مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کی ذمہ داری اپنے ذمے لے لی ہو۔ اور انہیں اپنی مذہبی آزادی اور مذہبی قوانین پر عمل پیرا ہونے اور دیگر معاشرتی حقوق حاصل ہوں۔

معاہد: اس سے مراد وہ غیر مسلم لوگ ہیں جن کے علاقے اسلامی جہاد کے ذریعے فتح نہ ہوئے ہوں بلکہ وہ کچھ شرائط کے ساتھ خود اسلامی ریاست میں شامل ہو گئے ہوں چونکہ یہ شرائط اسلامی ریاست کے بنیادی اصولوں اور اس کی سالمیت کے خلاف نہیں ہوتی اس لیے اس بنیاد پر ان لوگوں کے ساتھ معاہدہ ہو جاتا ہے اور وہ معاہد کہلاتے ہیں۔

مستامن: ان سے مراد وہ تمام لوگ ہیں جو اجازت یعنی پاسپورٹ ویزہ لے کر کسی دنیاوی مقصد کے تحت یا کسی دینی مقصد کے تحت عارضی کام کے لئے دارالاسلام آئیں وہ مستامن کہلاتے ہیں۔

اسلامی ریاست میں ذمیوں کے حقوق اور انکی ادائیگی: اسلامی ریاست ایسے تمام لوگوں کے حقوق و فرائض کا خیال رکھتی ہے جو اس مملکت میں کسی بھی طور سے آئیں۔ خاص طور پر ذمیین کو خیال رکھتی ہے اور ان کے حقوق کی ادائیگی اور ان کی بھلائی کے لئے کوشاں رہتی ہے۔ حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ تعالی عنہ نے بھی ذمیوں سے جو عہد و پیمان کئے ان کی مکمل پاسداری کی اور ہمیشہ ہی ان کی بھلائی اور ان کی خوشحالی کے لئے کوشاں رہے۔ یہی وجہ تھی کہ کسی دوسرے خطے کی مظلوم عوام کے لئے اسلامی ریاست ہمیشہ ہی ماں کا درجہ رکھتی تھی۔ حضرت عمرؓ نے اپنی وفات سے قبل اپنے بعد منتخب ہونے والے خلیفہ کو نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

واوصی الخليفة من بعدي بذمة الله وذمة رسول اللهﷺ ان يوفى لهم بعهدهم وان يقاتل من ورائهم ولا يكلف فوق طاقتهم[273]

ترجمہ: میں اپنے بعد منتخب ہونے والے خلیفہ کو اس بات کی وصیت کرتا ہوں کہ ذمیوں کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے جو ذمہ دیا گیا ہے اس کی حفاظت کرے اور ان سے کئے گئے معاہدے کو پورا کرے اور اگر ان پر حملہ ہو جائے تو ان کے دفاع کے لیے جنگ کرے اور ان سے طاقت سے زیادہ کام نہ لے۔

ذمیوں سے حسن سلوک: کسی بھی اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ مملکت میں موجود ذمیوں سے حسن سلوک کا راستہ اختیار کرے اور ہمیشہ ہی ایسے قوانین بنائے جن سے ان کے حقوق کی حفاظت ہو سکے۔ حضرات خلفائے راشدین کے عہد کو اگر دیکھا جائے تو ہمیں بکثرت ایسے واقعات ملتے ہیں کہ حجرات خلفائے راشدین کس حد تک ذمیوں سے حسن سلوک کرتے تھے یہی وجہ تھی کہ اسلام کو قبول کرنا اور اسلام کے احکامات پر عمل پیرا ہونا اسلامی حکومت میں آنے والے ذمیوں کو سب سے بہترین راہ لگی اور بہت سے ذمی مسلمانوں کی صف میں شامل ہو گئے۔ جب ذمی اسلامی ریاست میں آتے ہیں تو ان کے لئے اللہ تعالیٰ اور حضرت نبی اکرم ﷺ کا ذمہ لازم ہو جاتا ہے اس لئے اسلامی حکومت ہمیشہ ہی ان کے حقوق کی ادائیگی کی کوشش کرتی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے علاوہ غیر مسلم عوام سے بھی بھرپور اور خیال رکھتے تھے ایک مرتبہ آپ نے اپنے ایک عامل کو ذمیوں کے حقوق اور ان سے حسن سلوک کے متعلق یہ لکھا

---

[273] بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کراچی، قدیمی کتب خانہ، کتاب المناقب، باب قصۃ البیعۃ والاتفاق علی عثمانؓ،

فانظر الی اهل الذمه فارفق بهم واذا کبر رجل لیس له مال فانفق علیه فان کان حمیما فمره حمیمه ینفق علیه قاصه من جراحه[274]

ترجمہ ذمیوں کا خیال رکھو اور ان کے ساتھ نرمی اور حسن سلوک کا برتاؤ کرو زخمیوں میں جو شخص بوڑھا اور نادار ہو جائے تو اس پر مال خرچ کرو اس کا کوئی عزیز رشتے دار صاحب حیثیت ہو تو اس کو اس ذمی میں کی کفالت کا حکم دو اگر نہ ہو تو بیت المال سے اس کی کفالت کا انتظام کرو اور اس کے زخم کا قصاص لو اس کی جان کا تحفظ دو۔

اہل الذمہ کے بنیادی حقوق کی حفاظت: اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ ذمیوں کے تمام بنیادی حقوق کی حفاظت کرے اور ان کے حقوق کے راہ میں حائل ہونے والی رکاوٹوں کا ازالہ کرئے۔ جس طرح تمام انسانوں کے بنیادی حقوق ہیں ایسے ہی ذمیوں کو بھی ان کے حقوق دئے جائیں گے۔

جان ومال کی حفاظت: انسان کی سب سے بڑی ضرورت اس کی جان کی حفاظت اور اس کی زندگی کی ضمانت ہے۔ اسلام ذمیوں کی جان کا تحفظ اور ضمانت اسی معیار کی دیتا ہے جس طرح عام مسلمانوں کو یہ حق حاصل ہوتا ہے۔ انسانی جان انتہائی معزز اور محترم ہے. انسانی جان کی اسی عظمت اور حرمت کی وجہ سے اسلام میں غیر مسلم شہریوں کی جان کو وہی عزت واحترام حاصل ہے جو کسی بھی مسلمان کی جان کو حاصل ہے۔ مسلمان ریاست غیر مسلم کی جان کی حفاظت کی ذمہ داری لیتی ہے اور اس کے نقصان کی بھرپائی کرنے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتی ہے۔ اس کے علاوہ آخرت میں جو وعید سنائی گئی ہے کہ جو مسلمان کسی غیر مسلم کو قتل کرے گا تو اسے جنت سے محروم ہونا پڑے گا یہ بھی نہایت سخت وعید ہے۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذمیوں کے بارے میں بہت ہی زیادہ تاکید کے ساتھ حسن سلوک کا حکم فرمایا ہے ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

من قتل معاهدا لم یرح رائحه الجنه وان ریحها لا یوجد من مسیره اربعین عاما[275]

ترجمہ: جو شخص کسی معاہد یعنی زمین کو قتل کرے گا وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں پہنچ سکے گا کہ جنت کی خوشبو تو چالیس سال کی مسافت تک موجود ہوتی ہے۔

خلفائے راشدین رضی اللہ تعالی عنہ نے اپنے دور خلافت میں ذمیوں اور معاہدین کے ساتھ حسن سلوک کا ہمیشہ خیال رکھا ہے۔ قرآن کریم میں جو آیت ہے کہ آنکھ کے بدلے میں آنکھ کا قصاص لیا جاتا ہے۔ اس آیت کے ذیل میں صحابہ کرام میں سے حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ اور بہت سے تابعین کا کا یہ نقطہ نظر ہے کہ مسلمان سے ذمی کا قصاص لیا جائے گا اگر مسلمان تعدی کرے گا۔ حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بکر بن وائل قبیلہ کے ایک مسلمان نے اہل حیرا میں سے ایک ایسے شخص کو قتل کر دیا جو زمی تھا جب حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے سامنے یہ معاملہ پیش ہوا حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے قصاص میں قتل کر دیا۔[276] اسی طرح حضرت علیؓ سے بھی ذمیین کے بدلہ میں قصاص کے حوالے سے یہ روایت ہے:

---

[274] ابن سعد، ابو عبد اللہ محمد، الطبقات الکبری، بیروت ۵/ ۳۸۰،

[275] بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح للبخاری، کراچی، قدیمی کتب خانہ، باب من قتل معاہدا، حدیث نمبر ۶۹۱۴

[276] عبد الرازق ابو بکر عبد الرازق بن ہمام الصنعانی المصنف تحقیق حبیب الرحمن اعظمی میں بیروت، مکتبہ اسلامیہ ۱۹۸۳ص ۱۰۱

لا يقتل مسلم بكافر[277]

ترجمہ: مسلمان کو کافر کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا

علامہ خطابی رحمہ اللہ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کے اس قول یعنی مسلمان کو کافر کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا اس کی وضاحت ان الفاظ سے کرتے ہیں: فيه البيان الواضح ان المسلم لا يقتل باحد من الكفار كان المقتول منهم ذميا او معاهدا او مستعملا او ما كان[278]

ترجمہ: اس میں یہ واضح بیان ہے کہ مسلمان کسی کافر کو قتل کر دے تو اس قتل کے بدلے میں مسلمان کو قتل نہیں کیا جائے گا چاہے مقتول ذمی ہو معاہد ہو، مستامن ہو یا جو بھی ہو۔ ذمیوں سے جو بھی معاہدے کیے جاتے ہیں ان معاہدوں کی پاسداری اسلامی حکومت کے لیے ضروری ہے اس حوالے سے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

قال رسول الله ﷺ لعلكم تقاتلون قوما فتظاهرون عليهم ويتقونكم باموالهم دون انفسهم وابنائهم قال سعيد في حديث فيصالحونكم على الصلح ثم اتفق فلا تصيبوا منهم شيئا فوق ذلك فانه لا يصلح لكم[279]

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اگر تم کسی قوم سے جہاد کرو اور اس جہاد کے بعد تم ان پر غالب آ جاؤ اور وہ اپنی اور اپنی اولاد کی جان بچانے کے لئے تمہارے ساتھ خراج کا معاہدہ کر لیں لے اس حوالے سے ایک اور حدیث میں ہے کہ جو تم سے صلح نامہ کرے تو بعد میں اس قوم پر مقررہ رقم سے زائد کچھ بھی مت لینا کیونکہ تمہارے لیے جائز نہ ہو گا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ ذمیین کے حوالے سے یہ ارشاد فرماتے ہیں:

انما قبلوا عقد الذمة لتكون اموالهم كاموالنا ودماؤهم كدمائنا[280]

ترجمہ: بے شک ان لوگوں نے ذمی ہونا اسی لئے قبول کیا ہے تا کہ ان کے اموال اور ان کی جان بھی ہماری اموال اور جان کی طرح ہی محفوظ ہوں۔

حضرات خلفاء راشدین نے ذمیوں کے ان کے تمام بنیادی حقوق عطاء فرمائے اور اپنے گورنروں اور اہل مناصب کو ہمیشہ ہی اس بات کی تاکید فرمائی کہ غیر مسلموں کے ساتھ شفقت اور نرمی کا برتاو کیا جائے اور ہمیشہ اپنے گورنروں کو اس بابت نصیحت فرمایا کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے اپنے دور خلافت میں ذمیوں کے حقوق کے حوالے سے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالی عنہ کو یہ نصیحت فرمائی:

فاذا اخذت منهم الجزية فلا شيء عليهم ولا سبيل[281]

جب آپ نے ان سے جزیہ لے لیا تو اب نہ تو کوئی اور چیز ان کے ذمہ لازم ہے اور نہ ہی ان کے لئے کوئی دوسرا راستہ ہے۔

---

277 بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح للبخاری، کراچی، قدیمی کتب خانہ، کتاب الدیات باب لایقتل مسلم بکافر، حدیث نمبر ۶۸۱۴

278 خطابی احمد بن محمد ابو سلیمان علیہ معالم السنن حلب، مکتبہ علمیہ، ۱۹۲۳ء ص ۱۷/ ۴

279 السجستانی، سلیمان بن الاشعث، سنن ابی داود، باب فی تعشیر اہل ذمۃ اذا اختلفوا بالتجارۃ، ۲/ ۵۱۷

280 الكاساني، ملك العلماء، علاء الدين، أبو بكر بن مسعود الحنفي، بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، مطبعة شركة المطبوعات العلمية بمصر ۷/ ۲۹۲

281 قاضی امام ابو یوسف، کتاب الخراج، مترجم نیاز احمد اوکاڑوی، مکتبہ رحمانیہ لاہور ص ۱۳۵

دار قطنی کی کی روایت میں اس بات کی تصریح ہے کہ حضرت ابو بکر حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ ذمی یہودی ہو یا نصرانی اگر قتل کیا جائے تو اس کی دیت دیا کرتے تھے۔ان ابا بكر وعمر رضي الله تعالى عنهما كان يجعلان دية اليهودي والنصراني اذا كان المعاهدين دية الحر المسلم

ترجمہ: حضرت ابو بکر حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ ذمی یہودی ہو یا نصرانی اگر قتل کیا جائے تو اس کی دیت آزاد مسلمان کے برابر دیا کرتے تھے۔

اسی لئے فقہائے کرام کے نزدیک یہ مسلمہ قانون ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی ذمی کو بغیر ارادے کے قتل کر دے تو اس کی دیت بھی اتنی ہی ہو گی جتنی کسی مسلمان کو غلطی سے قتل کرنے سے لازم آتی ہے کیونکہ جب اسلامی حکومت نے انہیں اپنی ذمہ داری میں لیا ہے تو اب اس کا فرض ہے کہ ان کی جان اور مال کی حفاظت کرے۔

مفتوحہ علاقوں کی ملکیت: جب عہد ذمہ قائم ہو جاتا ہے تو اہل ذمہ اپنی زمینوں کے بدستور مالک رہتے ہیں اور ان کی ملکیت وفات کے بعد ورثاء کو بھی منتقل ہوتی ہے اور انہیں ان زمینوں کو بیچنے، خریدنے، ہبہ کرنے اور رہن کے طور پر رکھنے کے بھی حقوق حاصل ہوتے ہیں ہیں اسی حوالے سے حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے زمانہ خلافت میں بہت بحث ومباحثہ اور اس کے بعد متفقہ طور پر یہ فیصلہ ہوا کہ ذمی جس زمین میں رہتے ہیں وہ زمین انہیں ملکیت ہو گی:

وقد رايت ان احبس الارضين بعلوجها الاوضع عليهم الخراج وفي رقابهم الجزئية يئدونها فيكون فيئً للمسلمين للمقاتله وذريته ولمن بقي من بعدهم قوله وهي ملك لهم يتوارثونها ويتبايعونها ويضع عليهم الخراج ولا يكلّفوا من ذلك ما لا يطيقونه[282]

ترجمہ: میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں ان کافروں کی زمینوں کو ان کے کفر کی وجہ سے ضبط نہ کروں گا بلکہ ان کی زمینوں پر خراج اور ان کی ذات پر جذیہ مقرر کروں گا جو ذمیوں کو ادا کرنا ہو گا اور یہ مال جو وہ ادا کریں گے مسلمانوں کے لیے فئی ہو گا خاص طور پر مقتول یا شہید کی اولاد کے لئے جو ان کے بعد باقی رہ گئی ہو یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کا قول ہے کہ یہ زمین ان ہی کی ملکیت ہے اور یہ ذمی ہی اس زمین کے وارث ہوں گے زمین کو فروخت کر سکتے ہیں کیونکہ اس زمین کا ان پر خراج ہے اور وہ ایسی چیز کے مکلف نہیں کیے جائیں گے جس کی طاقت نہیں رکھتے۔

مذہب کی آزادی: اسلام نے تمام اہل ذمہ کو اور معاہدین کو ان کے مذہب کے معاملے میں آزاد رکھا ہے اور ان کو مذہب اختیار کرنے کا حق دیا ہے اگر ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی دیکھیں تو حضرت نبی اکرم صاحب کا اہل نجران کے ساتھ معاہدہ اور اہل نجران کے مذہب کے متعلق آپ کا یہ فرمان ملتا ہے

والنجران وحاشيتهم فی جوار الله وذمة محمد علی اموالهم وارضهم وثلتهم وغائبتهم وشاهدهم وعبادتهم وبيعهم وملتهم الی اخر قوله ﷺ[283]

---

[282] قاضی امام ابو یوسف، کتاب الخراج،، مترجم نیاز احمد اوکاڑوی، مکتبہ رحمانیہ لاہور ص ۷۰

[283] قاضی امام ابو یوسف، کتاب الخراج،، مترجم نیاز احمد اوکاڑوی، مکتبہ رحمانیہ لاہور ص صفحہ ۱۵۹

ترجمہ: نجران اور اس کے قرب وجوار کے لوگ اللہ تعالی کی جوار اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری میں ہے ان کی جان ومال زمین مذہب حاضر ہوئے گردوں ملاقات ہر چیز کی حفاظت کی جائے گی۔

حضرات خلفاء راشدینؓ نے اپنے دور خلافت میں ذمیین کی مذہبی آزادی کا انتہائی خیال رکھا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کے زمانہ مبارک ہمیں جب حیرا کی فتح ہوئی رضی اللہ تعالی عنہ نے اہل حیرا سے معاہدہ کیا تو اس میں ان کے مذہب اور مذہبی آزادی کے حوالے سے بھی ان کے ساتھ معاہدہ کیا گیا۔ مذہب کے حوالے سے معاہدے کی اندر یہ معاہدہ درج کیا گیا۔

لا يهدم لهم بيعه ولا كنيسه ولا يمنعون من ضرب النواقيس ولا اخراج صلبانهم في يوم عيدهم[284]

ان کی عبادت گاہیں، کنیسا وغیرہ منہدم نہ کئے جائیں گے اور نہ ہی ناقوس بجانے سے ان کو روکا جائے گا اور نہ ہی عید کے دن ان کے بچوں کو عید گاہ کی طرف جانے سے روکا جائے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے زمانے میں جب ایلیا فتح ہوا اور ایلیا والوں کے ساتھ معاہدہ کیا گیا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کی طرف سے جو امان نامہ ان کے لئے لکھا گیا اس میں مذہبی آزادی کے حوالے سے یہ باتیں درج تھی:

اعطيهم امانا لانفسهم واموالهم ولكنائسهم وصلبانهم سقيمها وبريئها وسائر ملتها انه لا تسكن كنائسهم ولا تهدم-- الى اخره[285]

ترجمہ: یہ امان ہے ان کی جان مار ان کے گھر جاؤں سلیم بیمار اور تندرست اور ان کے تمام مذاہب کے لئے ان کے گرجوں میں سکونت اختیار نہیں کی جائے گی اور نہ ہی وہ گرائے جائیں گے۔

خلافت راشدہ کے زمانے میں جتنی بھی فتوحات ہوئیں مفتوح اقوام کے ساتھ جتنے بھی معاہدے کیے گئے ان سب معاہدوں میں ان کے مذہب اور ان کی شریعت کے تحفظ کی ان کے ساتھ ضمانت کی گئی مسئلہ ماہ دینار کے صلح نامہ میں یہ بات مرقوم ہے:

الامان على انفسهم وانوالهم وارضهم لا يغيرون عن مله ولا يحال بينهم وبين شرائعهم

ترجمہ: ان کے جان مال اور زمین کے لیے امان ہے نہ تو ان کو ان کے مذہب سے پھیرا جائے گا اور نہ ہی ان کے مذہبی امور میں کسی طرح کی کوئی مداخلت کی جائے گی۔

عزت اور آبرو کا تحفظ: ایک مسلمان کو جس طرح تکلیف پہنچانا گالی دینا اور اس کی غیبت کرنا کرا اور اس کی برائی کرنا مارنا پیٹنا ناجائز ہے اسی طرح ذمیوں کو بھی تکلیف پہنچانا گالی دینا اور ان کی غیبت کرنا کرا اور ان کی برائی کرنا مارنا پیٹنا ناجائز ہے۔ ذمیوں کے ساتھ حسن سلوک کرنا اور ان کی عزت اور آبرو کا تحفظ ہر مسلمان حکمران اور اسلامی مملکت کی ذمہ داری ہے ردالمحتاد میں ان کی غیبت کرنے کے بارے میں اور ان کو اذیت سے بچانے کے حوالے سے یہ عبارت درج ہے:

ويجب كف الاذى عنه وتحريم غيبته كالمسلم[286]

---

[284] ایضاً

[285] الطبری، محمد ابن جریر، ابو جعفر، علامہ تاریخ الامم والملوک، تاریخ طبری،، نفیس اکیڈمی اردو بازار کراچی، مترجم، ڈاکٹر محمد صدیق ہاشمی، ص ۳/ ۲۳۳

[286] الحصكفي، محمد بن علي بن محمد بن عبد الرحمن الحنفي، الدر المختار شرح تنوير الأبصار وجامع البحار، دار الكتب العلمية، ۲/ ۵۶۵

اور مسلمانوں کے لئے یہ واجب ہے کہ وہ ذمیوں سے تکلیف دور کریں اور ان کی غیبت کرنا حرام ہے جیسے کہ مسلمان کے ساتھ یہ معاملہ کرنا جائز نہیں۔

اسی طرح ذمیوں کو ان کے منہ پر بے دین کافر، لعنتی، بے غیرت کہنے سے اور ایسے تمام الفاظ کہنے سے جن سے ان کو تکلیف ہوتی ہو مسلمانوں کو اس کی اجازت نہیں اسی لیے زمی کے اوپر تہمت لگانا بھی مسلمانوں کے لئے جائز نہیں اسی طرح ذمیوں سے زنا کے متعلق حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو بندہ ذمیوں کو تہمت لگائے گا قیامت والے دن اس پر بھی حد پڑے گی آگ کے کوڑوں کی۔ اور جہاں تک زنا یا بدکاری کا تعلق ہے تو مسلمانوں کے لیے تو کسی بھی کے ساتھ بدکاری کرنا حلال نہیں چاہے وہ ذمی ہو یا حربی در مختار میں اہل حرب کے متعلق یہ کہا گیا ہے:

فانه يجوز اخذ المال وقتل النفس دون استباحه الفرج

ترجمہ: حربی کافر سے دوران قتال مال لینا اور انہیں قتل کرنا جائز ہے مگر ان کے ساتھ زنا کرنا جائز نہیں

ذمیوں کے ساتھ حسن سلوک اور انکی مالی امداد: حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ تعالی عنہ کے زمانے میں اگر ذمی یا معاہد معاشی طور پر مفلوک الحال ہوں اور ان کے پاس کھانے پینے کو کچھ نہ ہو تو ان سے سے جزیہ موقوف کر دیا جاتا تھا یہاں تک کہ اسلامی حکومت ان کی معاشی کفالت کی ذمہ دار ہوتی تھی۔ اسی لئے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک زخمیوں کو کفارہ دی دینا ان کو نظر کے طور پر پیسے دینا صدقہ فطر دینا اور قربانی کے گوشت میں سے دینا جائز ہے[287]

عقد ذمہ سے خارج ہونے کا حق: عقد ذمہ مسلمانوں کے لیے ابدی حیثیت رکھتا ہے یعنی اگر کوئی ایک دفعہ قبول کرلے تو اس کو توڑ نہیں سکتا لیکن غیر مسلم مسلمانوں کے علاقے میں رہتے ہیں اور مفتوحہ علاقوں میں رہتے ہیں ان کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ جب تک نہ چاہیں وہ ان علاقوں میں رہے اور جب چاہیں وہ عقد ذمہ توڑ کر مسلمانوں سے کے ذمہ سے نکل سکتے ہیں کوئی ذمی چاہے کتنے ہی بڑے جرم کا ارتکاب کرے تو اس کی وجہ سے عقد ذمہ سے خارج نہیں ہوتا اگرچہ وہ جزیہ کی ادائیگی بند ہی کیوں نہ کر دے۔ عقد ذمہ صرف تین صورتوں میں ٹوٹ سکتا ہے اول وہ زندگی میں اسلام کو قبول کرلے اور مسلمانوں کے تمام حقوق حاصل کرلے، دوسری صورت یہ ہے کہ ذمی دار الاسلام یا دار العہد سے نکل کر دار الحرب چلا جائے اور تیسری صورت یہ ہے کہ میں کسی علاقے پر غلبہ حاصل کر کے مسلمانوں سے لڑائی شروع کر دے۔

اقوام عالم کے ساتھ خلافت راشدہ کے تعلقات، معاہداتِ

حضرات خلفاء راشدینؓ نے اپنے زمانہ مبارک میں مسلمانوں کے ساتھ ساتھ غیر مسلموں کے ساتھ بھی اچھائی اور حسن سلوک کا معاملہ فرمایا۔ ان کے غیر مسلموں کے ساتھ کئے گئے معاہدات کو جاننے سے پہلے ان معادہ کی بنیادی معالومات جان لینا بہتر معلوم ہوتا ہے۔ معاہدہ کا معنی علامہ راغب اصفہانی رحمہ اللہ کے مطابق یہ ہے:

العهد حفظ الشيء ومراعته حالا بعد حال[288]

---

[287] ابن عابدین محمد أمین، حاشیۃ رد المحتار، علی الدر المختار، شرح تنویر الأبصار، کوئٹہ، مکتبہ ماجدیہ طبع ثانیہ دار الفکر –بیروت، ۵/ ۱۵۵

[288] راغب اصفہانی مفردات القرآن مترجم محمد عبدہ وفلاح قلعہ لاہور مکتبہ قاسمیہ صفحہ ۳۵۰

معاہدہ کے معنی کسی چیز کی مسلسل نگرانی کرنا اور خبر گیری کرنا ہے

کفار میں سے جو شخص مسلمانوں کے ساتھ کسی معاہدے میں شریک ہو جائے اسے معاہدہ یا ذمی کہا جاتا ہے۔ لفظی معاہدہ کے بہت سارے مترادف ہیں جیسے عقد، معاہدہ، وعدہ، میثاق وغیرہ۔ انسانی زندگی میں معاہدات کی اہمیت اور ان کی ضرورت کے پیش نظر ان کی مختلف اقسام کی جاسکتی ہیں جن میں سے سماجی معاہدات معاشی مفادات سیاسی معاہدات قابل ذکر ہیں۔ قرآن اور حدیث میں معاہدہ کرنے اور معاہدے پر عمل پیرا ہونے کی بہت ہی زیادہ تاکید کی گئی ہے۔ اور معاہدے کی پاسداری کرنے کو مومنوں کی صفت اور بہترین انسانوں اور مومنوں کی دائمی عادت قرار دیا گیا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدے کی پاسداری کرنے کے تو دشمن بھی معترف تھے۔ نبوت کے دعویٰ کرنے سے پہلے ہی اہل مکہ آپ کو آپ کی اس صفت کی وجہ سے صادق اور امین کا لقب دے چکے تھے۔ آنحضرت ﷺ امانتوں کی حفاظت کے ساتھ ساتھ اپنے قول اور اپنے فعل کے بھی پکے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جب قیصر روم نے اپنے دربار میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق حضرت ابوسفیانؓ سے جو سوالات کئے ان میں ایک سوال یہ تھا کہ کیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بدعہدی کی ہے حضرت ابوسفیانؓ نے مجبوراً جواب دیا کہ نہیں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بدعہدی نہیں کرتے۔[289]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وعدے کی پاسداری نہ کرنا اور بدعہدی کرنے کو بہت ہی بدترین جرم قرار دیا ہے اور معاہدین کے ساتھ برا رویہ رکھنے اور ان کے ساتھ دست درازی کرنے کی کی انتہائی ممانعت فرمائی ہے۔ اس حوالے سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے:

عن عبد الله ابن عمرو قال قال رسول الله ﷺ من قتل معاهدا لم يريح رائحة الجنة وان ريحها لتوجد من مسيرة اربعين عاما[290]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص کسی ذمی کو قتل کریگا اسے جنت کی کی خوشبو بھی نصیب نہ ہو گی حالانکہ جنت کی خوشبو تو چالیس برس کی مسافت سے بھی دور تک محسوس ہوتی ہے۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک اور روایت ہے

عن عبد الله بن عمر قال رسول الله ﷺ اربع خصال من كن فيه كان منافقا خالصا، من اذا حدث كذب واذا وعد اخلف واذا عاهد غدرواذا خاصم فجر[291]

ترجمہ نہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کے اندر چار خصلتیں ہو گی وہ خالص پکا منافق ہو گا۔ جب بات کرے تو جھوٹ بولے جب وعدہ کرے تو وعدے کی خلاف ورزی کرے جب کسی کے ساتھ معاہدہ کرے تو معاہدے کو توڑ دے اور جب کسی کے ساتھ مخاصمہ ہو تو گالم گلوچ کرے۔

---

289 الجامع الصحیح للبخاری بخاری کتاب بدء الوحی، باب فی بدء الوحی صفحہ ۱۲۲

290 قزوینی، ابن ماجہ ابو عبداللہ محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر کتاب الدیات، باب من قتل معاہدا، ۲۶۸۶، الکتب الستہ ص ۲۶۳۸

291 بخاری، محمد بن اسماعیل، اجامع الصحیح البخاری کتاب الایمان، باب علامات المنافق ۱۳۴ الکتب الستہ ص ۲۴۵

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کے غیر مسلموں سے سے معاہدات: حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا دور حکومت کمال اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دور تھا۔ ان حضرات نے ہر باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور عمل کو مشعل راہ بنائے رکھا۔ حضرات خلفائے راشدین نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مبارک کے معاہدات اور تعلقات کے اصول و ضوابط کو کو ہمیشہ مد نظر رکھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ذمیوں کے ساتھ تعلقات کی اصل بنیاد خیر خواہی، احترام انسانیت، اور رواداری تھی۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ جب خلیفہ مقرر ہوئے اس وقت اسلامی سلطنت اور حکومت کو بہت ہی نازک حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا سے رحلت فرما جانے کے بعد بہت سے بڑے لیڈر اور اور عرب قبائل کے سرداران حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ کے انتخاب سے ناراض ہو کر ترک موالات کیے ہوئے تھے۔ مدینہ سے باہر ہر طرف سے اسلام کی بندشوں سے نکلنے کا اعلان کیا جارہا تھا۔ سرکاری مال و دولت جو کہ زکوۃ کی صورت میں اکٹھی ہوتی تھی بہت ہی کم رہ گئی تھی۔ اس صورتحال کو دیکھتے ہوئے منافقین اس بات کی توقع کر رہے تھے کہ جلد ہی اس مذہب اور اس مذہب کے ماننے والوں کی بساط کو الٹ دیا جائے۔ عرب کے بیشتر سرداروں نے ارتداد کا راستہ اختیار کر لیا تھا یا زکوۃ کو روک لیا تھا۔[292] حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مقرر کردہ قرآن کریم کی تعلیم دینے والے اور عاملین زکوۃ اپنے اپنے علاقوں سے فتنے اور فساد کی وجہ سے واپس مدینہ کا رخ کر رہے تھے۔[293] حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا جنہوں نے ان تمام فتنوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا وہ اس زمانے کی کیفیت اور حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ کی مصیبتوں کو اس طرح بیان کرتی ہیں:

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے اور نفاق نے ہر طرف اپنا سر بلند کر لیا اور ہر طرف سے قبائل کے مرتد ہو جانے کی خبریں آنے لگیں، انصار بھی کچھ وقت کے لئے الگ ہو گئے اس وقت میرے باپ یعنی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ پر ایسی مصیبت نازل ہوئی کہ اگر بلند اور مضبوط پہاڑوں پر نازل ہو جاتی تو ان کو بھی ٹکڑے ٹکڑے کر کے رکھ دیتی۔[294] حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ نے ان تمام مصائب اور تمام فتنوں کا بہت دلیری اور استقامت کے ساتھ مقابلہ فرمایا۔ اور فتنہ و فساد اور ارتداد کے طوفان کو جس انسان نے پورے عرب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا آپ نے پختہ عزم اور اپنے جذبے کے ساتھ روک دیا۔ اس نازک مرحلے پر جب ہر طرف سے فسادات کی خبریں آرہی تھیں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کو یہ مشورے بھی دیے گئے کہ وہ لشکر اسامہ کو واپس بلا لیں جسے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا تھا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے لوگوں کے پر زور اصرار کے باوجود اس مہم کو نہ روکا اور ان سے یہ ارشاد فرمایا: اس خدا کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں اگر صحرا کے کتے شہر میں گھس آئیں اور امہات المومنین تک بھی پہنچ جائیں تب بھی اس لشکر کو واپس نہیں بلاوں گا جس کو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے روانہ فرمایا تھا۔[295] آپؓ نے لشکر اسامہ روانہ فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے آپؓ کی نصرت فرمائی۔ لشکر اسامہ کی کامیاب واپسی کے بہت ہی اچھے اثرات

---

[292] الطبری، محمد ابن جریر، ابو جعفر، علامہ تاریخ الامم والملوک، تاریخ طبری،، نفیس اکیڈمی اردو بازار کراچی، مترجم، ڈاکٹر محمد صدیق ہاشمی، ص ۲۳۳/ ۳

[293] الطبری، محمد ابن جریر، ابو جعفر، علامہ تاریخ الامم والملوک، تاریخ طبری،، نفیس اکیڈمی اردو بازار کراچی، مترجم، ڈاکٹر محمد صدیق ہاشمی، ص

[294] سیوطیؒ، جلال الدین، تاریخ الخلفاء، مترجم شمس بریلوی، پروگریسو بکس اردو بازار لاہور، صفحہ ۵۴

[295] الطبری، محمد ابن جریر، ابو جعفر، علامہ تاریخ الامم والملوک، تاریخ طبری،، نفیس اکیڈمی اردو بازار کراچی، مترجم، ڈاکٹر محمد صدیق ہاشمی، ص ۲۶۴/ ۳

مرتب ہوئے لیکن پھر بھی ہر ہر شہر اور ہر قصبے میں ارتداد کے فتنہ اور مانعین زکاۃ کے فساد نے اپنی لپیٹ میں لیا ہوا تھا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ کے دور کے فتنوں کو تین قسموں میں منقسم کیا جاسکتا ہے:

ا۔ منکرین خلافت: کچھ بدوی قبائل ایسے تھے جو حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت پر تو کسی طرح راضی ہو گئے تھے مگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے رحلت فرمانے کے بعد وہ کسی دوسرے شخص کو اپنے اوپر بطور حکمران قبول کرنے کو تیار نہ تھے اور مدینہ کی موجودہ حکومت کو اس بات کا حقدار نہ سمجھتے تھے کہ وہ ان قبائل پر بھی حکمرانی کریں۔ اس لئے انہوں خلافت صدیقی کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

۲۔ مانعین زکوٰۃ: آنحضرت ﷺ کے دنیا سے رحلت فرما جانے پر بعض قبیلے ذکاۃ کو ایک ناقابل برداشت بوجھ اور انتہائی غیر مناسب ٹیکس سمجھتے تھے اور وہ اس بات پر کسی صورت راضی نہ تھے کہ وہ یہ ٹیکس یا یہ بوجھ اٹھالیں۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں تو زکوۃ ادا کرتے تھے مگر آپ صلی اللہ وسلم کے جانشین کو اس کا مستحق نہ سمجھتے تھے۔ اس لئے انہوں نے حضرت ابو بکرؓ کو زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا[296]۔

۳۔ جھوٹے نبی: بہت سے ایسے لوگ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارکہ میں خاموش تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد جھوٹے نبی بن کر مسلمانوں سے برسرپیکار ہو گئے۔ فتوحات اور مال غنیمت حاصل کرنے کے شوق میں ہزاروں لاکھوں عرب اسلام کو چھوڑ کر ارتداد کا راستہ اختیار کیے ہوئے ان جھوٹے لوگوں کے ساتھ شامل ہو گئے اور ملک میں ہر طرف سے جنگ وجدال کا بازار گرم ہو گیا۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کا غیر مسلموں سے مثبت رویہ: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کے زمانہ خلافت میں تینوں طرح کے فتنے پھیل چکے تھے۔ باغی اور سرکش ہر طرف فساد اور قتل وغارت، فتنہ گری میں مصروف تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ نے ان لوگوں میں سے صرف باغیوں، سرکشوں اور فتنہ پردازوں کے استحصال اور ان کے خاتمے کے لئے عملی اقدامات فرمائے۔ ان کے علاوہ جو لوگ مختلف دوسری وجوہات کی وجہ سے اسلام سے منحرف ہو گئے تھے ان کو اسلام کی طرف بلایا اور اسلام میں داخل کرنے کا لائحہ عمل ترتیب دیا۔ اس سلسلے میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ نے مرتدین پر کسی بھی قسم کی چڑھائی کرنے سے پہلے ان کے لئے تبلیغی اور اصلاحی خطوط تحریر فرمائے۔ اور اسلامی سپہ سالاروں کے لیے باقاعدہ ضابطہ اخلاق مقرر فرمایا جو کہ آپ کے مثبت رویہ کی بہترین مثال ہے۔ تاریخ طبری میں ہے کہ جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کسی لشکر کو روانہ فرماتے تو روانگی سے قبل بطور اتمام حجت مرتدین کو آخری موقع دینے کے لیے اور انہیں امن وسکون اور آشتی کے ساتھ رہنے کی تلقین دینے کی تلقین فرماتے۔ اس مقصد کے لئے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ نے بہت سے تبلیغی خطوط لکھوائے اور اپنے قاصدوں کے ذریعے ایسے تمام علاقوں کی طرف بھیج دیئے جن علاقوں میں فتنہ وفساد کے شعلے بھڑک رہے تھے ارتداد کا فتنہ پھیلا ہوا تھا۔ خاص طور سے یمن اور حجاز کے تمام ہی قبائل کی طرف حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ نے تبلیغی خطوط ارسال کیے۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے لشکروں کے تمام سرداروں کو بھی ایسے ہی تبلیغی خطوط دیے اور یہ کہہ دیا کہ جب تمہاری فوج دشمن کے

---

[296] الطبری، محمد ابن جریر، ابو جعفر، علامہ تاریخ الامم والملوک، تاریخ طبری، نفیس اکیڈمی اردو بازار کراچی، مترجم، ڈاکٹر محمد صدیق ہاشمی، ص ۳/ ۱۵۲

سامنے جا کر خیمہ زن ہو جائے اور جہاد کے لئے صفوں کی ترتیب دینے لگے تو فوری لڑائی نہ کرنا بلکہ مرتدین کو یہ تبلیغی اور اصلاحی خط آواز بلند سنا دینا تاکہ ہر شخص ذاتی طور پر ان باتوں کو سن لے اور اتمام حجت بھی ہو جائے اور کسی شخص کو یہ شکایت نہ رہے کہ مجھ تک اسلام کی تبلیغ نہ پہنچی تھی۔[297]

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ نے اپنے ایک خط میں یہ تحریر فرمایا:

مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم میں سے کچھ لوگوں نے اسلام کو قبول کرنے کے بعد اسلام کو ترک کر دیا ہے اور وہ شیطان کے بہکاوے میں آ چکے ہیں۔ میں نے انصار و مہاجرین اور تابعین کے مشترکہ لشکر کو فلاں شخص کی قیادت میں آپ لوگوں کی طرف بھیجا ہے اور اس لشکر کے امیر کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ اس وقت تک ہر طرح کی لڑائی اور جنگ و جدال سے بچا رہے جب تک تم لوگوں تک اسلام کی دعوت نہ پہنچا دے۔ اور جو شخص بھی میرے بھیجے گئے امیر کی بات مان لے گا اور اپنے اسلام کا دوبارہ سے اقرار کر لے گا اور ہر طرح کے فتنے اور فساد اور ہر طرح کی بغاوت سے دور ہو جائے گا اس سے کوئی تعرض نہ کیا جائے گا اس خط کے سننے کے بعد مخالف لشکر سے جو لوگ اذان دیدیں ان سے ہاتھ روک لیا جائے گا۔ پھر اگر وہ اسلام قبول کریں گے تو ان کے اسلام کو قبول کر لیا جائے گا۔ اور ان کو بھی عام مسلمانوں کی طرح امن و امان حاصل ہو جائے گا۔ اور ان کی پچھلی بغاوت پر ان کو سزا نہ دی جائے گی۔ مرتدین کے نام تبلیغی خطوط کے علاوہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ نے مزید احتیاط کرتے ہوئے اپنے تمام فوجی کمانڈروں کے لئے ایک تبلیغی ہدایت نامہ تحریر فرمایا اور اس کی ایک نقل ہر کمانڈر کو دے دیں اور یہ تاکید فرمائی کہ ان ہدایات پر ہر صورت میں عمل کیا جائے تاکہ کسی بھی غیر مسلم کے ساتھ زیادتی نہ ہو سکے۔ اس خط کی عبارت یوں تھی

یہ عہد ابو بکر خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے۔ اور فلاں شخص سے لیا جاتا ہے جب کہ وہ ان لوگوں سے لڑنے جا رہا ہے جنہوں نے اسلام کو چھوڑ دیا ہے۔ فلاں شخص سے یہ عہد لیا جاتا ہے کہ جہاں تک اس کے امکان میں ہو وہ امن و احسان اور اسلام کی طرف بلانے کی کوشش کرے گا اور ہر صورت میں اللہ کی راہ میں رہے گا اور لوگوں سے اللہ کی خاطر لڑے گا سوائے ایسے لوگوں کے جو اسلام کو چھوڑ کر شیطان کی پیروی اختیار کئے ہوئے ہیں۔ البتہ یہ بات ضروری ہے کہ اتمام حجت کے لیے وہ مقابل لوگوں کو اسلام کی طرف بلائے گا اگر وہ اسلام کی طرف آجائیں تو ان سے کسی طرح کا کوئی تعرض نہ کیا جائے گا اور وہ مسلمانوں کو اس بات کی تاکید کریگا کہ مسلمان نیک صحبت اختیار کریں اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ نرمی اور اچھائی کا سلوک کریں۔[298]

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ نے اپنی فراست، اپنی قوت ایمانی اور اپنے ایمانی جوش و جذبے کے ذریعے اسلامی مملکت سے تمام فتنوں کو دبا کر ملک میں امن و امان قائم فرما دیا۔ آپ رضی اللہ تعالی عنہ کے دور میں مسلم اور غیر مسلم رعایا امن اور سکون سے رہیں اور کسی طرح کی ہنگامہ آرائی اور فتنہ و فساد نہ مچایا۔ لہذا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے ان کے ساتھ وہ معاہدات جو حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارکہ میں کیے گئے تھے ان پر عملدرآمد کرتے ہوئے غیر مسلموں سے کسی طرح کا کوئی تعرض نہ کیا۔ اور اندرونی فتنہ و فساد کو روکنے کے لیے سپہ سالاروں کو تبلیغی خطوط دیے۔

---

[297] الطبری، محمد ابن جریر، ابو جعفر، علامہ تاریخ الامم والملوک، تاریخ طبری،، نفیس اکیڈمی اردو بازار کراچی، مترجم، ڈاکٹر محمد صدیق ہاشمی، ص ۲۲۴/۳

[298] الطبری، محمد ابن جریر، ابو جعفر، علامہ تاریخ الامم والملوک، تاریخ طبری،، نفیس اکیڈمی اردو بازار کراچی، مترجم، ڈاکٹر محمد صدیق ہاشمی، ص ۳/۲۳۳ صفحہ ۳/۲۲۶

معاہدات: جزیرۃ العرب سے باہر جب اسلامی فوجیں اعلائے کلمۃ اللہ اور جہاد کے لئے نکلیں اور بہت سے علاقے فتح ہو کر اسلامی مملکت میں شامل ہو گئے تو غیر مسلم رعایا سے معاہدات بھی کئے گئے اور ان کی توثیق دربارِ خلافت سے حاصل کی گئیں۔ وہ معاہدات جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کے دور خلافت میں ہوئے وہ بہت سے ہیں جن میں سے کچھ معاہدے ذکر کیا جاتے ہیں تا کہ حضرات خلفاء راشدین کے معاہدات کی روح کو سمجھا جا سکے۔

اہل عانۃ کے ساتھ معاہدہ: حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جب خلیفہ اولؓ کے فرمان کے مطابق شام اور دمشق کی سرحدوں سے ایران و عراق کی طرف لوٹے تو راستے میں آنے والے لوگوں میں سے اہل عانۃ کے ساتھ یوں معاہدہ فرمایا:

۱۔ ان کے گرجے اور خانقاہیں منہدم نہیں کی جائیں گی۔

۲۔ غیر مسلم معاہدین ہماری پانچوں نمازوں کے اوقات کے سوا ہر وقت اپنا ناقوس بجا سکتے ہیں اور اس حوالے سے ان کے اوپر کوئی پابندی نہیں لگائی جائے گی۔

۳۔ غیر مسلم معاہدین اپنی عید پر شوق سے صلیب نکال سکتے ہیں اور پہن یا لٹکا سکتے ہیں۔

۴۔ اگر ان کے علاقے میں کوئی مسلمان مسافر آ جائے گا تو ان کے لیے مسلمان مسافر کی ضیافت کرنا لازم ہو گا

۶۔ وقت پڑنے پر مسلمانوں کی جان اور مسلمانوں کے مال کی حفاظت کرنا ان کے ذمہ لازم ہو گا۔[299]

اہل حیرہ کے ساتھ معاہدہ: اسی طرح حضرت ابو بکر صدیقؓ کے زمانہ مبارک میں اہل حیرہ کے ساتھ بھی معاہدہ کیا گیا جن کے ساتھ معاہدہ میں تفصیلی طور پر غیر مسلموں کے حقوق و فرائض بیان کئے گئے۔ اہل حیرہ کے ساتھ کیا گیا صلح نامہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت کا ایک اہم واقعہ ہے۔ حضرت ابو بکرؓ کی طرف سے اسلامی حکومت کے چیف کمانڈر کے طور پر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالی عنہ اور اہل حیرہ کی طرف سے عمر بن عبد المسیح اور ایاس بن قبیصہ کے درمیان یہ صلح نامہ ہوا جس میں ان باتوں کا معاہدہ کیا گیا:

یہ معاہدہ ہے خالد بن ولید اور عدی اور عمر پسران عدی اور عمرو بن عبد المسیح، حیری بن اکال اور ایاس بن قبیصہ کے درمیان!

خالد کے علاوہ وہ پانچ باقی افراد اہل حیرہ کی طرف سے مقرر کردہ ہیں اور اہل حیرہ نے انہیں اس معاہدے کے لئے اپنی رضامندی سے منتخب کیا ہے۔ پانچوں اشخاص سالانہ ایک لاکھ 90 ہزار درہم بطور جزیہ اپنی عوام، اپنے علماء اور زاہدوں کی طرف سے مسلمانوں کو پیش کریں گے گے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس امر کا بھی لحاظ رکھا جائے گا کہ مفلسوں درویشوں اور تارک الدنیا لوگوں سے جزیہ وصول نہ کیا جائے گا۔ اور اس جزیہ کے بدلہ میں اسلامی حکومت اہل حیرہ کی ان کے دشمنوں سے حفاظت کرے گی۔ اگر مسلمان ان کی دشمنوں سے حفاظت نہ کر سکیں تو مسلمانوں کو ان سے جزیہ وصول کرنے کا کوئی حق نہ ہو گا۔ لیکن اس بات کا بھی خیال رکھا جائیگا کہ اگر یہ لوگ جزیہ ادا نہ کریں گے تو مسلمانوں پر ان کی حفاظت کا کوئی ذمہ نہ ہو گا۔[300]

---

[299] حمید اللہ، ڈاکٹر محمد، مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ للعہد النبوی والخلافۃ الراشدہ، مترجم، مولانا ابو یحیٰی امام خاں نوشہروی، مجلس ترقی ادب لاہور، ۲۰۰۵ ص ۳۲۳، وثیقہ ۲۹۸

[300] البلاذری، احمد بن یحیٰی بن جابر، فتوح البلدان، مترجم، ابو الخیر مودودی، مکتبہ تخلیقات لاہور، ۲۰۱۰، مطبعہ المصریہ ۱۹۳۲، ص ۲۵۲

اسی معاہدہ میں ذمیوں کے حقوق سے متعلق حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اور اہل حیرہ کے درمیان جو معاہدہ طے پایا اس کے الفاظ یہ تھے:

اور میں نے ان کو یہ اس بات کا استحقاق دیا ہے کہ اگر ان میں سے کوئی شخص بوڑھا ہو جائے اور کام کرنے سے معذور ہو جائے یا کہ اس پر کوئی آفت آجائے اور وہ دولت کے خاتمے کی وجہ سے مسکین ہو جائے اور اتنا مسکین کے اس کو لوگ خیرات دینے لگیں تو اس سے جزیہ موقوف کر دیا جائے گا اور اسلامی حکومت کیطرف سے اس کی اولاد کو نفقہ دیا جائے گا جب تک کہ وہ اسلامی حکومت میں رہیں۔ہاں اگر وہ اسلامی حکومت سے نکل کر کسی دوسرے علاقے کی طرف چلا جائے تو مسلمانوں پر اس کا نفقہ واجب نہ ہو گا۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ کے غیر مسلموں سے معاہدات: جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ کو بطور خلیفہ نامزد فرما دیا۔یوں جمادالثانی ۱۳ھ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کے جانشین منتخب ہو گئے۔حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے دس سالہ دور حکومت میں روم اور ایران کے عظیم الشان سلطنتیں پارہ پارہ ہو کر اسلامی مملکت میں شامل ہو گئیں اور اسلامی پرچم شمالی افریقہ سے لیکر برصغیر کی سرحدوں تک لہرانے لگا۔اللہ تعالی کے کرم کے ساتھ یہ تمام فتوحات اس احتیاط اور تدبر کے ساتھ ہوئیں کہ اس دوران ظلم اور تشدد کا ایک واقعہ بھی رونما نہ ہوا۔حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ کا دور حکومت نہ صرف فتوحات کے لئے اہمیت رکھتا ہے بلکہ اسلام کی اشاعت اور سربلندی کے لیے بھی بہت اہم ہے اور آپکے زمانہ مبارک میں اسلام بہت ہی سرعت اور تیزی سے پھیلتا رہا لیکن اس کے لیے کسی بھی جبر اور طاقت کا استعمال نہیں کیا گیا۔حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کو اس بات کا بہت خیال تھا کہ غیر مسلموں پر بلاوجہ بوجھ نہ ڈالا جائے۔جب عراق کا خراج خلیفۃ الرسول ﷺ رضی اللہ تعالی عنہ کے سامنے آتا تو آپ دس شخص کوفہ اور دس بصرہ سے طلب فرماتے اور پھر ان سے چار دفعہ تاکید کے ساتھ قسم لیتے تھے کہ کیا اس مال کے وصول کرنے میں عمال کی طرف سے کوئی سختی تو نہیں کی گئی۔[301]

ذمیوں سے ملکی انتظام وانصرام میں مشورہ: حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ ہمیشہ جن معاملات کا تعلق ذمیوں سے ہوتا تھا ان معاملات کے متعلق ذمیوں کو مشورے اور استصواب کے لئے بلایا کرتے تھے۔عراق میں مالگذاری کے بندوبست کا جب معاملہ پیش آیا تو عجم سے جا کر مالگذاری کے متعلق دریافت فرمایا۔اوراسی طرح جو مصر میں مال گزاری کا انتظام تھا اس کو مقوقس کے انتظام کے مطابق رکھا[302]۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے زمانہ خلافت میں اس بات کا کا ہمیشہ خیال رکھا جاتا تھا کہ ذمی کی جان اور مال اور اس کے حقوق کی پاسداری کی جائے۔شام کے علاقے میں ایک کاشتکار نے حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس شکایت بھیجی کہ فوج نے اس کے کھیت کھلیانوں کو پامال کر دیا ہے۔حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کو جب یہ خبر پہنچی تو انہوں نے بیت المال سے دس ہزار درہم کو بطور ضمانت دلوائے۔[303]

---

[301] قاضی امام ابو یوسف، کتاب الخراج،، مترجم نیاز احمد اوکاڑوی، مکتبہ رحمانیہ لاہور ص،۲۱

[302] مقریزی، تقی الدین احمد بن علی، الخطط المقریزیہ مطبع النیلی، ۱۳۳۴ھ، ص ۱/ ۱۷۴

[303] قاضی امام ابو یوسف، کتاب الخراج،، مترجم نیاز احمد اوکاڑوی، مکتبہ رحمانیہ لاہور ص ۲۸

اسلامی مملکت میں مسلمانوں اور ذمیوں کے مابین مساوات: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے اسلامی مملکت میں حقوق کے لحاظ سے مسلمانوں اور غیر مسلموں میں کسی طرح کی کوئی تمیز نہیں رکھی تھی۔ جس طرح بیت المال سے مسلمانوں میں سے اپاہج اور معذوروں اور ضعفاء کو وظیفہ دیا جاتا تھا اسی طرح مسلمانوں کی طرح غیر مسلم اپاہج اور معذوروں اور ضعفاء کو بھی وظیفہ دیا جاتا۔ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے سامنے ایک بوڑھے شخص کا معاملہ پیش کیا گیا جو بڑھاپے اور مسکین ہونے کی وجہ سے جزیہ دینے سے قاصر تھا آپ رضی اللہ تعالی عنہ نے اس کو معاف فرما کر اس کے لئے بیت المال سے وظیفہ جاری کرنے کا حکم صادر فرمایا[304]۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ کے دور میں ذمیوں کے جان اور مال کو مسلمانوں کے جان اور مال کے برابر قرار دیا گیا تھا اسی وجہ سے اگر کوئی مسلمان کسی ذمی کو قتل کر دیتا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ اس کے قصاص میں مسلمان کو قتل فرما دیتے۔

عہد فاروقی میں ذمیوں کو ان کے مذہب کے مطابق ہر طرح کی آزادی حاصل تھی اور وہ ہر قسم کے مذہبی رسومات ادا کرنے میں آزاد تھے۔ ہر قسم کے میلے ٹھیلے لگانے، صلیب نکالنے، پہننے، لٹکانے، ناقوس بجانے کیاور ہر طرح کی مذہبی رسومات کرنے کی ان کو مکمل اجازت تھی۔ مصر میں سکندریہ کا پیٹریارک بن یامین تیرہ برس تک رومیوں کے ڈر اور خوف کی وجہ سے سے ادھر ادھر بھٹک رہا تھا جب حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالی عنہ نے مصر فتح فرمایا تو بیس ہجری میں اس کو تحریری طور پر امان نامہ لکھ کر دیا جس کی وجہ سے اس کو اس کی کرسی نصیب ہوئی اور مصر میں ان کی یہ مذہبی رسم پھر سے زندہ ہو گئی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ کے دور میں غیر مسلموں اور ذمیوں کی عزت نفس کا بھی بھرپور خیال رکھا جاتا تھا اور ان کے ساتھ کسی قسم کی تحقیر یا بد تہذیبی کو ناپسند کیا جاتا تھا۔ حضرت عمیر بن سعدؓ جو کہ حمص کے حاکم تھے اور پارسائی اور زہد و تقوی میں باقی تمام عمالان اور سرداران میں ایک نمایاں حیثیت رکھتے تھے ان سے ایک مرتبہ ایک غیر مسلم کے لیے یہ لفظ نکل گئے اخذاک اللہ یعنی اللہ تعالی تجھے رسوا کر دے۔ ان کو اپنے اس عمل پر اس قدر ندامت اور افسوس ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے عہدے سے استعفیٰ دے دیا اور کہا کہ اس نوکری اور عہدے کی وجہ سے مجھ سے یہ حرکت سرزد ہو گئی[305]۔ یہی وجہ تھی کہ مسلمانوں کی طرح غیر مسلموں پر تہمت لگانے کی وجہ سے بھی حد قذف لگانے کا بھی بہت سے فقہاء کا قول ہے۔ اور قصاص کے متعلق تو حضرت عمر فاروقؓ کا یہی فرمان تھا کہ انسان سب برابر ہیں اگر کوئی شخص کسی دوسرے کو ظلماً قتل کرے گا تو اس کا قصاص لیا جا سکتا ہے۔

حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانہ مبارکہ میں غیر مسلموں کے ساتھ جو حسن سلوک اور اچھائی برتی گئی اور انہیں جن مراعات اور سہولیات سے نوازا گیا اسی کا نتیجہ تھا کہ جب ذمیوں کا اپنے ہم مذہب سلطنتوں کے مقابلہ مسلمانوں سے ہوتا عطا تو وہ اپنے ہم مذہبوں سے بڑھ کر مسلمانوں کا ساتھ دیتے۔ مسلمانوں کو رسد فراہم کرتے ان کے لئے خبر رسانی اور جاسوسی کا کام سرانجام دیتے یہی وجہ تھی کہ جنگ کے پیش آنے کے وقت جب مسلمان شہر حمص سے نکلے تو یہودیوں نے تورات ہاتھ میں لے کر کہا

---

[304] ایضاً

[305] ولی اللہ، حضرت، شاہ محدث دھلوی، ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء، اردو، مترجم، مولانا عبد الشکور فاروقی، قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی، صفحہ ۲۰۳

جب تک ہم زندہ ہیں رومی کبھی بھی یہاں نہیں آسکیں گے اور عیسائیوں نے نہایت حسرت سے کہا خدا کی قسم رومیوں کی نسبت تم ہمیں بہت محبوب ہو۔[306]

عہد فاروقی کے اہم معاہدے: حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ عدل اور انصاف کے پیکر تھے یہی وجہ تھی کہ آپؓ کا عدل آج تک بطور مثل مشہور ہے۔ آپؓ نے اپنے زمانہ حکومت میں نہ صرف مسلمانوں بلکہ غیر مسلموں سے بھی ہمدردی، رواداری اور فراخ دلی کا مظاہرہ فرمایا۔ اور ساتھ ساتھ انہیں مذہبی آزادی دی انہیں جان اور مال کا تحفظ فراہم کیا۔ جس کی مثال آپ رضی اللہ تعالی عنہ کے دور خلافت میں میں ہونے والے معاہدے ہیں۔ یہ معاہدے مسلم اقوام سے ان کی اطاعت کرنے کے وقت یا انکے علاقوں کے فتح کرنے کے وقت کیے گئے۔ ان میں کسی میں بھی یہ صورت نہ تھی کہ اسلامی حکومت مغلوب ہو اور اسلامی حکومت کے ساتھ معاہدہ کرنے والے غالب ہوں۔ ان تمام معاہدوں میں غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک اور اچھائی کرنے اور ان کو اسلام کی تبلیغ کرنے اور اسلامی احکامات کیطرف تو بلایا گیا لیکن کہیں بھی رعایا میں سے کسی بھی شخص کو زبردستی مسلمان کرنے یا اس پر کسی طرح کا کوئی جبر یا ناروا سلوک کرنے کا تذکرہ تک نہیں ملتا۔

معاہدہ بیت المقدس: جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بیت المقدس کی فتح نصیب فرمائی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ بنفس نفیس بیت المقدس کی طرف تشریف لے گئے اور باشندگان ایلیا یعنی بیت المقدس کے قرب وجوار رہنے والوں کو مقام جابیہ میں امان نامہ دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے اس امان میں بیت المقدس کے ساتھ ساتھ اس کی نواحی بستیوں کے لیے بھی ایک ہی تحریری امان نامہ پر اتفاق فرمایا یا اس امان نامہ کے الفاظ یوں تھے:

بسم الله الرحمٰن الرحيم هذا ما اعطى عبد الله عمر امير المؤمنين اهل ايليا من الامان واعطاهم اماناً لانفسهم واموالهم ولكنائسهم وصلبانهم وسقيمها وبريئها وسائر ملتها انه لا تسكن كنائسهم ولا تهدموا ولا ينطق منها ولا من حيزها ولا من صلبهم ولا من شيء من اموالهم ولا يكرهون على دينهم ولا يضار احد منهم ولا يسكن بايليا معهم احد من اليهود وعلى ان يعطي اهل ايليا الجزية كما يعطي اهل المدائن وعليهم ان يخرجوا منها الرومَ واللصوصَ فمن خرج منهم فانه امن على نفسه وماله حتى يبلغ مامَنَهم ومن اقام منهم فهو اٰمن وعليه مثل ما على اهل ايليا من يبلغ جزية ومن احب من اهل ايليا ان يسير بنفسه وماله مع الروم ويخلى بيعهم وصلبهم فانهم اٰمنون على انفسهم وعلى بِيعهم وصلبهم حتى يبلغوا مَامَنهم ومن كان بها من اهل الارض فمن شاء منهم قعدوعليه مثل ما على اهل ايليا من الجزية ومن شاء صار مع الروم ومن شاء رجع الى اهله وانه لا يؤخذ منه شيء حتى يحصُد حصادهم وعلى ما في هذا الكتاب عهد الله وذمةُ رسوله وذمه الخلفاء وذمه المؤمنين اذا اعطوا الذي عليهم من الجزية[307]

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یہ امان نامہ ہے عبد اللہ، عمر امیر المومنین کی طرف سے ایلیا کے رہنے والوں کے لیے جس کی شرائط یہ ہیں:

ا۔ ان کی جان، ان کے اموال اور ان کی عبادت گاہوں کو امان دی جائے گی۔ چاہے تندرست ہوں یا مریض ان سب کو امان دی جاتی ہے۔

---

306 شبلی نعمانی، الفاروق، مکتبہ رحمانیہ لاہور، ص ۲۸۸

307 الطبری، محمد ابن جریر، ابو جعفر، علامہ تاریخ الامم والملوک، تاریخ طبری،، نفیس اکیڈمی اردو بازار کراچی، مترجم، ڈاکٹر محمد صدیق ہاشمی، ط ا جلد ۲ ص ۴۴

۲۔ان کے گرجہ گھروں کو نہ ہی مسمار کیا جائے گا اور نہ ہی ان میں رہائش رکھی جائے گی اور نہ ان کے درجے کو کم کیا جائے گا۔نہ ان کی متعلقہ اشیاء ان کے احاطوں اور ان کی وقف کی گئی زمین و کو نقصان پہنچایا جائے گا۔

۳۔ان کا جو مال گرجاؤں میں ہو گا اسے اپنے تصرف میں لائیں گے اور نہ ہی کسی شخص سے کوئی مال سے چھینا جائے گا۔

۴۔نہ ہی کسی شخص پر اس کے مذہب کے معاملے میں کسی قسم کا جبر کیا جائے گا۔اور ان کے پڑوس میں کسی بھی یہودی کو آباد نہ کیا جائے گا۔

اہل ایلیا کے لئے شرائط:

ا۔جزیہ کے متعلق جو پابندی مدائن والوں پر ہے وہی پابندی ایلیاوالوں کے لیے بھی ہو گی۔

۲۔ایلیاوالے اپنے علاقے سے روم کے باشندوں کو اور ایسے لوگوں کو نکال دیں گے جو چوری پیشہ ہوں۔

۳۔اگر یہ دونوں گروہ ہماری رعایا بن کر ایلیا کے علاقے میں رہنا چاہیں تو انہیں اس کی اجازت دی جائے گی اور پھر ان کے لئے بھی وہی شرائط اور وہی مراعات و سہولیات ہوں گی جو اہل ایلیا کے لیے مقرر کی گئی ہیں۔

۴۔اگر ایلیاوالے اسلامی مملکت میں سے کہیں اور ہجرت کر کے جانا چاہیں تو جب تک وہ اسلامی مملکت کی حدود میں ہونگے تو اپنی مفتوح مملکت میں ہم ان کی جان کی بھی ان کے مال کی حفاظت کریں گے۔لیکن ان کے ہماری مملکت سے نکل جانے کے بعد ہم ان کے گرجا گھر اور صلیب بحال رکھیں گے۔

۵۔ایلیا کے رہنے والوں میں سے جن لوگوں نے ہمارے خلاف جنگوں میں حصہ لیا تھا اور ان میں سے کسی شخص کے ہاتھوں ہمارا فلاں فلاں شخص یا سپاہی شہید کیا گیا تھا تو ان سے اس کا مؤاخذہ نہیں کیا جائے گا اور ان کے لیے بھی وہی شرعی حقوق ہونگے جو عام عوام کے لیے ہیں

٦۔اس تحریر میں اللہ اور اس کے رسول خلیفہ رسول اور مومنین سب کی طرف سے ضمانت ہے بشرط یہ کہ یہاں کے رہنے والے پر جزیہ ادا کرنے میں کسی طرح کی کوتاہی نہ کریں۔[308]

حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے عامل، گورنر، فوجی کمانڈر ہر ایک خود بھی اخلاق کا مجسمہ تھا اور اگر ان میں کسی طرح کی کمزوری کا اظہار ہوتا تو انہیں خلیفہ کی طرف سے فوراً معزول کر دیا جاتا تھا۔

ایران کے ساتھ معاہدہ: ایران چونکہ ایک بہت بڑا ملک ہے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے زمانہ خلافت میں تقریباً اس کا معتد بہ حصہ مسلمانوں کے زیر تسلط آ گیا تھا۔اس لیے مختلف علاقوں میں مختلف معاہدے پر عمل میں لائے گئے ان میں سے کچھ کے حوالے سے شرائط کا ذکر کیا جاتا ہے لیکن اگر ہم ان تمام معاہدوں کو دیکھیں تو ان میں جو اصل روح کار فرما ہے وہ یہ ہے کہ غیر مسلموں اور ذمیوں کو بھی زیادہ سے زیادہ سہولتیں دی جائیں اور ان کے ساتھ رواداری کا سلوک کیا جائے۔انہیں اسلام قبول کرنے کی ترغیب تو دلائی جائے

---

[308] الطبری، محمد ابن جریر، ابو جعفر، علامہ تاریخ الامم والملوک، تاریخ طبری، نفیس اکیڈمی اردو بازار کراچی، مترجم، ڈاکٹر محمد صدیق ہاشمی، ص ۴۴

مگر اسلام قبول کرنے پر مجبور نہ کیا جائے۔ ان معاہدوں میں سے ایک معاہدہ حضرت نعمان بن مقرن کا اہل ماہ بہر ازان کے ساتھ ہے جو وہاں کے ذمیوں کے لئے ہے[309]۔

معاہدے کی شرائط

۱۔ ان کے مال و دولت ان کے تمام افراد اور ان کی زمینوں پر پر انہیں لوگوں کا قبضہ تسلیم کیا جائے گا

۲۔ انہیں نہ تو ان کے مذہب ملت سے ہٹایا جائے گا اور نہ ہی ان کے مذہب سے متعلق ان سے کسی قسم کا تعرض کیا جائے گا

۳۔ ہر سال میں ایک مرتبہ ان کے لئے جزیہ ادا کرنا لازم ہو گا جو مسلمانوں کے امیر کو حوالے کرنا ہو گا اور اس کے بدلے میں ان کی حمایت حاصل کی جائے گی

۴۔ جزیہ کی رقم صرف بالغ مردوں سے وصول کی جائے گی

۵۔ ہر شخص کی مالی حیثیت کے مطابق اس سے جزیہ وصول کیا جائے گا

۶۔ اس علاقے کے رہنے والوں کے لیے مسافروں کی ضیافت کرنا اور ان کی رہنمائی کرنا لازم ہو گا

۷۔ گزرگاہوں، راستوں کا ٹھیک کرنا اور ان کا حل ان کی حفاظت بھی ان لوگوں کی ذمہ داری ہو گی

۸۔ مسلمان فوجی دستوں کے ایک دن اور ایک رات کے کھانے پینے اور رہائش کا انتظام بھی ان کے ذمہ ہو گا

۹۔ اگر ان تمام شرائط میں کسی بھی معاملے میں ان لوگوں کی طرف سے دھوکہ پایا گیا یا شرائط میں کمی پائی گئی تو ہماری طرف سے امان ختم ہو جائے گا۔ تاریخ تحریر ۱۹ھ گواہان: عبداللہ بن ذی سہیمن، قطاع بن عمر، جریر بن عبداللہ۔[310]

اہل رے کے ساتھ معاہدہ: حضرت نعیم بن مقرن نے اہل رئے کے ساتھ یہ معاہدہ تحریر فرمایا:

معاہدہ از نعیم بن مقرن الذبنی برائے اہل رے اور ان کے حلیف قبائل!

۱۔ تمہارے ہر بالغ مرد پر اس کی استطاعت کے مطابق سالانہ جزیہ مقرر کیا جاتا ہے۔

۲۔ جزیہ کے علاوہ مسلمانوں کے ساتھ اچھائی کا سلوک ہمدردی اور اور ان کے مسافروں کو راستوں سے آگاہ کرنا، دشمن سے ان کے متعلق جاسوسی اور مخبری نہ کرنا اور ان کے دشمنوں کے ساتھ کسی طرح کی ساز باز نہ کرنا اور مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت اور نگہداشت کرنا بھی اہل رئے کے اوپر لازم ہو گا۔

۳۔ مسلمان مسافروں کے لیے ایک دن اور ایک رات کے کھانے اور رہائش کا بندوبست کرنا اور ان کے ساتھ عزت اور احترام کے ساتھ بھی جانا بھی لازم ہے۔

۴۔ کسی بھی مسلمان کو گالی گلوچ کرنا یا اس کی توہین کرنہ سزا کا مستوجب جرم ہو گا۔ کسی بھی مسلمان کو زدو کوب کرنے کی سزا قتل ہو گی اگر ایسے مجرم اور باغی حکومت کے حوالے نہ کیے گئے تو پوری بستی کو تخت و تاراج کیا جائے گا۔[311]

---

[309] ایضاً

[310] الطبری، محمد ابن جریر، ابو جعفر، علامہ تاریخ الامم والملوک، دار الکتب العلمیہ بیروت ط ۱، تاریخ طبری، نفیس اکیڈمی اردو بازار کراچی، مترجم، ڈاکٹر محمد صدیق ہاشمی، جلد ۲ ص ۲۴۵

[311] الطبری، محمد ابن جریر، ابو جعفر، علامہ تاریخ الامم والملوک، دار الکتب العلمیہ بیروت ط ۱، تاریخ طبری، نفیس اکیڈمی اردو بازار کراچی، مترجم، ڈاکٹر محمد صدیق ہاشمی ۲ ص ۲۵۵

معاہدہ شام: حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالی عنہ کی طرف سے اہل دمشق کے لئے ۱۳ھ میں معاہدہ تحریر کیا گیا

یہ معاہدہ ہے خالد بن ولید کی طرف سے اہل دمشق کے لیے!

۱۔ ان کی جان ومال اور عبادت گاہوں کی حفاظت کی ذمہ داری اس طریقے سے لیتا ہوں

ان کے شہر کے فصیلیں گرائے نہ جائیں گے

مسلمان ان ان کے رہائشی مکانوں میں رہائش اختیار نہ کرے گا

ان کے ساتھ ہر ممکن اچھائی اور حسن سلوک کیا جائے گا

۲۔ ان تمام مراعات کے عوض ان پر جزیہ ادا کرنا لازم ہو گا

۳۔ ہماری طرف سے ان شرائط کی پابندی اللہ تعالی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفا اور مومنین پر ہے

گواہان: حضرت ابوعبیدہ بن جراح، حضرت شرجیل بن حسنہ قضاعہ بن عامر۔

حضرت عثمانؓ کے دور کا آغاز غیر مسلموں سے تعلقات میں ایک بہت ہی بڑی آزمائش سے ہوا۔ خلیفہ دوم حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ پر ایک غیر مسلم نے قاتلانہ حملہ کیا جس کی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ شہید ہوگئے۔ آپ کے شہادت کا سن کر کر آپ کے بیٹے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اس جرم میں ملوث تینوں آدمیوں کو قتل کر دیا۔ جن میں ایک مسلمان اور دو غیر مسلم تھے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو اس جرم کی بنا پر گرفتار کر لیا گیا۔[312] خلیفہ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ جب مسند خلافت پر بیٹھے تو سب سے پہلے اس معاملے کے بارے میں تمام صحابہ کرام سے رائے لی۔ صحابہ میں سے اکثر صحابہ کرام کی یہ رائے تھی کہ چونکہ اسلام مساوات کا درس دیتا ہے اور کسی بھی شخص کو قتل کرنا کسی بھی انسان کے لئے جائز نہیں ہے اس لئے اس قتل کے قصاص میں حضرت عبداللہ کو بھی قتل کر دیا جائے۔ لیکن حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا چونکہ ان لوگوں کے ورثاء موجود نہیں ہیں اس لئے بطور امیر میں ان کی دیت دونگا۔ اور تینوں مقتولین کے لئے برابر دیت مقرر کی گئی اور خلیفہ کی طرف سے دیت ادا کر دی گئی۔ اس طرح یہ معاملہ خوش اسلوبی سے صحابہ کرام کے اتفاق سے طے پا گیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ سے پہلے حضرت عمر رضحی اللہ تعالی عنہ کے دور میں اسلامی حکومت کے تمام شعبہ جات بہت ہی اعلیٰ انداز سے اپنے کام سرانجام دے رہے تھے۔ اسی طرح غیر مسلموں سے کئے گئے معاہدات حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے کے مقرر کردہ معاہدات کو حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ نے جاری رکھا۔ ہاں اگر ذمیوں کو مسلمان عاملوں یا عام مسلمانوں کی طرف سے کوئی شکایت یا کسی طرح ان کا کوئی عذر ملتا تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ اس وقت کے حالات کے مطابق اس میں جو ضروری ترمیمات ہوتی وہ فرما دیتے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ نے اپنے گورنروں کے نام یہ احکامات ارسال فرمائے۔ اور انہیں اس بات کی تاکید کی کہ وہ رعایا کی دیکھ بھال کریں۔ اور ان سے حسن سلوک سے پیش آئیں۔ آپؓ نے ان سے یوں ارشاد فرمایا: کہ یاد رکھیں سب سے زیادہ بہترین اور اچھا طرز عمل یہ ہے کہ آپ مسلمانوں کے اجتماعی مفاد اور اجتماعی معاملات سے دلچسپی لیں۔ مسلمانوں کے ساتھ اچھائی اور حسن سلوک کو لازم پکڑیں۔ کمزاروں اور ضعیفوں کا خیال رکھیں اور ان کے لئے باقاعدہ وظائف اور ان کی دادرسی کریں۔ تمام

---

[312] قاضی مظہر حسین، حضرت عثمان ذوالنورین ؓ مترجم مولانا عبدالوحید الحنفی، مرحبا اکیڈمی، صفحہ ۲۳۳

مسلمانوں کو ان کے حقوق ہر صورت میں ادا کریں۔ اس کے ساتھ کے ذمیوں کے جو حقوق ہیں ان کو دیں اور ان کے ساتھ بھلائی کو لازم پکڑیں۔[313]

حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کی شہادت کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ چوتھے خلیفہ مقرر ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کے دور میں غیر مسلموں سے کوئی نیا معاہدہ نہیں ہوا۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ ان سے قبل اسلامی مملکت کے غیر مسلموں سے جو معاہدات تھے آپ نے ان معاہدات کی پابندی کرنے کے ساتھ ساتھ غیر مسلم رعایا کے ساتھ اچھائی اور حسن سلوک کی بہترین اور اعلی روایت کو جاری رکھا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ ذمیوں کے حقوق کا خاص خیال رکھتے تھے۔ اور اپنے گورنروں اور عمال کو ذمیوں کے ساتھ اچھائی اور بہترین سلوک کی ہدایت فرماتے تھے۔ آپؓ کے زمانہ مبارک میں ذمیوں کو ایک عامل عامر بن مسلم کی سختی اور درشت مزاجی کی شکایت ہوئی۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک جب یہ شکایت پہنچی تو انہوں نے نے اپنے عامل کو یوں لکھا:

مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہارے علاقے کے رہنے والے ذمی دہقانوں کو تمہاری سخت مزاجی سے شکایت ہے۔ یاد رکھو اسطرح سختی اور درشتی میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔ تمہیں نرمی اور سختی دونوں سے کام لینا چاہیے۔ لیکن اس بات کا بھی خیال رکھنا از حد ضروری ہے کہ سختی ظلم کی حد تک نہ پہنچ جائے اور نرمی نقصان کی حد تک۔ ان کا آپ سے جو مطالبہ ہو اسے پورا کیا کرو لیکن ان کے خون سے اور ان کو تکلیف دینے سے اپنے آپ کو محفوظ رکھو۔[314]

آپ رضی اللہ تعالی عنہ کے دور میں مساوات اور عدل کا یہ عالم تھا کہ امیر، غریب، مسلم غیر مسلم سب برابر تھے۔ اگر آپ خود کسی مقدمے میں فریق ہوتے تو آپ کو بھی عدالت میں حاضر ہونا پڑتا تھا۔ آپ رضی اللہ تعالی عنہ نے عدالت کو اس قدر آزاد رکھا تھا کہ اگر عدالتی تقاضے پورے نہ کئے جارہے ہوں تو ان تقاضوں کی کی عدم فراہمی پر گورنروں، صاحب مناصب لوگوں، سرداروں، حتی کہ خود خلیفہ المسلمین تک کہ خلاف بے باک فیصلہ سنایا جاتا تھا۔[315]

ان تمام معاہدات اور واقعات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے دور مبارک میں مسلمانوں نے اپنے وہ تمام وعدے اور معاہدات پورے کیے جو عہد نبوی میں غیر مسلموں سے کیے گئے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کے دور میں ذمیوں کے حقوق کو نہ صرف قائم رکھا گیا بلکہ ان کی حفاظت کا بھی انتظام کیا گیا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالی عنہ نے خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کو رئے شہر کے فتح ہو جانے کی خبر بھیجی تو ساتھ میں کچھ ہدیئے اور تحفے بھی بھیجے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ تک جب یہ تحائف اور ہدایا پہنچے تو انہوں نے پہلے رئے کے جزیہ میں سے ان کے مقدار رقم کو کم کر دیا اور پھر حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو یہ حکم ارشاد فرمایا کہ اہل رئے سے جزیہ کی باقی رقم کی وصولی کرتے ہوئے ان ہدایا کو ان کی طرف سے بطور جزیہ قبول فرمائیں اور باقی اموال ان سے وصول کریں۔[316]

---

[313] ولی اللہ، حضرت، شاہ محدث دھلوی، ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء، اردو، مترجم، مولانا عبد الشکور فاروقی، قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی، صفحہ ۲۱۰

[314] الیعقوبی، احمد بن ابی یعقوب، تاریخ الیعقوبی، بیروت المکتبہ دار البیروت ۲، ۱۹۴۰/ ۱۴۵

[315] الطبری، محمد ابن جریر، ابو جعفر، علامہ تاریخ الامم والملوک، دار الکتب العلمیہ بیروت ط ۱، تاریخ طبری، نفیس اکیڈمی اردو بازار کراچی، مترجم، ڈاکٹر محمد صدیق ہاشمی، ۲/ ۲۳۵

[316] ابن اثیر الجزری، عزالدین علی بن محمد الشیبانی، الکامل فی التاریخ، تاریخ ابن اثیر، مترجم، مولوی عبید الرحمٰن، دالاطبع العثمانیہ حیدر آباد دکن جلد، ۱۶۴/ ۳

خلافت راشدہ میں ماتحت غیر مسلموں کا مجموعی طور پر رویہ بھی مسلمانوں کے ساتھ اچھا رہا۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کے آپسی انتشار اور لڑائیوں کے دور میں بھی غیر مسلم رعایا نے غیر جانبداری کا ثبوت دیا۔ لیکن مسلمانوں نے بھی ہمیشہ کمال درجہ فراخی، مروت اور ہمدردی کے جذبات کا ہمیشہ لحاظ رکھا۔ حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ تعالی عنہ کے دور مبارک میں غیر مسلموں سے کیے گئے معاہدات اور ان کے ساتھ کیا گیا حسن سلوک اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم انتہائی عدل اور انصاف کرنے والے اور معاشرتی مساوات پر یقین رکھنے والے تھے۔ انہوں نے ہمیشہ اس بات کا خیال رکھا مسلمانوں کے طرز عمل سے کسی غیر مسلم کو اسلام سے دوری اختیار نہ کرنی پڑے۔ حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ تعالی عنہ نے ہمیشہ ہی مساوات اور حقوق کی ادائیگی پر زور دیا اپنے عاملوں اور گورنروں اور منصب داروں کو اس بات کی ہمیشہ تاکید فرمائی کے عوام کے حقوق پہنچائے جائیں۔ اور اس میں کسی قسم کی کوتاہی نہ برتی جائے۔

مبحث دوم: خلفاء راشدین کی تعلیمات واقدامات کی عصری معنویت

عصر حاضر میں قومی حکومت کا تصور اور غیر مسلموں کے حقوق کا تحفظ: اسلامی فقہ میں اسلامی ریاست کے غیر مسلم باشندوں کی سیاسی حیثیت "اہل ذمہ" کے عنوان سے بیان کی جاتی ہے۔ اس تصور کے مطابق، غیر مسلموں کو مخصوص شرائط کی پابندی کے ساتھ اسلامی ریاست میں سکونت اختیار کرنے کی اجازت اور جان ومال اور مذہبی حقوق کے تحفظ کی ضمانت دی جاتی ہے، تاہم ان کی حیثیت مسلمانوں کی محکوم رعایا کی ہوتی ہے اور وہ سیاسی و قانونی حقوق کے لحاظ سے مسلمانوں کے برابر تصور نہیں کیے جاتے۔ اس کے برعکس قومی ریاست کے تصور میں کوئی بھی خطہ زمین اصلاً اس ملک کے سبھی باشندوں کی مجموعی ملکیت سمجھا جاتا ہے۔ یہ تصور اپنے مغربی مفہوم میں تقاضا کرتا ہے کہ تمام باشندگان مملکت شہری وسیاسی حقوق کے لحاظ سے مساوی حیثیت رکھتے ہوں اور خاص طور پر عقیدہ ومذہب کی بنا پر شہریوں کے قانونی حقوق میں کوئی تفریق نہ کی جائے۔ اس کے برخلاف مذہبی ریاست ایک مذہب کے ساتھ وابستگی ظاہر کرکے اصولاً اس مذہب کے ماننے والوں کو دوسروں کے مقابلے امتیازی حیثیت عطا کرتی ہے۔ جدید مسلم ریاستوں کا قیام قومیت اور جمہوریت کے جدید تصورات پر ہوا ہے، تاہم بیشتر ریاستوں میں اسلام کو ریاست کے سرکاری مذہب کی حیثیت بھی دی گئی ہے۔ یوں نظریاتی ریاست کے کلاسیکی تصور یعنی دار الاسلام کو قومیت وجمہوریت کے جدید مغربی تصورات کے ساتھ ملا کر ایک نیا امتزاجی نمونہ تیار کیا گیا ہے۔ مسلم سیاسی فکر میں غیر مسلموں کے لیے عقد ذمہ سے شہریت کے جدید تصور کی طرف انتقال کا آغاز خلافت عثمانیہ کے دور میں ہوا تھا۔ سلطنت عثمانیہ نے بدلتے ہوئے عالمی حالات اور سیاسی و قانونی تصورات کے تحت جہاں یورپی جمہوریت کے دوسرے بہت سے تصورات کو اپنے نظام میں جگہ دی، وہاں سلطنت کی غیر مسلم رعایا کے لیے مذہب اور نسل کی تفریق کے بغیر مساوی شہری اور مذہبی حقوق سے بہرہ مند ہونے کا حق بھی تسلیم کیا اور مختلف معاہدوں میں یورپی طاقتوں کو اس کی باقاعدہ یقین دہانی کرائی۔[317]

خلافت عثمانیہ کے خاتمے کے بعد دنیا کے سیاسی نظام میں رونما ہونے والی تبدیلیوں نے مسلمانوں کے غلبہ اور تفوق اور اس کے تحت پیدا ہونے والے قانونی وسیاسی تصورات کو بالکل تبدیل کر دیا۔ اس تناظر میں ۱۹۴۰ء میں مسلم لیگ کی طرف سے مسلمانوں کے لیے ایک

---

[317] الدکتور عبد العزیز محمد الشناوی، 'الدولۃ العثمانیۃ دولۃ اسلامیۃ مفتری علیہا'، ۱/۹۸،۹۶۔ ماجد خدوری، مقدمہ کتاب السیر للشیبانی

الگ قومی وطن یعنی پاکستان کا مطالبہ پیش کیا گیا اور اس کے امکانات واضح ہوتے گئے تو قدرتی طور پر یہ سوال بھی سامنے آیا کہ نئی ریاست کے دستوری خدوخال کیا ہوں گے اور خاص طور پر اس میں غیر مسلم اقلیتوں کی آئینی حیثیت کیا ہوگی؟ پاکستان کے قیام کے بعد ۱۹۵۱ء میں مذہبی علماء کے ایک نمائندہ اجتماع نے ۲۲ دستوری نکات پر مبنی ایک دستاویز مرتب کی تو اس میں نہ صرف یہ کہ غیر مسلموں کے لیے "اہل ذمہ" جیسی کوئی اصطلاح استعمال نہیں کی گئی، بلکہ واضح طور پر یہ قرار دیا گیا کہ تمام باشندگان مملکت، کسی امتیاز کے بغیر، جملہ شہری وسیاسی حقوق سے یکساں بہرہ ور ہوں گے جن میں "حدود قانون کے اندر تحفظِ جان ومال وآبرو، آزادئ مذہب ومسلک، آزادئ عبادت، آزادئ ذات، آزادئ اظہار رائے، آزادئ نقل وحرکت، آزادئ اجتماع، آزادئ اکتسابِ رزق، ترقی کے مواقع میں یکسانی اور رفاہی ادارات سے استفادہ کا حق" شامل ہیں۔ دستاویز میں صرف ایک ریاستی عہدے یعنی "رئیس مملکت" کے لیے مسلمان مرد ہونے کو ضروری قرار دیا گیا جس کا ایک بدیہی نتیجہ یہ تھا کہ باقی حکومتی وانتظامی مناصب میں مذہب کی بنیاد پر امتیاز مطلوب نہیں۔[318] گویا پاکستان بننے کے بعد اس ریاست کے تمام غیر مسلم طبقوں کی حیثیت معاہدین کی بنتی ہے اور ان پر ذمی کا اطلاق درست معلوم نہیں ہوتا اس لیے کہ جنگ آزادی اور تحریک پاکستان میں یہ سب باہم شریک کار تھے جبکہ پاکستان کے قیام کے بعد "دستور پاکستان" کی صورت میں ہمارے درمیان ایک سماجی معاہدہ تشکیل پا چکا ہے۔ اس لیے جو غیر مسلم حلقے پاکستان کے شہری کے طور پر دستور پاکستان کو تسلیم کرتے ہیں اور اس کی پابندی کا عہد کرتے ہیں، وہ ہمارے معاہدین ہیں اور ان کے ساتھ دستور میں ہمارے جو معاملات طے پائے ہیں، ان کی پابندی کرنا اور دستور کے مطابق وطن عزیز کے غیر مسلم باشندوں کو ان کے حقوق ادا کرنا بلکہ ان کی پاسداری کرنا ہماری قومی اور شرعی ذمہ داری قرار پاتی ہے۔ البتہ قادیانیوں کا معاملہ اس سے مختلف ہے، اس لیے کہ وہ اس دستوری معاہدہ کو تسلیم نہیں کر رہے اور اس سے مسلسل انکاری ہیں۔ چنانچہ جب تک وہ ملک کی دیگر غیر مسلم آبادیوں کی طرح دستور پاکستان کو تسلیم نہیں کرتے اور اس پر عملدرآمد کی ضمانت نہیں دیتے، انہیں دوسری غیر مسلم آبادیوں کی طرح برابر کے حقوق نہیں دیے جا سکتے۔[319]

جزیہ کا نفاذ: غیر مسلموں پر "جزیہ" کی ادائیگی کا لازم ہونا ذمہ کے روایتی تصور کا بہت بنیادی جزو تھا اور معاہدے کی لازمی شرائط میں یہ شامل سمجھا جاتا تھا کہ غیر مسلم جزیہ کی ادائیگی کی پابندی قبول کریں۔ تاہم اسلامی سیاسی تاریخ میں اس مسئلے کو سیاسی مصالح کے تناظر میں دیکھنے کی روایت موجود رہی ہے اور عہد صحابہ اور بعد کی اسلامی تاریخ میں مسلمان حکومتوں کے طرز عمل سے واضح ہوتا ہے کہ اس کی عملی تنفیذ کو سیاسۃ کے دائرے سے متعلق سمجھا گیا اور مختلف سیاسی مصالح کی بنیاد پر غیر مسلموں کو جزیہ سے مستثنیٰ قرار دینے کی گنجائش تسلیم کی گئی۔[320] اس تناظر میں برصغیر کی مذہبی سیاسی فکر میں عمومی طور پر جدید قومی ریاستوں میں جزیہ کے نفاذ کو غیر مطلوب قرار دیتے ہوئے مختلف فقہی توجیہات پیش کی گئیں۔ مثلاً ایک نقطہ نگاہ یہ پیش کیا گیا کہ عقیدہ ومذہب کی بنیاد پر اسلامی ریاست کے باشندوں کے مدنی حقوق میں امتیاز کا رویہ مخصوص تاریخی اسباب کا نتیجہ تھا اور سیدنا عمر نے اس وقت کی معاصر اقوام میں محکوم ومفتوح

---

[318] سید حامد عبد الرحمن الکاف، ماہنامہ ترجمان القرآن، دسمبر ۲۰۰۲ء، ص ۶۵،۶۶

[319] موجودہ دور میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کے باہمی تعلقات، ماہنامہ الشریعہ، مارچ ۲۰۱۸ء، ص ۲۵،۲۴

[320] طبقات المحدثین باصبہان ۱/ ۲۳۲؛ مصنف عبد الرزاق، ۱۰۰۲۳

قوموں کے لیے رائج قانونی نظام ہی کو اہل ذمہ پر نافذ کر دیا تھا۔[321] فقہا کے ہاں، بنو تغلب کے نصاریٰ کے ساتھ کیے جانے والے معاملے کی روشنی میں، ایک رائے یہ موجود رہی ہے کہ اگر عملی صورت حالات کسی غیر مسلم گروہ کے ساتھ اسی شرط پر صلح کرنے پر مجبور کر رہی ہو کہ ان سے جزیہ کے بجائے زکوۃ لی جائے جس کی مقدار جزیہ کے مساوی ہو تو ایسا کرنا جائز ہے۔[322]

عصر حاضر میں غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات و معاہدات کی حیثیت: اسلامی تعلیمات قرآن کریم اور سنت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل میں ہر دور میں ہر معاملے کے متعلق مکمل رہنمائی فراہم کرتی ہے۔ مسلمانوں کے عروج کے دور میں مسلم فقہاء نے اسلامی ممالک اور دیگر مختلف ممالک اور اقوام کے حساب سے مختلف اصطلاحات وضع فرمائیں۔ جن میں دار السلام ،دار العہد، دارالحرب، ذمی، مستامن، حربی وغیرہ اصطلاحات ہم ماقبل میں ذکر کر چکے ہیں۔

آج کے عالمی منظر نامے کو دیکھتے ہوئے موجودہ صورتحال کے متعلق مولانا جلال الدین عمری لکھتے ہیں کہ موجودہ صورتحال یہ ہے کہ دنیا کا کوئی بھی ملک اس وقت مکمل دارالاسلام کہلانے، اور اس کے مکمل تقاضے پورے کرنے کا اہل نہیں ہے۔ اور نہ ہی فی الوقت کوئی اسلامی ملک ایسا ہے جس نے اپنے ملک کو دار الاسلام قرار دے کر باقی ممالک کو دار الحرب قرار دیا ہے۔ اسی طرح کسی بھی ملک نے دوسرے ملک کو دارالحرب قرار دے کر اس سے اعلان جنگ بھی نہیں کیا ہے۔ آج کے زمانے میں دنیا کے بیشتر ممالک بین الاقوامی معاہدوں میں بندھے ہوئے ہیں۔ اسی طرح مسلم دنیا کے تمام ممالک کو اگر دیکھا جائے تو اکثر اس وقت جمہوری طرز حکومت اپنائے ہوئے ہیں۔ مسلم اور غیر مسلم اقوام ایک دوسرے کے ملک میں کثیر تعداد سے رہ رہے ہیں۔ اور ان ممالک میں کہیں اسلامی احکام کی بجا آوری پر باقاعدہ طور سے اس طرح پابندی نہیں ہے کہ مسلمان ان کی طرف چڑھائی کریں نہ ہی کہیں مسلمانوں کو صرف اسلام کی بنیاد پر بنیادی حقوق سے محروم کیا گیا ہے[323]۔

اس صورت حال میں مسلم ممالک کی شرعی طور پر یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ غیر مسلموں کے بنیادی حقوق کی حفاظت کریں اور اسلام کی مقررہ حدود میں رہتے ہوئے غیر مسلموں کے عقیدے اور ان کے مذہب کی انہیں مکمل آزادی دی جائے۔ انہیں ترقی کے مواقع فراہم کئے جائیں۔ ان سے کسی بھی طرح کا امتیازی سلوک نہ برتا جائے۔ اور کسی طرح سے ان پر ظلم اور زیادتی نہ کی جائے۔[324]

لہذا آج اکل کی صورتحال دار الاسلام یا دارالحرب جیسی نہیں ہے۔ کیونکہ کسی بھی جمہوری ملک کو بین الاقوامی قوانین کے مطابق اپنے شہریوں کو کو تمام بنیادی انسانی حقوق دینے ہوتے ہیں۔ اسی طرح اگر غیر اسلامی ممالک جہاں پر غیر مسلموں کی جمہوری ہو یا غیر جمہوری حکومت ہو مسلمان اس ملک کو ایک آزاد دعوتی ملک کے طور پر لیتے ہیں جہاں وہ اپنی تبلیغ کا کام انہیں دعوت اصولوں کے مطابق کرتے ہیں۔ اور اسلام کی تعلیم و تبلیغ کا فریضہ سر انجام دیتے ہیں۔[325]

---

321 سید سلیمان ندوی، "کیا اسلام میں تجدید کی ضرورت ہے؟"، مشمولہ "اسلامی تہذیب وثقافت"، ۱/۱۰۴، شائع کردہ خدا بخش اورنٹل پبلک لائبریری پٹنہ

322 ۔ماوردی، الاحکام السلطانیۃ، ۱۸۴

323 جلال الدین عمری، عورت اسلامی معاشرہ میں، مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور، ۱۸۹، ۱۹۸۳

324 جلال الدین عمری، عورت اسلامی معاشرہ میں، مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور، ۱۸۹، ۱۹۸۳

325 قرون اول میں مسلمانوں کے غیر مسلموں سے تعلقات۔ ص ۵۲۷

عصر حاضر میں عالمی معاہدات: اسلام معاہدوں کے احترام کرنے اور ان پر عمل پیرا ہونے کا درس دیتا ہے۔ اور ہمیشہ اس بات کی تلقین کرتا ہے کہ لڑائی سے صلح اور معاہدہ کی طرف جانا بہتر ہوتا ہے۔ اور جب کسی قوم کے ساتھ کسی معاملہ میں معاہدہ ہو جائے تو اس کو بغیر کسی شرعی عذر کے توڑنا انتہائی پرا اور قبیح عمل قرار دیتا ہے اور اس کو بہت بڑا جرم سمجھتا ہے۔

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دور میں کیے گئے تمام معاہدوں کو نبھایا۔ اور جن لوگوں نے نقض عہد کیا ان سے باقاعدہ جنگ کی۔

اسی طرح خلفائے راشدین رضی اللہ عنھم نے اپنے زمانہ مبارک میں جو معاہدے کئے ان معاہدات کو مکمل ذمہ داری کے ساتھ پورا فرمایا۔

اس وقت عالم اسلام کے تقریباً ۵۷ ممالک کے حکمران عالمی معاہدات کو تسلیم کرتے ہوئے ان کی پیروی کرتے ہیں۔ اور عالمی معاہدات پر دستخط کیے ہوئے ہیں۔ ان معاہدات کی پابندی کے حوالے سے عالم اسلام میں بسنے والے لوگوں کی طرف سے بسا اوقات ان کی شرعی حیثیت اور ان کی پاسداری کرنے اور غیر مسلموں کا ساتھ دینے کے متعلق مختلف اعتراضات اٹھاتے جاتے ہیں۔

سب سے پہلے یہ بات جاننے کی ضرورت ہے کہ موجودہ بین الاقوامی قانون کی حیثیت کیا ہے۔ کیونکہ اس وقت مسلمانوں کی تمام ریاستوں نے کچھ بین الاقوامی معاہدوں پر دستخط کیے ہیں۔ اور بین الاقوامی قوانین کی پابندی کرنا اور ان کی پاسداری اور ان کی پیروی کرنے کو بھی تسلیم کیا ہے۔

کسی بھی بین الاقوامی قانون کے دو بڑے ماخذ ہوتے ہیں ایک عرف(custom)یعنی بین الاقوامی تعامل اور دوسرا معاہدات (treaties)۔

اگر ہم ان دونوں ماٰخذ کو دیکھیں تو ان میں سے کوئی بھی ماخذ فی نفسہ غلط اور ناجائز نہیں۔ اگر ہم حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پر نظر ڈالتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے سفیروں سے متعلق قوانین عالم کی پیروی کرنا، اور کسی بھی قوم کے وفد یا سفیر کی عزت و احترام کرنا، اپنی جوانی کے زمانہ میں صلح کے معاہدات کی پاسداری کرنا یہ سب بین الاقوامی تعامل اور بین الاقوامی معاہدات کی درستگی پر دلالت کرتا ہے۔ کیوں کہ گویا عصر حاضر میں اقوام عالم نے بھی انہی چیزوں کو بنیاد بنا کر سفارت کے لئے باقاعدہ سفارت خانے اور باقاعدہ محکمہ کی بنیاد رکھی ہے اور معاہدات کے لئے باقاعدہ عالمی نظام بنالیا ہے۔[326]

بین الاقوامی قوانین و معاہدات کا ارتقاء: بیسویں صدی میں جب بین الاقوامی قوانین کے اصول اور ضوابط کو اور بین الاقوامی معاہدوں کو باقاعدہ مسودہ جات کی شکل میں تحریر کرنے اور منضبط کرنے کی کوششیں کی گئیں۔ تو ایک معاہدہ ۱۹۶۰ میں ہوا جس کے مطابق بین الاقوامی قوانین اور اس سے متعلقہ تمام اصول و ضوابط کو معاہدے کی شکل دی گئی۔ بین الاقوامی قانون تمام انسانوں کی مشترکہ کاوشوں سے وجود میں آیا اور اس میں مسلمانوں کی شریعت کے اصول و ضوابط بھی کافی حد تک موجود ہیں۔ اسی طرح طرح بین الاقوامی قوانین

---

[326] میثاق ویانا، دفعہ ۳۸

کے بہت سے ایسے ماہرین جو مسلمان نہیں ہیں لیکن انہوں نے اس بات کا اقرار کیا ہے کہ اسلامی قانون میں کتاب سیر کی جزئیات کو بین الاقوامی تعامل کے ثبوت کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے۔[327]

بیسویں صدی عیسوی میں بعض بین الاقوامی عدالتیں بھی وجود میں آگئیں جن کے ذریعے بین الاقوامی قوانین اور اصول وضوابط کی تشریح وتوضیح کے کام کو کو مزید بہتر انداز میں سرانجام دینے کی کوشش کی گئی۔ خاص طور پر بین الاقوامی قوانین کی تشکیل کے لئے مستقل بین الاقوامی عدالتِ انصاف(permanent court of international justice)کا وجود میں آنا اور اس سے متعلقہ امور کو سرانجام دینانہایت اہمیت کا حامل ہے۔

جب اقوام متحدہ کی تنظیم کا قیام عمل میں آیا تو اس کے بعد بین الاقوامی قوانین کی تشکیل اور ان کی منظوری کا کام اسی تنظیم کی ایک اہم اور بنیادی شاخ بین الاقوامی عدالت انصاف(international Court of Justice)کی دمہ داری میں شامل ہو گیا۔ اسی طرح بین الاقوامی تعامل کو باقاعدہ عالمی معاہدات کی شکل میں پرونے اور اس کو باقاعدہ طور پر معاہدات و قوانین میں شامل کرنے اور اس کی تسوید کرنے کا کام ایک بین الاقوامی کمیشن(international law commission)کے سپرد کر دیا گیا۔ اس کمیشن میں کسی بھی معاہدے کو عملی شکل دینے کے لیے مختلف نظام ہائے زندگی اور مختلف قوانین کی پیروی کرنے والے ایسے افراد کو جو عوام کی طرف سے باقاعدہ منتخب کردہ ہوں اور اور بین الاقوامی امور و قوانین سے متعلق تمام امور پر دسترس رکھتے ہوں نمائندگی دی جاتی ہے۔

یہ کمیشن مختلف ممالک، ریاستوں اور مختلف کمیونٹیز کے لوگوں سے کسی بھی قانون کے متعلق مشورے اور رائے طلب کرتا ہے۔ اور اس کے بعد کسی معاہدے کی تحریر اور تسوید کا کام کیا جاتا ہے۔ جب یہ کمیشن کسی معاہدے کو ایک مسودے کی شکل میں تحریر کر دیتا ہے تو پھر اسے مختلف ممالک، اقوام اور ریاستوں کے سامنے منظوری کے لیے پیش کیا جاتا ہے۔ اگر یہ ریاستیں اس مسودے میں کوئی ایسے امور اور دیکھتی ہیں۔ جن کے متعلق ان کے تحفظات ہیں یا وہ ان کے قوانین یا مذہب و ثقافت مخالف ہے تو وہ اسے رد بھی کر سکتی ہیں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ اس مسودے میں بہتری کے لیے مزید تجاویز بھی پیش کر سکتی ہیں۔ جب کوئی عالمی معاہدہ تمام ریاستوں اور قوموں کی طرف سے قبول ہو جاتا ہے تو ریاستیں اور ممالک کی طرف سے ان کے منتخب نمائندے اس پر دستخط کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اسی لیے ان معاہدوں پر عمل کرنے کی پابند بھی وہی ریاستیں اور ممالک ہوتے ہیں جنہوں نے اس پر دستخط کیے ہوتے ہیں۔ بین الاقوامی قانون نے ریاستوں کو اس بات کا بھی اختیار دیا ہے کہ اگر وہ چاہیں تو کسی معاہدے کی کچھ دفعات کو ماننے سے انکار کر دے اور ان کے متعلق تحفظات ظاہر کریں۔[328]

چونکہ بین الاقوامی طور پر ایسے ادارے اور پلیٹ فارم موجود ہیں جن میں عالمی معاہدات و قوانین تمام اقوام عالم کے حقوق و فرائض کے متعلق ایسے اصول وضع کیے جاسکتے جس کے مثبت اثرات سب پر ہوں۔ تو عصر حاضر میں مسلمانوں کو بھی اس پلیٹ فارم پر اپنا کردار ادا کرنا چاہیے۔ اور اس سلسلے میں شریعت سے متصادم شقوں کے خلاف اپنے تحفظات کا اظہار کرنا چاہیے۔ اسی طرح مسلم ممالک کے سامنے

---

[327] قرون اول میں مسلمانوں کے غیر مسلموں سے تعلقات۔ ص۲۵۸

[328] اخذ کردہ میثاق ویانا،۱۹۶۹ء

جب کوئی مسودہ منظوری کے لیے پیش ہو تو اس پر دستخط کرنے سے پہلے اس سے متعلق اسلامی حکومت میں علماء کے کمیٹی سے سے مشورہ کیا جانا چاہئے۔ اور ایک اصولی موقف اپنانا چاہیے۔ اور پھر اسی اصولی موقف کے مطابق ہی ایسے مسودہ جات یا قوانین کی منظوری کے لئے دستخط کرنا چاہیے۔ کیونکہ یہ دستخط کرنے کی صورت میں ہم بھی ان قوانین اور اصول و ضوابط کے متعلقہ معاہدات میں شامل ہو جاتے ہیں اور شریعت کے مسلمہ اصولوں کے مطابق جب مسلمان کسی بات پر معاہدہ کر لیتے ہیں تو اس معاہدے پر عمل کرنا ان کے لیے لازم ہو جاتا ہے سوائے ایسے امور و شرائط کے جو شریعت کے متصادم ہوں۔ سنن ترمذی میں ہے:

"المسلمون علی شروطھم الا شرطا حرم حلالا او احل حراما[329]"

ترجمہ: مسلمانوں کے لئے اپنے معاہدوں اور شرائط کی پابندی کرنا لازم ہے سوائے ایسے معاہدوں کے جن کی وجہ سے کوئی حلال حرام ہو جائے یا حرام حلال ہو جائے۔

اگر ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں۔ اور حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے دوسری اقوام سے کیے گئے معاہدات کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں جو اصل جذبہ اور روح نظر آتی ہے وہ خیر خواہی اور انسانی فلاح کا جذبہ ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے اجتماعی معاملات اور فوائد کو ذاتی معاملات سے آگے رکھنا، حقوق اور فرائض کی ادائیگی، پر امن بقائے باہمی، بین المذاہب رواداری، اقلیتوں کی مذہبی آزادی کا تحفظ، سیاسی وحدت کا تصور، سفارتی تعلقات میں مثبت رویہ، عالمی امن و سلامتی کا فروغ اور حسن سلوک یہ سب ایسے امور ہیں جو اسلامی معاشرے میں استحکام اور امن و سلامتی کے باعث بنتے ہیں۔ حضرات خلفاء راشدینؓ نے اپنے دور حکومت میں مساوات اور عدل و انصاف کا ایسا رواج قائم فرمایا جس کی وجہ سے معاشرتی امن و استحکام اور معاشرے کی اصلاح ہوئی۔ ان کے ایک ایک عمل سے اخلاص اور للٰہیت جھلکتی تھی اور ہر عمل میں اللہ تعالیٰ کے احکام اور سنت نبوی کو شعار بنایا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اسلامی مملکت کی اتنی وسعت کے باوجود اسلامی مملکت میں رہنے والی عوام کے انفرادی امتیازات کے باوجود وہ معاشرہ خیر القرون یعنی بہترین معاشرہ بعد از زمانہ نبوی ﷺ تھا۔

اسلامی خارجہ پالیسی کے بنیادی اصول اور خلفاء راشدینؓ کے معاہدات کی عصری معنویت: ہر نظام کی بنیاد چند رہنما اصولوں پر مبنی ہوتی ہے جن اصولوں کے بنا کسی بھی نظام یا کسی ادارے کی حدود اربعہ کا تعین کرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم فرقان حمید اللہ تبارک وتعالی کی طرف سے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کی آخری کتاب ہے۔ جو تمام انسانیت کی راہنمائی اور اصلاح کے لیے دنیا میں آئی ہے۔ یہ کتاب زندگی کے ہر پہلو کے متعلق بہترین اصول اور قواعد وضوابط فراہم کرتی ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تبارک وتعالی نے ہمیں مسلمانوں اور غیر مسلموں کے ساتھ اپنے تعلقات کے متعلق بنیادی اصول و ضوابط فراہم کیے ہیں جن پر عمل پیرا ہوتے ہوئے ہم اپنی مذہبی اور انسانی بقا اور فلاح کا باعث بن سکتے ہیں۔

حضرات صحابہ کرامؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالی کے عطا کردہ فرامین کو تمام انسانیت تک پہنچانے اور اس کا عملی نمونہ پیش کرنے کے لئے دنیا میں تشریف لائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام نے قرآن کریم کے بتائے گئے اصولوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین کی عملی تشریح یہ پیش کی۔ حضرت مولانا صفی الرحمن مبارکپوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں

---

[329] ابو عیسی محمد بن سورہ بن شداد، سنن الترمذی، کتاب الاحکام، باب ماذکر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الصلح بین الناس، ۱۳۵۲، الکتب الستۃ ۱۷۸۷

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد اس لیے تھا کہ تمام انسانیت امن اور سلامتی کی سعادتوں اور برکتوں سے بہرہ ور ہو اور ساری کائینات صلاح ورشد کا مرکز ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ عرب کا علاقہ ایک وفاقی وحدت میں منظم ہو جائے آئے۔ اور اسلامی قوانین تمام انسانوں کے لئے فلاح اور کامیابی کا سرچشمہ ہوں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رواداری اور کشادہ دلی کے ایسے قوانین مرتب فرمائے جن کا آج کی دنیا میں تصور بھی نہیں ملتا۔[330]

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے اعمال کی بدولت ہمیں میں خارجہ پالیسی کے متعلق کچھ بنیادی اصول ملتے ہیں جن کو مختصر اذکر کیا جاتا ہے:

۱۔ دعوت الی اللہ: اسلام کی خارجہ پالیسی کا سب سے اہم اور بنیادی مقصد دنیا کے لوگوں کو اللہ تعالی کی وحدانیت اور یکتائی کی طرف بلانا ہے یہی مقصد ہے جس کے لیے تمام انبیائے کرام کی بعثت ہوئی۔ اسلامی خارجہ پالیسی میں اللہ تعالی کے وحدانیت اور توحید کو بنیادی اصول رکھنے کا اصل مطلب یہ ہے کہ جب کوئی اسلامی ریاست کسی دوسری ریاست کے ساتھ اپنے تعلقات رکھے تو اس میں اسلامی تشخص کو برقرار رکھیں اور جب بھی کسی اسلامی میں ریاست کا غیر مسلموں سے کوئی معاہدہ ہو یا سفارتی تعلقات ہوں سے تو انہیں حکومتی سطح پر اللہ کی توحید کی دعوت دینا اور اور اسلام کی طرف بلانا مسلمان حکمرانوں کا شیوہ ہو۔

۲۔ عالمی امن اور سلامتی: اسلامی مملکت کی خارجہ پالیسی کو امن اور سلامتی کی بنیادوں پر قائم ہونا چاہیے۔ اور کسی بھی دوسرے ملک کے ساتھ کوئی ایسا معاہدہ جو امن اور سلامتی کے مخالف ہو یا ایسا اتحاد جس کی بنا پر دوسروں کی جان اور مال اور ان کی سلامتی کو نقصان پہنچے ۔اسلام اس کی بالکل اجازت نہیں دیتا کیوں کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا اصل مقصد عالمی امن اور سلامتی ہے اور اسلام دراصل عالمگیر اور تمام انسانوں کے لئے ہدایت اور رہنمائی کا منبع ہے۔ ایک اسلامی ملک جو اسلام کے اصولوں اور ضوابط کے مطابق اپنے احکام اور اصولوں پر چلتا ہوں ہو اسے دنیا میں ہر صورت میں امن اور سلامتی کی کوشش کرنی چاہیے۔

۳۔ دفاع ریاست: ہر زمانے میں دنیا کی تمام ریاستیں بیرونی حملوں سے بچاؤ کے لئے مختلف طرح کے اقدامات اور ذرائع استعمال کرتی ہیں۔ اور اس خاطر وہ بیرونی ریاستوں، قبائل اور طاقتوں کے ساتھ اچھے تعلقات قائم رکھنا اور باہمی امداد اور تعاون کی فضا قائم رکھنا چاہتی ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی زندگی سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہمارا میر اخارجی تعلقات کا اصل محور اور مدعا اپنے وطن کا دفاع اور اسلامی ریاست کا استحکام ہونا چاہیے۔

۴۔ معاہدوں کا احترام اور پاسداری: اسلام نے ہمیں معاہدوں کا احترام کرنا اور اور اس کی پاسداری کرنے کا درس دیا ہے۔ اور معاہدے پر عملدرآمد نہ کرنے کو خیانت اور وعدہ خلافی قرار دیا ہے۔ جو کہ اسلام کے نزدیک نہایت قبیح عمل ہے۔ اور اس بات کا حکم دیا ہے کہ کسی بھی ملک قبیلہ یا کسی بھی ریاست کے ساتھ کئے گئے وعدوں پر عملدرامد کرنا ہر مسلمان کا فرض اولین ہے[331]۔

---

[330] مبارک پوری، صفی الرحمن، الرحیق المختوم مکتبہ سلفیہ لاہور، صفحہ ۲۶۳

[331] اسلامی خارجہ پالیسی، ۱۲

۵۔ صلح جنگ سے بہتر ہے: اسلام کی خارجہ پالیسی کی اصل بنیاد معاشرتی امن واستحکام کے لئے کوششیں کرنا ہے اور اس مقصد کے لئے اسلام ہمیشہ اس بات پر زور دیتا ہے کہ ہماری خارجہ پالیسی صلح اور امن کی کوششوں کے لئے ہو اور حتی الامکان اس بات کی کوشش کی جائے کہ کسی بھی ریاست کے ساتھ جنگ نہ ہو۔ہاں اتنی بات ہے کہ اسلام ہمیشہ ہی اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے جہاد کرنے کی حوصلہ افزائی کرتا ہے مگر اس کا مقصد یہ نہیں کہ جو اقوام صلح کے لئے تیار ہو جائیں ان کے ساتھ بھی جہاد کیا جائے۔

۶۔ غیر مسلموں کے ساتھ مشروط تعلقات: اسلام اس بات کی تائید کرتا ہے کہ ہمارے غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات مشروط ہوں اور قرآن کریم کی طرف سے فراہم کردہ دائرہ کار میں رہتے ہوئے ان کے ساتھ تعلقات رکھے جائیں۔دور جدی میں ڈپلومیسی اور خارجی تعلقات کی نوعیت اور ہیت تبدیل ہو چکی ہے اور ہر ملک اپنے اعتبار سے خارجہ تعلقات قائم کرتا ہے۔اس صورت میں ہمیں اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ صرف ایسے تعلقات رکھے جائیں جو اسلامی اقدار، مسلمانوں کی انفرادی واجتماعی زندگی میں کسی نقصان کا باعث نہ بنیں۔اور ایسے لوگوں سے تعلقات نہ رکھے جائیں جو اسلامی روایات اور اقدار کے قاتل ہون اور مسلمانوں کی جڑیں کھوکھلی کرنے والے ہوں۔

۷۔ داخلی امن واستحکام: اسلامی ریاست کو بیرونی معاہدوں کے ساتھ ساتھ اپنی ریاست میں موجود مختلف قبائل، اقوام ومذاہب کے ساتھ بھی مثبت تعلقات استوار کرنے چاہیئے جیسا کہ ہمیں نبی اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ اور حضرات خلفاء راشدینؓ کے عمل سے ملتا ہے۔کیونکہ داخلی استحکام کے بنا خارجی تعلقات پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

۸۔ ملکی معاملات میں رازداری: اسلامی مملکت کے خارجہ تعلقات میں اس بات کو نہایت ہی اہمیت حاصل ہے کہ تعلقات کی بنیاد ایسے عوامل پر ہو جو اسلامی ریاست میں مثبت انداز سے اثر کریں اور اس بات کا خیال رکھا جائے کہ دشمن یا مخالف قوت کے ساتھ معاملات میں اپنے معاملات کی رازداری کا بھرپور خیال رکھا گیا ہے۔

۹۔ معاشی حکمت عملی: کسی بھی ملک کے استحکام اور امن کے لئے اس کا معاشی طور پر مستحکم ہونا نہایت ہی ضروری ہے۔حضرت نبی اکرم ﷺ کی خارجہ پالیسی کا ایک اہم پہلو یہ بھی تھا کہ اپنی مملکت کو معاشی طور پر مستحکم کیا جائے اور مخلاف قوت کی معاشی طور پر کمزور کیا جائے جس سے وہ خود زیر نگیں ہو جائے۔

۱۰۔ بین الاقوامی اصولوں کی پاسداری: آج کے معاشرے کے لئے بین الاقوامی تعلقات رکھنا ماضی بعید کی نسبت زیادہ ضروریہو گیا ہے کیونکہ آج کی دنیا گلوبل ویلج کی صورت اختیار کر چکی ہے۔اس لئے بین الاقوامی قوانین میں سے جو قوانین اور اصول وضوابط اسلامی اصولوں کے مخالف ہیں ان کے خلاف آواز بلند کی جائے اور ایسے تمام بین الاقوامی قوانین جو اسلامی اصولوں سے متصادم نہیں ہیں ان کی ہر صورت میں پیروی کا جائے۔

انسانی حقوق کی حفاظت اور اقوام متحدہ کا چارٹر: اللہ تبارک وتعالی نے یہ چیز انسان کی فطرت اور طبیعت میں یہ بات ودیعت رکھی ہے کہ وہ دوسروں کے ساتھ مل جل کر رہنا چاہتا ہے۔اور اپنی پیدائش سے لیکر پنی موت اور زندگی کے اختتام تک وہ معاشرے کے افراد کے ساتھ تعلقات اور زندگی کی ہر خوشی غمی بانٹتا ہے۔انسان معاشرے کے ایک فرد کی صورت میں ہمہ وقت مختلف مراتب اور مختلف ذمہ داریوں اور حقوق کے جمگھٹوں میں پڑا ہوا ہوتا ہے۔انسان کی کی ذاتی، خانگی، سماجی، معاشرتی اور معاشی زندگی اس کے گرد ایسا جال بنا

دیتی ہے کہ جس جال کے اندر رہتے ہوئے انسان تقسیم در تقسیم کے مراحل میں سے گزرتا چلا جاتا ہے۔ اس لیے انسان کو اپنے معاشرے میں اپنی حیثیت کو مضبوط اور منظم کرتے ہوئے معاشرے کے دوسرے افراد کے ساتھ اپنے روابط اور تعلقات کی جانچ کرنی ہوتی ہے اس لئے وہ معاشرے کے دوسرے افراد کے متعلق حقوق اور فرائض کا تعین کرتا ہے۔

اگر ایک شخص کے لیے کچھ چیزیں حقوق کا درجہ رکھتی ہیں ہیں تو وہی حقوق کسی دوسرے شخص یا فرد کے لئے ذمہ داری قرار دیے جاتے ہیں۔ اور کوئی بھی معاشرہ ایک پرامن اور بہترین معاشرہ تب ہی بن سکتا ہے جب اس معاشرے میں افراد معاشرہ ایک دوسرے کے حقوق اور فرائض میں کوتاہی نہ کرتے ہوں اور ہمیشہ ہی ایک دوسرے کی عزت و آبرو اور حقوق ادا کرتے ہوں۔ جس معاشرے میں بھی یہ صفات موجود ہوں چاہے وہ معاشرہ کوئی بھی معاشرہ ہو وہ امن و امان کی اماجگاہ بن جاتا ہے۔

اسلام نے انسانوں کو ان کے تمام بنیادی حقوق عطا فرمائے ہیں اور حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین اور احکامات کی پیروی کرتے ہوئے تمام لوگوں تک ان کے حقوق پہنچانے کی بھرپور سعی کی ہے۔ زمانہ نبوی اور زمانہ خلفائے راشدین حقوق اور فرائض کی ادائیگی اور پختگی کے حوالے سے انسانیت کا سنہری دور کہلاتا ہے[332]۔

حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہ اور حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی انسانی حقوق کے متعلق تعلیمات اور اقدامات ماقبل میں تفصیل ذکر کی جاچکی ہیں۔ اس مقام پر اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے متعلق کاوشوں اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی آج سے صدیوں قبل کی گئی کاوشوں کا کا موازنہ کیا جائے گا۔

اگر ہم مغرب میں بنیادی انسانی حقوق کی کاوشوں کا جائزہ لیتے ہیں۔ تو ہمیں یہ بات ملتی ہے کہ یورپ میں بنیادی طور پر انسانی حقوق کی ادائیگی اور تعین کے متعلقہ ابحاث پندرہویں صدی میں ملتی ہیں۔ یورپ میں سولہویں صدی عیسوی تک ممالک میں میکاولی نظریات چھائے رہے جن نظریات کے مطابق بادشاہوں اور حکمرانوں ان کو بے پناہ قوت اور طاقت بخشی گئی۔ ۱۶۷۹ میں برطانوی پارلیمنٹ کی قائمہ کمیٹی کے ذریعے ایک قانون پاس کیا گیا جس میں انسانوں کو بلاوجہ حبس بے جا سے تحفظ فراہم کیا گیا۔ اسی طرح ۱۶ جون ۱۷۷۶ کو امریکہ کی ایک ریاست میں ایک مصنف جارج میسن نے ایک ایسا منشور دیا اور اس کا مسودہ دنیا کے سامنے پیش کیا جس کے ذریعے مذہب اور پریس کی آزادی کا مطالبہ کیا گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ بہت سے مسودہ جات مختلف طرح کی آزادیوں اور حقوق کے متعلق متعلق مختلف ممالک میں پیش کئے جاتے رہے۔ ایک اور مسودہ امریکہ کے رہنے والے ایک شخص تھامس جیفرسن کا لکھا ہوا تھا۔ ۱۲ جولائی ۱۷۷۶ کو امریکہ میں آزادی کا اعلان کیا گیا۔ اور ابتدائی قوانین کے اندر ہر اس بات کو شامل کیا گیا جو ان کے نزدیک مسلمہ انسانی قوانین میں شامل تھی۔ اس میں یہ بھی درج تھا کہ تمام انسان ایک دوسرے کے برابر ہیں[333]۔

۱۷۸۹ میں امریکہ میں دس ایسی ترجیحات منظور کی گئیں جو کہ انسانی حقوق کے قانون سے جانی جاتی تھی۔ پہلی جنگ عظیم ۲۸ جولائی ۱۹۴۰ کو شروع ہوئی اور اس جنگ نے انسانوں اور تہذیبوں کی کایا پلٹ کر رکھ دی۔ اس جنگ عظیم کی لپیٹ میں تقریبا دنیا کے تمام ہی ممالک آگئے اور اس جنگ کی وجہ سے لاکھوں انسانوں کا قتل عام ہوا جن کی وجہ سے انسانی حقوق کی بقا کا مسئلہ اور بھی اہمیت اختیار کر گیا۔

---

[332] تھانوی، اشرف علی، مولانا، حقوق العباد، مکتبہ البشری ۲۰۱۲۔ صفحہ ۱۳۳

[333] خلیفہ عبدالکریم، بنیادی انسانی حقوق، لاہور، ارادہ سماجیات، ۱۲۳

اس جنگ میں انسانی حقوق کی بے حد اور بے دریغ پامالی کی گئی اور اس جنگ کے اختتام کے بعد کئی یورپی ممالک جن میں جرمنی بھی شامل تھا اس بارے میں متفق ہوگئے کہ انسانی حقوق کی دفعات کو اپنے قانون میں شامل کیا جانا چاہیے۔ تاکہ کسی بھی جنگ کی صورت میں انسانی جانوں کا یوں بے دریغ ضیاع نہ ہو اور کچھ ایسے حقوق ہوں جو تمام انسانوں کو حاصل ہوں۔ کچھ ہی عرصے بعد دوسری جنگ عظیم کا سانحہ بھی رونما ہوا۔ جس میں انسانی زندگیوں کو اور اس کے حقوق کو مزید پامال کیا گیا۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد تمام ممالک میں انسانی حقوق سے متعلق مزید اصلاحات کی گئیں۔ جنوری ۱۹۴۱ کو روزویلیٹ نے آزادی کے حق میں درخواست پیش کی۔ اس کے ساتھ ساتھ (Atlantic charter) پر اگست ۱۹۴۱ میں دستخط کیے گئے۔ جن کا مقصد انسانی حقوق کی پاسداری کا خیال رکھنا اور جنگ بندی تھا۔

اس کے کچھ عرصہ بعد ہی انسانی حقوق کو قانون کا درجہ دینے کے لیے تمام ممالک اکٹھا ہونے لگے اور تمام ممالک کی کاوشوں سے ۱۰ دسمبر ۱۹۴۱ کو انسانی حقوق کا عالمی منشور متفقہ طور پر جاری کر دیا گیا۔

اس منشور میں ان تمام حقوق کو شامل کیا گیا جو مختلف ممالک میں انسانوں کے بنیادی حقوق کے طور پر شامل کیے گئے تھے۔ جنرل اسمبلی میں اس منشور کی حمایت میں ۴۸ ووٹ آئے جبکہ اس وقت اس ووٹنگ میں صرف ۵۸ ممالک شامل تھے۔ اس منشور کی توثیق کے لیے پاکستان کی نمائندگی کرنے والے اس وقت کے وزیر خارجہ سر ظفر اللہ خان صاحب تھے۔ اقوام متحدہ نے ۱۰ دسمبر ۱۹۴۸ء کو اس انسانی حقوق کے چارٹر کو جاری کیا تھا۔ اس انسانی حقوق کے اس چارٹر کی ۳۰ دفعات ہیں اور اس مختلف دفعات اور ان کی ذیلی دفعات کی صورت میں انسانی اجتماعی زندگی کے کم و بیش تمام شعبوں کا احاطہ کیا گیا ہے۔ انسانی حقوق کے عالمی مغربی منشور کے اعلان کے بعد منشور سے کو دو حصوں میں منقسم کیا گیا۔

۱۔ اس میں سماجی معاشی اور ثقافتی حقوق کو اکٹھا کر دیا گیا

۲۔ شہری اور ریاستی حقوق کو الگ کر دیا گیا۔

بعد ازاں ۱۹۶۶ میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں دونوں عہد ناموں کی جنرل اسمبلی کے رکن ریاستوں کی صوابدید پر چھوڑ دی کہ جو رکن ملک یا ریاست اس چارٹر کو رضاکارانہ طور پر تسلیم کرتا ہو وہ اس عہد نامہ پر دستخط کرے۔ اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے متعلقہ کے مشن نے اس سلسلے میں مزید کام کیا اور ۱۹۵۹ بچوں کے حقوق سے متعلقہ قوانین متعارف کرائے[334]۔ اسی طرح ۱۹۶۳ میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے نسلی امتیاز کے انسداد کے لیے بھی اعلان جاری کیا۔ اس کے ساتھ ہی مختلف مواقع پر پر مہاجرین اور ان کے تحفظ کے لیے، خواتین کے حقوق کے لیے، شادی شدہ عورتوں کی قومیت کے تعین کے لیے، اور نسل کشی کی روک تھام کے لئے قوانین پر متعارف کئے گئے۔ اسی طرح ۱۹۵۱ میں غلامی کے مکمل طور پر خاتمے اور انسداد کے لیے قوانین متعارف کرائے گئے۔ اقوام متحدہ کے مختلف اداروں مثلاً (international labour organisation I.L.O), یونسکو بین الاقوامی ادارہ برائے مہاجرین، اور مہاجرین سے متعلقہ کام کرنے والے ہائی کمشنر نے بھی اپنے اپنے دائرہ کار میں رہتے ہوئے انسانی حقوق کے تحفظ اور اس کی تنظیم و تعیین کے لیے کام کیا۔

---

[334] بنیادی انسانی حقوق، خلیفہ عبد الکریم لاہور، ارادہ سماجیات، ۱۲۳

اگر ہم اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے متعلق اس چارٹر کو دیکھیں تو اس میں تمام تر اہم اور بنیادی حقوق کا احاطہ کیا گیا ہے چاہے یہ انسان کے روایتی حقوق ہوں، سیاسی حقوق ہوں یا مذہبی حقوق ہوں۔

مختلف ممالک کی طرف سے سے ان کے انصاف نافذ کرنے والے اداروں نے اپنے فیصلوں سے مماثلت کے لیے اقوام متحدہ کی کی دفعات کا بھرپور استعمال کیا ہے۔ یہ منشور انسانی حقوق کے متعلق مغرب کی گئی کاوشوں کا ماحاصل ہے مگر یہ یہ مغربی حقوق کی مستقل اقدار نہیں رکھتا

اقوام متحدہ اور اس کے رکن ممالک نے ان حقوق کو متعارف کرانے اور ان کو متعین کرنے میں اپنا کردار ادا کیا ہے لیکن کیا ان حقوق کی ادائیگی کے لیے وہ سنجیدہ بھی ہیں یا نہیں۔ اور کیا ان حقوق کو وہ اپنے سیاسی عزائم کے لیے استعمال کرتے ہیں یا ان کا مقصد واقعتا انسانوں کی بقاء اور ان کے حقوق کا خیال رکھنا ہے۔ اس بات کا جائزہ لینا بہت ضروری ہے۔[335]

ان حقوق سے متعلق صورتحال تب واضح ہوتی ہے جب خود اقوام متحدہ یا اس کے دوست ممالک اور ان کی ریاستوں میں انسانی حقوق کی پامالی اور بھیانک مظالم اور جرائم کو اپنے ملک کا داخلی معاملہ قرار دیتے ہوئے خود ہی اس منشور کو ہوا میں اڑا دیتے ہیں۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل کی سالانہ رپورٹس، مختلف جرائد اور اخبارات کا مطالعہ کریں تو ہمیں یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اقوام متحدہ کا منشور آج بھی عہد قدیم کی طرح انسانوں کو اپنے دام فریب میں پھنسانے کے لئے استعمال کیا جارہا ہے اور اس کے پس پردہ مقاصد میں انسانوں کو اپنے جال میں پھنسا کر اپنی غلامی کی زنجیروں میں جکڑنا ہے۔ یہ مغرب کے ہاتھ میں ایک ایسا فکری ہتھیار ہے جس کے ذریعے وہ مسلم ممالک اور تیسری دنیا پر مسلسل حملہ آور ہے۔ مغرب اور اس کو پوجنے والے والے رکن ممالک نے انسانی حقوق کے بارے میں اقوام متحدہ کے چارٹر کو مسلمہ معیار کا درجہ دے کر کسی بھی معاملہ میں اس سے الگ رویہ رکھنے والے تیسری دنیا اور عالم اسلام کے ممالک کو انسانی حقوق کی خلاف ورزی کا مرتکب قرار دینے کی مہم شروع کر رکھی ہے۔ اور اس سلسلہ میں اسے عالمی ذرائع ابلاغ کے ساتھ ساتھ عالم اسلام اور تیسری دنیا میں اپنی ہم نوا لابیوں کا بھرپور تعاون حاصل ہے۔ جبکہ اس نظریاتی و فکری یلغار میں ملت اسلامیہ کے عقائد و احکام اور روایات و اقدار سب سے زیادہ مغربی دانشوروں، لابیوں اور ذرائع ابلاغ کے حملوں کی زد میں ہیں۔ اس صورتحال میں جب ہم اسلام کے احکام و عقائد پر مغربی دانشوروں کے حملوں کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں یہ حملے احکام و عقائد اور اسلامی معاشرت کے تمام شعبوں کو گھیرے نظر آتی ہے۔ یہ چارٹر دراصل مغربی فلسفہ حیات اور ویسٹرن سولائزیشن کا نقطۂ عروج ہے۔ جس کے پیچھے یہ سوچ کارفرما ہے کہ مذہب کا تعلق صرف عقیدہ، عبادت اور اخلاقیات سے ہے جس میں ہر انسان آزاد ہے کہ وہ عقیدہ، عبادت اور اخلاقیات میں جو رجحان چاہے اختیار کرے اور یہ اس کا ذاتی معاملہ سمجھا جائے جس سے ریاست یا کوئی اور اتھارٹی کسی قسم کا تعرض نہ کرے۔ البتہ انسانی زندگی کے اجتماعی معاملات مثلاً سیاست، قانون، ایڈمنسٹریشن، تجارت، زراعت، اور معیشت کے ساتھ مذہب کا کوئی واسطہ نہیں ہے اور ان امور میں ہر قوم اپنے اجتماعی یا اکثریتی رجحانات کے مطابق کوئی بھی نظام اختیار کر سکتی ہے اور وہ نظام مذہب کی کسی بھی قید یا چھاپ سے آزاد ہو گا۔ اگر ہم اقوام متحدہ کے اس منشور کی مختلف دفعات کا بغور مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں اصل صورتحال انتہائی گھمبیر اور نازک نظر آتی ہے۔ ان دفعات کے طاہری جھمیلوں میں سادہ لوح انسانوں کو پھنسا کر وہ کون سے عزائم لئے ہوئے ہیں اور اس کے پس

---

[335] ابراہیم عبداللہ المرزوقی، اسلامی قوانین میں اسلامی حقوق، ۵۵۱،

پردہ کیا کیا عوامل ہیں یہ بات بخوبی نظر آجاتی ہے مثلا: اگر ہم اس چارٹر کی چارٹر کی دفعہ ۵ کا جائزہ لیں تو ہمیں تو جرائم کی اسلامی سزاؤں کو غیر انسانی قرار دینے کی وجہ بھی سمجھ میں آجاتی ہے۔ دفعہ نمبر ۵ کا عنوان ہے ''تشدد کا خاتمہ'' اور اس میں کہا گیا ہے کہ:

''کسی شخص کو تشدد اور ظلم کا نشانہ نہیں بنایا جائے گا اور کسی شخص کے ساتھ غیر انسانی اور ذلت آمیز سلوک نہیں کیا جائے گا یا ایسی سزا نہیں دی جائے گی[336]۔''

گویا اقوام متحدہ کے منشور کے مطابق کسی مجرم کو دی جانے والی سزا کا تشدد اور تذلیل کی آمیزش سے خالی ہونا ضروری ہے۔ اور جس سزا میں ان میں سے کسی کوئی عنصر موجود ہو گا وہ انسانی حقوق کے منافی قرار پائے گی۔ اسی بنا پر ہاتھ کاٹنے، کوڑے مارنے اور سنگسار کرنے کی سزاؤں کو انسانی حقوق کے خلاف قرار دیا جارہا ہے۔ اور اسی بنا پر پاکستان کی عدالت عظمیٰ میں کسی مجرم کو کھلے بندوں سزا دینے کو انسانی حقوق کی خلاف ورزی سے تعبیر کیا جا چکا ہے۔ جبکہ اسلام میں جرائم پر سخت سزاؤں کا مقصد ہی یہ ہے کہ مجرم کو نصیحت ہو اور دیکھنے والے اس سے عبرت پکڑیں۔ لیکن اگر ہم خلفائے راشدین کے زمانے کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں بارہا اس بات کی وضاحت اور ثبوت ملتا ہے کہ حضرات خلفائے راشدین اور ان کے عمال انسانی حقوق کی ادائیگی اور اس کے تحفظ کے لئے بھرپور کوشش کیا کرتے تھے۔ اور اس معاملے میں وہ کسی کی دوستی یا دشمنی کو کو خاطر میں نہ لاتے تھے مجھے چاہے مسلم ہو یا غیر مسلم ہر ایک کو اس کے حقوق فوری اور آسانی سے ملتے تھے۔

---

[336] بنیادی انسانی حقوق اسلام اور اقوام متحدہ، صفحہ ۱۲۲

باب سوم: اجتماعی امن کے قیام میں حائل رکاوٹوں کا سدباب؛ خلافت راشدہ کے اقدامات کی روشنی میں استفادہ

فصل اول: عہد خلفاء راشدین میں اجتماعی امن کے قیام میں حائل رکاوٹیں

مبحث اول: معاشرتی بدامنی / فساد کا معنی و مفہوم اور صورتیں:

فساد کی لغوی و اصطلاحی تعریف: اگر ہم دنیا اور اس کے احوال و حالات کا مطالعہ کریں تو ہمیں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ معاشرتی امن اور استحکام کسی بھی معاشرے کو خوشحال اور استحکام و ترقی کی طرف لے کر جانے والا ہوتا ہے۔ اسی طرح ایسے تمام اقدامات جو معاشرتی بدامنی اور فساد کا باعث بنتے ہیں ان کی وجہ سے معاشرہ تنزلی اور بدحالی کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ہمیں یہ بات بھی معلوم ہے کہ معاشرے کی فلاح اور معاشرے کی بھلائی اقدامات بہت سے بہترین حکمرانوں اور خلفاء کی طرف سے کئے گئے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ساتھ کسی بھی معاشرے میں بدامنی میں اور فساد کی بھی کچھ وجوہات ہوا کرتی ہیں ہیں جن کی وجہ سے کوئی معاشرہ بدامنی اور بدحالی کا شکار ہوتا ہے۔ اس باب میں ہم معاشرتی بدامنی یا فساد کے کچھ اسباب کا جائزہ لے کر خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا طرز عمل پیش کریں گے۔

قیام امن میں حائل رکاوٹوں کا مطلب ایسے عوامل ہیں جو کسی بھی معاشرے کی ترقی کی راہ میں رکارٹ بنتے ہیں اور اس میں امن و استحکام کے خاتمے کا سبب بنتے ہیں اسی لئے ان رکاوٹوں کو معاشرتی فساد تعبیر کیا جاسکتا ہے۔

فساد کے لغوی اور اصطلاحی معنی: لفظ فساد عربی زبان کا لفظ ہے۔ لفظ فساد مصدر ہے جس کا مادہ اصلی ف، س، د ہے۔ جو کے بہت سے معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ کسی بھی چیز کے فساد کا مطلب اس کا خراب ہو جانا، بگڑنا، ناقابل استعمال ہو جانا ہے[337]۔ فساد صلح، اچھائی کی ضد ہے۔ جب یہ لفظ بولا جاتا ہے کہ فسد الرجل اس کا مطلب ہوتا ہے کہ انسان بگڑ گیا ہے۔ یا اخلاقی بگاڑ کا شکار ہو گیا ہے۔ اردو زبان میں بھی فساد انہیں معنی میں استعمال ہوتا ہے اردو زبان میں فساد کے معنی تباہی، خرابی، خلل، بگاڑ، خلفشار، لڑائی جھگڑا، بڑا ہنگامہ وغیرہ کا ہے۔[338]

فساد کا لغوی معنی بیان کرنے کے بعد ہم اس کی کچھ اصطلاحی تعریفات کا بھی جائزہ لیتے ہیں تا کہ فساد کا معنی مزید واضح ہو جائے۔

مختلف عمرانیات کے ماہرین نے فساد کی جو تعریفات بیان کی ہیں ان تعریفات کے مطابق انسانی باہمی تعلقات میں اور گروہوں کے مابین جاری جدوجہد کی ایک شکل کو فساد قرار دیا جاسکتا ہے۔ لیکن یہ اس وقت ہی وقوع پذیر ہوتی ہے جب کوئی گروہ یا کوئی شخص انعام کے حصول کے لیے یا ذاتی مفادات کے لیے جائز طریقہ استعمال کرنے کے بجائے دوسرے شخص کے ساتھ برائی اور ناانصافی کے طرز عمل کے ذریعے وہ مقصد یا انعام حاصل کرنا چاہے۔[339]

---

[337] سرہندی، وارث، قاموس مترادفات، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۱۹۸۶، ص ۱۳۷۳

[338] مولانا وحید الزمان، القاموس الوحید، صفحہ ۱۲۳۰، ادارہ اسلامیات کراچی ۲۰۰۱،

[339] ڈاکٹر گستاوُلی بان، تمدن ہند، مترجم سید علی بلگرامی، ملک مقبول احمد اکیڈمی میں لاہور، صفحہ ۲۳۹

اے ڈبلیو گرین کے مطابق فساد کا مطلب دوسروں کے ارادوں کو کچلنا، روک نا اور اور ان کی راہ میں تصادم اور مزاحمت کرنے کے لئے حائل ہونا، اور ان کے لئے معاشرتی طور پر رکاوٹ بننا ہے۔[340]

ینگ اینڈ ینگ کے مطابق فساد کا مطلب جذباتی اور جارحانہ اقدامات ہیں اور ان کے نتیجے میں جنم لینے والا جذبہ ہے۔ جس کا مقصد کوئی انعام یا ذاتی مفاد حاصل کرنا ہوتا ہے۔[341]

اگر ہم ان تعریفات کو بغور دیکھیں تو ان کا مطمح نظر اور خلاصہ یہ سامنے آتا ہے کہ فساد کی اصل پیدائش اختلافات اور بدامنی ہے۔ اور فساد کا اصل محور معاشرتی بدامنی اور افراتفری ہے۔ اور فساد مختلف اختلافات کی صورت میں ہو سکتا ہے۔ یہ اختلافات مذہبی صورت میں بھی ہو سکتے ہیں، سیاسی صورت میں بھی ہو سکتے ہیں۔ جیسے کہ دنیا کے تقریبا تمام ممالک میں سیاسی طور پر الگ الگ پارٹیاں موجود ہیں جو ایک دوسرے سے سیاسی اختلافات رکھتے ہیں۔ یہ اختلاف لسانی و گروہی طور پر بھی پایا جا سکتا ہے۔ دنیا میں مختلف طرح کے رنگ و نسل کے افراد رہتے ہیں جن میں رنگ اور نسل کی بنیاد پر لڑائی جھگڑے بھی ہوتے رہتے ہیں۔ اسی طرح یہ معاشرتی اختلاف دیگر صورتوں میں بھی سامنے آسکتے ہیں اور ان اختلافات اور فسادات کو ثقافتی اختلافات یا لسانی اختلافات بھی کہا جا سکتا ہے۔ اسی طرح معاشی اختلافات بھی بدامنی کا سبب بن سکتے ہیں یا فسادات کا سبب بن سکتے ہیں۔ معاشی مفادات کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کوئی شخص ناجائز طریقوں سے کسی دوسرے کا حق ضبط کر کے اپنے مفادات حاصل کرنے کی کوشش کرے اس کی بہت سی صورتیں موجود ہیں[342]۔

در حقیقت اس وقت کسی بھی معاشرے میں کچھ طبقات ایسے موجود ہوتے ہیں جو معاشرتی امن کو اپنے لیے خطرہ سمجھتے۔ اور اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ان طبقات کو اس بات کی پریشانی ہوتی ہے کہ اگر مختلف گروہوں میں معاشرتی طور پر امن اور اخوت کا جذبہ فروغ پا گیا تو ان کی ذاتی طاقت اور اقتدار کو نقصان پہنچے گا۔ اس لئے وہ ایسے اقدامات اور منصوبے پیش کرتے ہیں جن کی وجہ سے لوگوں کا آپس میں نزاع ہو اور یہ لڑائی جھگڑے فساد کی شکل اختیار کر لیں اور معاشرہ بدامنی اور اور بدحالی کا شکار ہو جائے

گویا فساد انسانی معاشرے میں یا افراد معاشرہ کے درمیان پایا جانے والا ایک ایسا عمل ہے جو ہمیشہ ہی سے معاشرے میں موجود رہا ہے افراد یا گروہوں کے اعمال جب عدل اور انصاف کے خلاف حد اعتدال سے تجاوز کر جاتے ہیں تو اس کے خلاف احتجاج اور غم و غصہ کے اظہار کے طور پر عی عمل فساد ظاہر ہوتا ہے۔ فساد کے بے شمار اسباب ہیں جن میں معاشی، سیاسی، مذہبی، لسانی اور معاشرتی حقوق کی حق تلفی کے لیے کی جانے والی جدوجہد وغیرہ شامل ہیں۔ اور یہ تمام عوامل کسی بھی معاشرے میں بدامنی اور فساد کا سبب بن سکتے ہیں۔ فساد سماجی رجحان کے نتیجے میں جنم لینے والا ایک ایسا جرم ہے جس کی نمائندگی طاقتور انتظامیہ اور ملازمت کی درستی کے آلات کے مطابق جان بوجھ کر کی جاتی ہے اس کا مقصد اپنے حقوق کے لئے جائز و ناجائز جدوجہد کرنا یا دوسروں کے حقوق کو ضبط کرنے کے لئے کوششیں کرنا بھی ہو سکتا ہے۔

---

[340] Rao C.N Shanker,p 258

[341] ایضاً

[342] محمد قدری حسن, الفساد الاداری، مجلہ الفکر الشرطی، مجلد ۱۵، بحوث الشرطہ الشارکہ، ص ۲۰

فساد یا بدامنی کے بنیادی عوامل: معاشرے میں افراد معاشرہ کا کردار کسی بھی معاشرہ، ملک اور ریاست کے لیے نہایت اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ اور افراد معاشرہ ہی کسی بھی معاشرہ کے لئے بنیادی رکن کی حیثیت رکھتے ہیں اور کسی بھی معاشرے کا پر امن ہونا اور سکون کا مرجع ہونا اس معاشرے کی ایسی بنیادی اکائی ہے جس پر کسی ملک یا ریاست کی کی عوام کی خوشحالی اور فلاح و بہبود کا انتظار ہوتا ہے۔ جس ملک میں امن اور خوشحالی ہوتی ہے اس ملک کے رہنے والے معاشرتی اور معاشی طور پر ترقی کی منزلیں طے کرتے ہیں۔ جس ملک میں معاشرتی طور پر بگاڑ اور فساد ہوتا ہے ہے اس ملک میں عصبیت پرستی، لسانیت، بداخلاقی، لوٹ کھسوٹ، قتل و غارت گری اور اس جیسی بہت سی برائیاں جنم لیتی ہیں جو کسی بھی معاشرے کو کو خراب کرنے کرنے کا کا باعث بن سکتی ہیں

عام طور پر معاشرتی بدامنی کے کے عوامل کا کا خلاصہ ان عوامل کی صورت میں کیا جاسکتا ہے:

ذاتی، انفرادی اور اجتماعی عوامل فساد: کسی بھی معاشرے میں میں فساد یا بدامنی کے شخصی عوامل میں سب سے اہم کردار فوری دولت کے حصول کی تمنا اور اس کے لئے کوششیں کرنا ہے۔ فوری دولت کے حصول کے لیے انسان ایسے افعال و اعمال کرنے کے لیے راضی ہو جاتا ہے جو نہ تو معاشرہ اس کو کرنے کی اجازت دیتا ہے نہ ہی اس کا دین و مذہب اس بات کی اجازت دیتا ہے اور ایسے اعمال بھی کر لیتا ہے جو کسی صورت بھی اس کے لئے جائز نہیں ہوتے ج۔ اس کی بہت سی صورتیں ہو سکتی ہیں، مثلا چوری چکاری کرنا، مال کو ظلما ہڑپ کر لینا، ڈاکہ زنی کرنا، جوا کھیلنا وغیرہ اسی طرح عام ملازمین میں ملازمت کو نجی ملازمت میں تبدیل کرنا جس میں تفویز کردہ کاموں کا استحصال ہوتا ہے۔ اور وہ افعال اس طرح سرانجام نہیں پاسکتے جیسے انکا سرانجام ہونا ضروری ہوتا ہے[343]۔

اور جہاں تک اجتماعی فساد کے عوامل کی بات ہے تو معاشرتی طور پر اس فساد میں طبقاتی نظام کا بہت کردار ہے۔ معاشرے کے افراد اپنے حقوق کے حصول کے لئے یا معاشرے میں اپنا مقام بنانے کے لئے یا دوسروں کو نیچا دکھانے کے لئے ایسے عوامل اختیار کر سکتے ہیں جو معاشرتی بدامنی یا فساد کا باعث بنتے ہیں۔ جس کی مثال فقر اور افلاس کا وجود ہے اور امیر اور غریب کے درمیان ان کو موجود خلا کا بڑھنا ہے۔ اسی طرح سرکاری شعبے میں اجرتوں کی کمی، اور قیمتوں کی زیادتی اور اعلی معیار زندگی کے حصول کے لیے کوشش ہے۔[344]

معاشی فساد اور اس کے عوامل: اسی طرح معاشرتی بدامنی میں اثر رکھنے والے عوامل میں معاشی استحصال کا بھی بہت بڑا کردار ہوتا ہے۔ اور ایسے تمام عوامل جن کی وجہ سے معاشرے کے افراد کا معاشی قتل ہوتا ہے وہ معاشی بگاڑ کا سبب بنتا ہے۔ جس میں بے جا ٹیکس لگانا، رشوت خوری، منافع خوری، سود، اور دیگر معاشی عوامل بھی اس میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ کسی بھی معاشرے میں معاشی بدعنوانی کے پھیلاؤ اور کرپشن اور لوٹ کھسوٹ کے بڑھنے میں بھی معاشی استحصال اور اس جیسی وجوہات شامل ہوتی ہیں۔ جیسا کہ قیمتوں کا زیادہ ہونا، کم قومی آمدنی ہونا، اجرت کی کمی، روزگار کے مسائل، جھوٹ اور کرپشن وغیرہ۔

معاشرتی بدامنی کے انتظامی عوامل: کسی بھی معاشرے میں بدامنی اور بدعنوانی اور دیگر برائیوں سے بچنے کے لئے باقاعدہ محکمہ جات کا قیام عمل میں لایا جاتا ہے اور ان برائیوں سے نمٹنے کے لیے باقاعدہ انتظامیہ موجود ہوتی ہے۔ لیکن جب اس انتظامیہ اور اداروں کی طرف سے نگرانی میں کمزوری دکھائی جاتی ہے۔ یا عدم مساوات کا مظاہرہ کیا جاتا ہے یا احتساب کا عمل شفاف نہیں ہوتا اور عوام کی

---

343 محمد قدری حسن، الفساد الاداری، مجلہ الفکر الشرطی، مجلد ۱۵، بحوث الشرطہ الشارکہ، ص ۲۰

344 آل شیخ، المرجع نفسہ، الفساد الداری، ص ۵۵

آزادی سلب کی جاتی ہے۔ یا ملازمین کی اخلاقیات میں کمزوری ہوتی ہے۔ یا جوابدہی اور احساس ذمہ داری کے عدم موجودگی ہوتی ہے۔ یا کسی بھی انتظامی ادارے میں رشوت اور کرپشن کا راج ہو جاتا ہے اس صورت میں اس ادارے کی وجہ سے معاشرتی بدامنی کا پھیلاو بڑھ جاتا ہے۔ اس لئے معاشی بد عنوانی کو روکنے کے لئے اور دوسری تمام برائیوں کے تدارک کے لئے کسی بھی حکومت و ریاست کو اپنے انتظامی اداروں کو اختیارات دینے ہوتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ اس بات کی بھی کوشش کرنی ہوتی ہے کہ احتساب کا عمل مساوات اور شفافیت کا حامل ہو۔

معاشرتی بدامنی کے عمومی اور بنیادی عوامل: کسی بھی معاشرے کو بدامنی اور بدحالی کی طرف لے جانے میں بہت سے عوامل کا عمل دخل ہوتا ہے اور ان عوامل کا کسی معاشرے میں موجود ہونا کسی بھی معاشرے کی تنزلی کی طرف جانے کا سبب ہو سکتے ہیں۔ ان میں سے کچھ بنیادی عوامل کا ذکر کیا جاتا ہے۔

عصبیت پرستی: عصبیت کے لفظی معنی میں کسی خاص قوم کی جانب داری، طرفداری اور اس خاص قوم کی ہر صورت میں رعایت اور معاونت کے ہیں۔ عصبیت دراصل اپنی خواہشات کی پیروی کرنے کا نام ہے جس کی وجہ سے انسان کا دل حق اور انصاف کے راست پر چلتے ہوئے حق کا ساتھ دینے کے بجائے صرف اقرباپروری کی خاطر غیر متوازن اور غیر مساویانہ رویہ رکھتا ہے[345]۔

اللہ تعالی نے انسان کی فطرت میں محبت بھی اور خواہشات بھی ودیعت کر رکھی ہیں لیکن جب ان خواہشات اور محبت کا ناجائز اور بے دریغ استعمال کیا جاتا ہے تو معاشرے میں عدم مساوات، ناانصافی اور ظلم پھیل جاتا ہے۔ جو کہ معاشرتی بدامنی کا ایک اہم اور بنیادی سبب ہے۔ اسلام عالمگیر اسلامی معاشرے کے قیام کا داعی ہے اور اجتماعی اتحاد و اتفاق اور جدوجہد کا حامی ہے۔ اسلام ہمیں یہ درس دیتا ہے کہ خاندانوں اور قبیلوں کے حد بندیاں صرف شناخت کے لیے ہیں اور یہ کسی بھی ابھی برتری یا عمدگی کا معیار نہیں ہیں۔ کسی بھی شخص کو کسی قوم یا مذہب سے ہونے کی وجہ سے حقوق سے منع نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی کسی خاص قوم و مذہب کا ہونے کی وجہ سے کسی بھی شخص سے اس کے فرائض ساقط ہو سکتے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالی کا ارشاد مبارک ہے:

"ان اقربکم عند اللہ اتقاکم"[346]

ترجمہ: تم میں سے اللہ کے نزدیک سب سے مقرب اور پسندیدہ وہ شخص ہے جو کہ متقی اور پرہیز گار ہے۔

اسلام لوگوں کے درمیان ان کی قومیت، رنگ و نسل اور زبان کے اعتبار سے فرق نہیں کرتا ہے۔ بلکہ اسلام اچھے اخلاق اور خوش مزاجی اور حسن اخلاق پر زور دیتا ہے۔ اور تقوی، پرہیز گاری اور عمدہ اخلاق کو ہی بلندی اوع عمدگی کا معیار و مرجع قرار دیتا ہے۔ جب ہم حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ابھی اور آپ کی حیات مبارکہ کے بعد آپ کے خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا طرز عمل دیکھتے ہیں تو ہمیں مساوات اور عدل و انصاف کا رواج نظر آتا ہے۔ اور کسی بھی شخص کو معاشرتی طور پر عصبیت کرنے کی اجازت نہیں نظر آتی۔ اس حوالے سے اسوہ نبی ﷺ اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے اقدامات کو تفصیل سے ذکر کیا جا چکا ہے۔

---

[345] ڈاکٹر احمد شلبی، تاریخ تعلیم و تربیت، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۶۳ صفحہ ۳۸۲

[346] القرآن، سورۃ النور، ۳۴

دینی واخلاقی تعلیم وتربیت کا فقدان: کسی بھی معاشرے کے لیے اس معاشرے کے افراد نہایت اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ اسی طرح کسی بھی اسلامی معاشرے میں اس معاشرے کے افراد کی اخلاقی اور دینی تعلیم و تربیت بھی نہایت اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔ اور اخلاقی اقدار کی بنیاد پر ہی اس اسلامی معاشرے کو دوسرے معاشروں سے ممتاز قرار دیا جاتا ہے۔ اسلامی معاشرے کا یہ فریضہ ہے کہ وہ اسلام کے وضع کردہ اخلاقی اقدار و تعلیمات کو اپنے تمام افراد تک پہنچائیں۔ کیونکہ جب کسی بھی انسان کی عقل اس کی اخلاقی رویے کے ماتحت کام کرتی ہے تو وہ معاشرتی طور پر بہتر زندگی گزارنے کی کوشش کرتا ہے اور ان تمام برائیوں اور فسادات سے بچنے کی کوشش کرتا ہے جو معاشرتی بگاڑ کا سبب بنتی ہیں۔ اسی لئے اسلم نے ہر مسلمان پر اس کی زندگی سے متعلقہ امور کی تعلیم حاصل کرنا فرض قرار دیا ہے تاکہ وہ معاشرے میں ایک مفید فرد کا کردار ادا کر سکے حضرت نبی اکرم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

"طلب العلم فريضة على كل مسلم و مسلمة[347]"

ترجمہ: علم کا طلب کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے

علامہ امام نووی رحمہ اللہ اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں تمام عقلمند اور بالغ مسلمانوں کے لئے اسلامی علوم کی تعلیم کا فرض ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور اسلامی علوم میں میں قرآن اور حدیث کو اولین حیثیت حاصل ہے۔ اور ان علوم کو حصول کی فرضیت یہ بات ثابت کرتی ہے کہ اسلام ہمیشہ ہی افراد معاشرہ کو علم کے حصول کی تلقین کرتا ہے تاکہ انسان اپنے وجود کے مقصد اعلی اور اپنے خالق حقیقی کی پہچان کر سکے اور خالق حقیقی کی پہچان کا واحد اور درست حل صرف قرآن اور علم حدیث ہی ہو سکتے ہیں۔ نیز علوم الہیہ، اسلامیہ کے علاوہ وہ ایسے علوم کا حاصل کرنا بھی انسان کے لئے لازم ہے جو انسانیت کی فلاح و بہبود بود کے لیے لازم ہوتے ہیں۔[348]

عصر حاضر میں اگر ہم اسلامی معاشرے کو بھی دیکھیں تو اس میں روحانیت کے بجائے دنیاداری اور مادیت پرستی کا پہلو غالب ہے۔ اس لیے معاشرے کے اکثر افراد دینی روحانی اور اخلاقی تعلیم کی پر توجہ دینے سے قاصر ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ معاشرے میں علماء کی عزت، بڑوں کی قدر کرنا، چھوٹوں پر شفقت کرنا اور ماں باپ اور اساتذہ کیا ادب و احترام اور ان کی فرمانبرداری کا فقدان ہے۔ اسلامی علوم سے بے خبری اور اور اخلاقی ابتری ہی کی وجہ ہے کہ آج کل اسلامی معاشرے بھی برائیوں اور اور اخلاقی بدلحاظی کا شکار ہے ۔ معاشرتی بگاڑ اور اخلاقی جمود کے خاتمے کے لیے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا مطالعہ اور ان کے جانشین حضرات صحابہ کرام خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے طرز عمل کی پیروی کرنا بہت ضروری ہے۔

غیر اسلامی افکار و قوانین کا رواج: اسلام نے انسانوں کو تمام معاملات میں مکمل رہنمائی عطا فرمائی ہے۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد مسعود سے پہلے معاشرہ میں ہر قسم کی برائی، جہالت اور بدامنی چھائی ہوئی تھی۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد مسعود سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام عوامل اور ان تمام افکار و اعمال سے لوگوں کو دور فرمایا جو کسی بھی معاشرے میں بدامنی اور برائی کا سبب بنتے ہیں۔

---

[347] بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح للبخاری، حدیث نمبر ۱۱۲۵۴

[348] النووی، ابوزکریا یحیٰی بن شرف، المنہاج فی شرح صحیح مسلم بن الحجاج، مؤسسۃ قرطبۃ، عدد المجلدات: ۱۸، ۲۰۰۹

حضرت نبی اکرم ﷺ نے شرک اور بت پرستی سے منع فرمایا اور اس کے ساتھ ساتھ قبر پرستی کرنا، غرور تکبر، غیر اللہ کے آگے جھکنا، فال نکالنا، غم کی باتیں ڈھونڈنا وغیرہ اس طرح کے تمام عوامل سے منع فرمایا۔ اسلام اٹل اور پختہ بنیادوں پر قائم ہوا ہے اور اللہ تبارک و تعالی نے اس کے اصول اور ضوابط فرمائے ہیں جن میں کسی طرح کا افراط اور تفریط نہیں اور غلو شامل نہیں ہے۔

آج کے اسلامی معاشرے میں گمراہ کن لبرل خیالات کی بھرمار ہے۔ اور یہی خیالات اور افکار مسلمانوں کو اسلامی تعلیمات اور اسلامی احکامات سے دور کئے جا رہے ہیں۔ اسلامی تہذیب وتمدن اور اسلامی ثقافت آج کے مسلمانوں کے لئے قصہ پارینہ بن چکی ہے۔ آج کے مغربی معاشرے کی ظاہری چکا چوند اور مغربی قوانین اور افکار کی ظاہری کشش نے مسلمانوں کو ان کی طرف راغب کر دیا ہے۔ لیکن اگر مسلمان اپنے عہد رفتہ کی طرف نظر دوڑائیں اور حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعلیمات کا مطالعہ کریں تو انہیں یہ معلوم ہو گا کہ اسلامی افکار اور قوانین ہی دراصل تمام افراد معاشرہ کا مرجع اور تمام افراد معاشرہ کے حقوق بھی اسلامی احکامات اور تعلیمات میں ہی پنہاں ہیں۔[349]

معاشرتی تعمیر وتشکیل میں ریاستی قوانین کا کردار بہت اہم ہوتا ہے۔ اسی لیے کسی بھی مسلم معاشرے میں اگر مکمل طور پر اسلامی قوانین پر عمل کیا جائے تو وہ ملک ملکی تعمیر اور ترقی کا استعارہ بن جاتا ہے۔ مگر افسوس کے ساتھ دور حاضر میں ہمارے ریاستی قانون سیکولر جمہوری تصورات پر مبنی ہو گئے ہیں جس کی وجہ سے معاشرے میں کردار سازی اور معاشرے کے افراد کو بنانے اور ان کی سوچ کا رخ بدلنے پر اس طرح عمل نہیں کیا جا رہا۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے نوجوان معاشرے اور عالمی طور پر صرف ان جگہوں تک ہی پہنچ پاتے ہیں جو محکومانہ مقام ہوں اور عالمی سطح پر حاکمانہ مقامات تک نہیں پہنچ پاتے کیونکہ ان کی تربیت اور کردار سازی کے لئے موثر اور مرتب انداز میں محنت نہیں کی جاتی۔

معاشرتی زندگی میں ناہمواریوں اور خامیوں کی اصلاح کے لئے لیے سب سے اولین اور بنیادی درسگاہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی احادیث اور ان کے افعال ہیں۔ اس کے بعد حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے معاشرے کی تعمیر اور ترقی کے لئے اٹھائے گئے اقدامات ہیں جن اقدامات پر عمل پیرا ہوتے ہوئے کوئی بھی معاشرہ ترقی کی راہ پر گامزن ہو سکتا ہے۔

نمود و نمائش اور فحاشی و عریانی: کسی بھی معاشرے میں بگاڑ اور فساد کا ایک اہم ذریعہ فحاشی و عریانی اور آبرو باختگی ہوتا ہے۔ اسلام نے تمام مسلمانوں کو اس بات کی تاکید کی ہے کہ ہمیشہ ہی حیا اور پاکدامنی کا اور عفت کا دامن تھامے رکھیں۔ اسی صورت میں معاشرے میں بے حیائی اور فحاشی و عریانی کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔ حضرت نبی اکرم ﷺ نے تفصیلی طور پر حیا اور پاکدامنی کی تعلیم فرمائی ہے اور بے حیا انسان کے متعلق ارشاد فرمایا ہے:

"اذا لم تستحی فاصنع بما شئت"[350]

ترجمہ: اگر تم حیا نہیں کر سکتے تو جو چاہے کرو

---

[349] پروفیسر عبد الماجد بھٹی، اسلام اور عہد حاضر کے مسائل، عرفان پبلشرز لاہور اور صفحہ ۴۷

[350] بخاری، محمد بن اسماعیل، الصحیح للبخاری، کِتَاب الْأَدَبِ، بَابُ إِذَالَمْ تَسْتَحِي فَاصْنَعْ مَاشِئْتَ، حدیث نمبر: ۶۱۲۰

اسلامی معاشرے میں کسی کو بلاوجہ تہمت لگانے پر حد قذف بھی مقرر کی گئی ہے۔ اور اس کا سب سے اولین مقصد کسی بھی شخص کی عزت و آبرو کا خیال رکھنا ہے اور اس بارے میں اگر کوئی شخص کسی کے بارے میں کہی گئی بات کی دلیل نہیں دے سکتا تو الزام لگانے والے کو باقاعدہ سزا دی جاتی ہے۔ اسلام مسلمانوں کو متانت سادگی اور حیا کا درس دیتا ہے اور ہر قسم کی بے حیائی اور نمود و نمائش کو اسلام کے معاشرتی اور مذہبی زندگی کے لیے زہر قاتل قرار دیتا ہے اسی طرح اسلام میں مرد اور زن کا اختلاط سے بھی منع فرمایا گیا ہے۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتین کو زیب وزینت چھپانے اور صرف اپنے شوہر کے لئے ہی زیب وزینت اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ اسلام نے عورتوں کو ان کے مکمل حقوق عطا فرمائے ہیں اور ان کو ماں، بہن، بیٹی اور بیوی کی صورت میں نہایت ہی اعلیٰ مناصب عطاء فرمائے ہیں اس کے ساتھ ساتھ ان کے لئے معاشی طور پر کمانا اور گھر والوں کی کفالت کا ذمہ بھی ہٹا دیا گیا ہے۔ مسلم معاشرے کو نمود و نمائش اور فحاشیوں عریانی سے بچانے کے لیے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث پر عمل کرنے کی ضرورت ہے اسی طرح حضرات خلفاء راشدینؓ کے اٹھائے گئے اقدامات اور حضرات صحابیات کرام رضی اللہ عنہن کی کی پیروی کرنے کی ضرورت ہے۔ آج کل کے دور میں میں مسلمانوں کی اخلاقی بدحالی اور مسلم معاشرے میں بدعنوانی اور فحاشی کو رواج دینے کے لئے اہل مغرب نے حقوقِ نسواں کے نام پر بہت سے ایسے قوانین متعارف کرائے ہیں جو کہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہی نہیں بلکہ خود عورتوں کے بھی حقوق کے خلاف ہیں۔ اس سلسلے میں جدید مواصلاتی آلات میڈیا اور انٹرنیٹ کا بھیجا اور بے دریغ استعمال کیا گیا ہے اور مسلم معاشرے میں فحاشی اور عریانی کا زہر گھولا جارہا ہے۔ اس کا مقصد اسلام کے خاندانی نظام کو سبوتاژ کرنے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی ثقافت اور ان کی دینی غیرت کے خاتمہ کی بھی کوشش کی جارہی ہے۔[351]

فساد فی الارض کا سدباب اسلامی تعلیمات کی روشنی میں: معاشرتی بدامنی اور فساد کسی بھی معاشرے کو تنزلی اور بدحالی کی طرف لے کر جاتا ہے اسلام نے معاشرے میں فساد کی انتہائی مذمت کی ہے اور معاشرے کو اس سے بچانے کے لئے کردار ادا کرنے کی تاکید کی ہے۔ فساد فی الارض کے برے نتائج سے بچنے کے کچھ طریقے ہیں جنہیں ذیل میں اختصار کے ساتھ درج کیا جاتا ہے۔

۱۔ رجوع الی اللہ: اسلام نے معاشرے کی اصلاح کے لئے افراد معاشرہ کی اصلاح کا درس دیا ہے اور افراد معاشرہ کو معاشرتی برائیوں سے بچنے کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی ذات کی طرف بلایا ہے اور رجوع کی دعوت دی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے:

"وَ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا اِنَّ رَحْمَةَ اللّٰهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ[352]"۔

ترجمہ: اصلاح کے بعد فساد فی الارض سے باز آجائیں اور اس کو امید و بیم میں پکارتے جائیں۔ نیکوکاروں سے اللہ کی رحمت قریب ہے۔

گویا مجرمین کو بھی اس بات کی تسلی دی گئی ہے کہ اگر کسی سے فساد فی الارض فیسا گناہ سرزد ہو بھی گیا ہے تو اگر وہ خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرئے گا اور اپنے گناہوں اور نافرمانیوں کی معافی طلب کرے گا تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی کامل مغفرت فرماء دیں گے۔

۲۔ امر بالمعروف والنھی عن المنکر: زمین سے فساد ختم کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ لوگوں کو بھلی باتوں کا حکم دیا جائے اور برائی و فساد سے روکا جائے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے جتنے بھی انبیاء کرام علیہم السلام دنیا میں مبعوث فرمائے انہوں نے دنیا میں تشریف لا کر

---

[351] ڈاکٹر احمد شلبی، تاریخ تعلیم وتربیت، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۶۳ صفحہ ۳۸۲

[352] القرآن، سورہ اعراف ۵۶

انسانوں کو اچھائی اور بھلائی کی باتوں کا حکم دیا اور بری باتوں سے روکا۔ حضرت نبی اکرم ﷺ نے بھی تمام انسانوں کی رہنمائی فرمائی اور اس کے لئے یہی طریقہ عمل اختیار فرمایا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسانوں میں یہ مادہ ان کی فطرت میں شامل کر دیا ہے کہ وہ اچھی بات کو مانتے ہیں اور اس کی پیروی کرتے ہیں اور جو بات ان کے دماغ اور دل میں سرایت کر جائے وہ اس پر ہر صورت میں عمل پیرا ہوتے ہیں۔ اللہ تابرک وتعالیٰ نے قرآن کریم میں بارہا انسانوں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم فرمایا ہے ایک مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

" فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُونِ مِنْ قَبْلِكُمْ أُولُو بَقِيَّةٍ يَنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْأَرْضِ إِلَّا قَلِيلًا مِمَّنْ أَنْجَيْنَا مِنْهُمْ [353]"

ترجمہ: سو کیوں نہ ہوئے، ان جماعتوں میں، جو تم سے پہلے تھیں ایسے لوگ جن میں خیر کا اثر رہا ہو کہ منع کرتے رہتے فساد فی الارض سے مگر تھوڑے کہ جن کو ان میں سے ہم نے بچالیا۔

گویا فساد فی الارض سے بچاو اور معاشرتی امن میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا بھی بہت دخل ہے۔ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی وجہ سے معاشرہ امن واستحکام وسلامتی کی اماجگاہ بن سکتا ہے۔

۳۔ معاہدات و باہمی مفاہمت: کسی بھی معاشرے کی تعمیر و ترقی اور خوشحالی کے لئے یہ امر نہایت ہی اہمیت کا حامل ہوتا ہے کہ اس معاشرے کے افراد کا باہمی مثبت ربط ہو اور افراد معاشرہ کا ایک دوسرے کے ساتھ رویہ مفاہمت اور ہمدردی کا ہو۔ کسی بھی معاشرے میں عمومی طور پر مختلف اقوام کے لوگ مختلف رنگ و نسل اور بہت سے مذاہب کے پیروکار لوگ ہوتے ہیں۔ جن کا کسی نا کسی بات میں اختلاف ہونا فطری عمل ہے۔ مگر اسلام نے ان اختلافات کے ہوتے ہوئے باہمی ربط اور تعلقات کا سبق دیا ہے اور اس کے متعلق نبی اکرم ﷺ کے زمانہ مبارک کو دیکھا جائے یا خلفاء راشدین کے زمانہ مبارک کو دیکھا جائے تو ہمیں یہی سبق ملتا ہے کہ معاشرے کا مفید فرد وہی ہے جو معاشرے کے دوسرے افراد کے ساتھ ہمدردی رکھے۔ اپنے فرائض کی ادائیگی میں کسی قسم کی بھی کوتاہی اور غفلت نہ کرئے اور دوسروں کے حقوق بھی من وعن ادا کرتا رہے۔ اسی طرح اسے افراد معاشرہ جن کے ساتھ اس کا کسی بھی قسم کا نظریاتی یا مذہبی و ملی اختلاف ہے اس زمین کی صلاح و درستگی کے لئے ان کے ساتھ سمجھوتہ کیا جائے اور اس پر انبیاء ورسل اور سلف صالحین نے عمل کر کے دکھایا۔ اور پھر معاہدہ کرنے کے بعد اس کی پاسداری بھی کرئے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

"المسلمون على شروطهم إلا شرطاً أحلّ حراماً أو حرّم حلالاً[354]"

ترجمہ: مسلمانوں کو اپنی شرطوں پر ہونا چاہئے اور ایسی شرط نہ ہو جو حلال کو حرام کرے یا حرام کو حلال کرے۔

اس حدیث مبارکہ میں مسلمانوں کو اس بات کی تاکید کی گئی ہے کہ وہ اپنے وعدوں اور معاہدات کی پیروی ہر صورت میں کریں۔ اور معادوں پر عمل پیرا ہونے میں کسی بھی قسم کی کوتاہی نہ کریں ہاں سوائے ان معاہدات کے جو اسلامی قوانین واحکامات کے خلاف ہوں ایسے معاہدات کرنے کی مسلمانوں کو اجازت ہی نہیں ہے۔ حضرات خلفاء راشدین کے زمانہ مبارکہ میں کئے گئے معاہدات کو بالتفصیل

---

[353] القرآن سورہ ھود ۱۱۶

[354] بخاری، محمد بن اسماعیل، الصحیح للبخاری، کتاب الشروط، ۵/ ۱۳۱۴ السلسلۃ الصحیحۃ: ۹۹۲/ ۶

ماقبل میں ذکر کیا جاچکا ہے اور یہ بات بھی تفصیل کے ساتھ گزر چکی ہے کہ خلفاء راشدینؓ کا معاہدوں کی تکمیل کے متعلق کیا طرز عمل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرات خلفاء راشدین کا دور انسانیت کا سنہری دور کہلائے جانے کا لائق ہے۔

۴۔ مدافعت: اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات حکیم ذات ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے تمام مخلوقات کو پیدا فرمایا اور تمام ہی مخلوقات میں سے انسانوں کو اشرف المخلوقات بنایا۔ اور انسانوں کو اپنا خلیفہ اور نائب بنایا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسانوں کو بہت سے اختیارات بھی عطاء فرمائے جو باقی مخلوقات کو عطاء نہیں فرمائے۔ ان اختیارات اور عقل و فکر کی بنیاد پر انسان یہ بھی سمجھنے لگا کہ ہو سکتا ہے سب کچھ ہم انسان ہیں ہیں تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے قدرت کا ایسا نظام بنایا کہ انسانوں کو ان کا انسان اور مخلوق ہونا یاد رہے۔ اور اس بات کا یقین رہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات کو تمام مخلوقات پر مکمل اختیار حاصل ہے۔ اسی لئے زمین پر فساد و برائیوں سے بچا جانا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ روئے زمین کا بگاڑ اور زمین پر موجود فتنہ و فساد کو مدافعت کے قدرتی نظام سے بھی دور کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ[355]"

ترجمہ: اگر ایک کو دوسرے سے دفع کرا دینا اللہ کا دستور نہ ہوتا تو زمین خراب ہو جاتی۔

گویا یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا دستور ہے کہ جب زمین میں فساد، شر انگیزی، برائی انتہائی حد تک پہنچ جاتی ہے تو اپنا امر کن فرماتا ہے جس کے نتیجہ میں ان فسادات اور برائیوں کے اسباب کا خاتمہ فرما دیتا ہے۔ یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا بہت بڑا احسان اور بہت ہی بڑی انسانوں پر نعمت ہوتی ہے کہ فساد کے اسباب کے ازالے کے بعد معاشرہ پھر سے اچھائی اور خوشحال و امن و سکون کا مرجع بننا شروع ہو جاتا ہے۔

۵۔ اسلامی نظام احتساب اور حدود کا نفاذ: کسی بھی معاشرے میں امن و استحکام کی بنیادی اور اصل وجہ افراد معاشرہ کے مابین حقوق و فرائض کی تعیین اور ان کی ادائیگی کے لئے باقاعدہ نظام کا موجود ہونا ہوتا ہے۔ اور ان احکامات اور حقوق و فرائض کی عدم ادائیگی کی صورت میں احتساب کا نظام بھی ہو کیونکہ انسان کی فطرت ہے کہ وہ کسی بھی عمل کے لئے دو ہی صورتوں میں تیار ہوتا ہے۔ یا تو کسی عمل کا اس کو شوق ہو تو وہ اس عمل کے لئے تیار ہوتا ہے یا بھر نہ کرنے کی صورت میں محاسبہ کا ڈر ہو۔ اسلام کا نظام احتساب اس کو دوسرے نظاموں سے ممتاز کرتا ہے۔ اسلام وہ واحد مذہب ہے جس نے جرائم کے لئے الگ الگ حدیں متعین کی ہے۔ مثلاً: چوری کی حد ہاتھ کاٹنا، زنا کی حد کوڑے لگانا یا رجم کرنا، قصاص کا بدلہ قصاص اور اسی طرح فساد کی سزا قتل کرنا یا سولی دینا یا مخالف ہاتھ پاؤں کاٹ دینا ہے وغیرہ۔ اور ڈاکہ زنی شراب نوشی لواطت وغیرہ جیسے غیر فطری اور غیر اخلاقی جرموں کے ارتکاب کی صورت میں سزا دینے کا حکم دیا ہے[356]۔ اور پھر اس نظام احتساب میں کسی بھی قسم کی کوتاہی کو قبول نہیں کیا گیا ہے۔ جب کسی کے کسی جرم کے متعلق فیصلہ ہو جائے تو اس کے معاشرتی مقام یا عہدے کو دیکھے بنا اس پر اس کے جرم کی سزا لاگو ہو جاتی ہے۔ اس حوالے سے مخزومی عورت کے متعلق حدیث بین ثبوت ہے۔

---

[355] القرآن، سورہ بقرہ ۲۵۱

[356] محمد احمد خان، فرد اور معاشرہ، اقبال اکیڈمی لاہور ۱۹۷۸ صفحہ ۷۲

مبحث دوم: عہد خلفاء راشدین میں معاشرتی امن میں حائل رکاوٹیں

حضرت نبی اکرم ﷺ کا دور مبارک خیر القرون یعنی تمام زمانوں میں سے بہترین زمانہ ہے۔ حضرت نبی اکرم ﷺ نے معاشرے کی اس وقت میں جب کہ معاشرہ برائی اور ظلم و فساد کی اماجگاہ بنا ہوا تھا ایسی تربیت فرمائی کہ وہی معاشرہ ایک بہترین معاشرہ بن کر سامنے آیا۔ اور اس معاشرے کے افراد کی ایسی ذہن سازی کی اور ان کی ایسی کردار سازی فرمائی کہ وہ افراد جس معاشرے میں بھی گئے وہ معاشرہ امن و استحکام اور سلامتی کی اماجگاہ بن گیا۔ اس مبحث میں ہم حضرات خلفاء راشدینؓ کے زمانہ میں معاشرتی بدامنی کی وجوہات کا اختصار کے ساتھ جائزہ لیں گے اور پھر ان معاشرتی برائیوں کے خاتمہ کے لئے حضرات خلفاء راشدین کے کئے گئے اقدامات سے عصر حاضر کے لئے سفارشات پیش کریں گے۔

دور نبوی ﷺ اور دور حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما: حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت ظلمت اور ضلالت کی پرچھائیاں تمام جہان عالم پر چھائی ہوئی تھی۔ انسان انسان کے خون کا پیاسا تھا اور انسانی معاشرہ اپنے تاریک ترین دور سے گزر رہا تھا۔ غرض انسانی تاریخ کے سب سے نازک ترین موڑ سے انسان گزر رہے تھے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے امر کن سے ظلالت اور فتنہ و فساد کے خاتمہ کے لئے خیر الرسل و خیر الانام حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا اور ان کے ذمہ انسانیت کی تعمیر نو اور انسانوں کے کردار کی تعمیر لگائی۔ ہم حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مبارک سے پہلے موجود برائیوں میں سے کچھ اہم برائیوں کے متعلق انتہائی اختصار سے تحریر کرتے ہیں۔

مذہبی، روحانی اور اخلاقی حالت: اس زمانے کے بڑے ادیان عیسائیت، یہودیت، مجوسیت، ہندو مت بدھ مت تھے۔ عرب میں بت پرستی کا رواج تھا۔ عرب کے معاشرہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے ساتھ شرک اور کفر کا رواج تھا۔ انسانوں نے اللہ کے سوا متعدد الٰہ اور معبود بنا لیے تھے۔ بت پرستی زمانے کا دستور تھا اور ہر گھر میں مختلف قسم کے بت موجود ہوتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ مختلف اہمیت کے حامل مقامات پر بڑے بڑے بت نصب کیے گئے تھے جو کہ ان بتوں اور مقامات کی عظمت کی دلیل سمجھے جاتے تھے۔ اللہ تعالی اور انسان میں خلیج بہت وسیع ہو چکی تھی جس وجہ سے انسان پوری دنیا میں خود کو تنہا محسوس کرتا تھا۔ کیونکہ انسان کو اصلی روحانی سکون صرف اللہ تبارک و تعالیٰ کی عبادت اور اس کی حمد و ثناہی کے ذریعے حاصل ہو سکتا ہے اور وہ معاشرہ اس بات سے کوسوں دور تھا۔

انسان اپنے حقیقی مقصد حیات یعنی عبادت خداوندی کو بھول کر انسانیت کے مقام سے نیچے گر چکا تھا۔ ایمانیات اور اعتقادات کا تعلق عملی زندگی سے ختم ہو جانے کے بعد انسان صرف رسوم و رواج کے پیچھے پڑ گیا تھا۔ اور مذاہب کے نام پر صرف کچھ رسوم و رواج ہی باقی رہ گئیں تھیں جن میں امیر و غریب کے مطابق ترامیم کرنے کی گنجائش موجود تھی۔ امیر اور معاشرتی طور پر اہمیت کے حامل اشخاص کچھ روپوں کی بدولت دین کا کوئی حکم اپنے مطابق ڈھلوا لیا کرتے تھے۔ معاشرے کے کمزور اور ضعیف طبقے کے لئے معاشرے میں رہنا اور اپنے حقوق کا حصول جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔ غرض وہ معاشرہ اخلاقی، روحانی اور مذہبی طور پر بدحالی کا شکار تھا۔

سیاسی حالت: معاشرہ ایک نامیاتی مرکب ہے اور اس کے ایک فرد کی تکلیف سارے افراد کی تکلیف کا باعث بنتی ہے۔ معاشرے میں پیدا ہونے والی سب سے بڑی برائی اور سب سے بڑا ظلم شرک ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"انَّ الشِرک لظلمٌ عظِیم[357]"

ترجمہ: بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔

اس حوالے سے حدیث مبارکہ میں شرک کے ظلم عظیم ہونے کے متعلق ارشاد ہے:

"عن عبد الله بن مسعود قال لما نزلت هذه الآية۔الذين آمنوا ولم يلبسوا إيمانهم بظلم[358] شَقَّ ذلك على أصحاب النبي ﷺ وقالوا أيُّنا لم يظلم نفسه؟ فقال رسول الله ﷺ: "ليس كما تظنون، إنما هو كما قال لقمان لابنه: يا بني لا تشرك بالله إن الشرك لظلم عظيم[359]"

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت" الذين آمنوا ولم يلبسوا إيمانهم بظلم "نازل ہوئی تو صحابہ کرامؓ کو یہ بہت مشکل محسوس ہوا اور آپ ﷺ سے عرض کیا کہ ہم سب سے خود ظلم سرزد ہو جاتا ہے تو کیا ہم بھی اس میں شامل ہونگے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اس سے وہ مراد نہیں جو تم سمجھ رہے ہو بلکہ اس سے مراد وہ ظلم ہے جس کے متعلق حجرت لقمانؑ نے اپنے بیٹے سے فرمایا تھا"إن الشرك لظلم عظيم"۔

شرک سے اجتماعی زندگی کے تمام شعبے متاثر ہوتے ہیں سیاسی شعبہ میں بھی شرک کی وجہ سے فرعونیت اور ہامانیت جنم لیتی ہے۔اس فرعونیت کے نشے میں انسان اپنی قوت اوت سطوت میں مسلسل اضافہ کا خواہاں رہتا ہے اور پھر یہ مقام آتا ہے کہ انسان پھر اپنی قوت اور طاقت کی حمایت سے خود کو الوہیت کے درجے تک پہنچانے کا باعث بنتی ہے۔

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں حکومتیں فرعون یاہامان کی طرز حکومت پر قائم تھیں۔ جس میں خدا تعالی کے قوانین اور آئین کے بجائے فرعونی قوانین کی حکومت تھی۔عوام سیاسی حقوق سے محروم تھے۔سامراجیت،خانہ جنگی، جان،مال،عزت اور ناموس کا عدم تحفظ اور اس طرح کے ہزاروں سیاسی مسائل بھی موجود تھے[360]۔

معاشی حالت: فرعونی اور برے معاشرے کی ایک پہچان یہ ہے کہ اس میں دولت کی تقسیم عدل و احسان کے اصول پر نہیں ہوتی۔بلکہ دولت صرف دولتمندوں کی باندی ہوتی ہے۔اس لیے دولت کی گردش صرف اور صرف زیادہ دولت مند افراد کے درمیان ہی رہ جاتی ہے۔اور معاشرے کے کمزور طبقات تک دولت کی ترسیل نہیں ہوتی۔اسی طرح فرعونی معاشرے کی ایک نشانی یہ ہوتی ہے کہ اس معاشرے میں طبقاتی کشمکش پائی جاتی ہے۔اور اس کا نتیجہ افلاس اور فقر و فاقہ کی صورت میں نکلتا ہے۔اور اس کے ساتھ ساتھ سود قمار اور چوری چکاری بھی ایسے معاشرے کا بنیادی حصہ بن جاتی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ معاشی برائیاں جیسے جھوٹ غیبت بھی جنم لیتی ہیں۔یہ تمام برائیاں اور یہمعاشی استحصال آمد نبوی ﷺ سے قبل کے معاشرے میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔

ثقافتی حالت: حضرت نبی اکرم ﷺ کے دنیا میں تشریف لانے سے قبل عرب کی ثقافتی حالت بھی انتہائی ابتر تھی،انسان کے اندر کی دنیا تاریک اور پلید ہو چکی تھی اس لیے اس کا ظاہر بھی وہی بن رہا تھا جو کہ اس کے باطن میں تھا۔رقص و سرور کی محفلیں،شراب نوشی،

---

[357] القرآن،سورۃ لقمان ۱۳

[358] القرآن،سورۃ الانعام،۸۲

[359] بخاری،محمد بن اسماعیل،الصحیح للبخاری،۹/ ۱۸حدیث نمبر ۶۹۳۷

[360] ندوی،علامہ معین الدین احمد خلفائے راشدین،ناشران قرآن اکیڈمی لاہور

قمار بازی اس زمانہ کی ثقافتی زندگی کے اہم عناصر تھے۔ فحاشی، عریانی اور لہو لعب میں مست رہنا عام کا معمول تھا۔ عورت کو سماج میں کوئی حیثیت اور مقام حاصل نہ تھا عورت عام ساز و سامان کیطرح بازاروں اور منڈیوں میں بیچی جاتی تھی۔[361]

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مبارک میں آپ ﷺ کی آمد سے قبل جو بھی معاشرتی برائیاں تھیں، چاہے وہ سیاسی اخلاقی ثقافتی تھی یا مذہبی لحاظ سے، جو بھی برائیاں تھیں حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور قرآنی احکامات کو قبول کرنے کے نتیجے میں وہ تمام برائیاں اسلامی معاشرے سے ختم ہو چکی تھیں۔ لیکن حضرات خلفاء راشدین کے زمانہ مبارک میں اس کے اختتام کے قریب ہی معاشرتی برائیوں نے پھر سے جنم لینا شروع کر دیا تھا اور آہستہ آہستہ معاشرے میں سے دور نبوی ﷺ کا نور اور روحانیت ختم ہوتی جارہی تھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا میں جب بھی کوئی بڑا واقعہ پیش آتا ہے تو اچانک پیش نہیں آجاتا بلکہ اس کے اسباب جلی ہوں یا خفی پہلے سے کار فرما ہوتے ہیں۔ آپ ﷺ کے زمانہ مبارک میں تقریبا تمام عرب حلقہ بگوش اسلام ہو گیا تھا لیکن یہ سب حضرات الفت و محبت اور مقام و مرتبہ کے اعتبار سے یکساں مقام کے حضرات نہ تھے۔ پھر ان مسلمانوں میں ملے ہوئے وہ لوگ تھے جو مدینہ کے اطراف واقع اس کے باشندے تھے اور اعراب کہلاتے تھے۔ ان کے متعلق قرآن کریم میں اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"قالت الاعراب اٰمنّا قل لم تومنوا ولٰکن قولوا اسلمنا ولمّا یدخل الایمان فی قُلوبِکم[362]"

ترجمہ: اعراب کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے، اے محمد ﷺ آپ ان سے کہہ دیں کہ تم یہ مت کہو کہ تم ایمان لے آئے ہو کیونکہ ایمان تمہارے دلوں میں بھی داخل نہیں ہوا بلکہ یوں کہو اسلمنا کہ ہم صرف مسلمان ہو گئے ہیں

اعراب کے علاوہ دو اور طبقے تھے اس زمانہ میں موجود تھے جو اس وقت اسلامی معاشرے کا جزو تھے۔ ایک طبقہ منافقین کا تھا اور دوسرا مولفتہ القلوب کا۔ اول الذکر طبقے نے آستین کے سانپ کی طرح اسلام کو بہت نقصان پہنچایا اور ہمیشہ اس درپے رہے کہ اسلام اور مسلمانوں کو چوٹ پہنچا سکیں اور ان کے کارناموں کو قرآن کریم میں بھی بار بار اور تفصیل سے اس لیے بیان کیا گیا تا کہ مسلمان انکی ریشہ دوانیوں اور سیاہ کاریوں کا شکار نہ بن جائیں اور مسلمانوں کو ان کے متعلق اس بات کی خبر رہے کہ یہ لوگ صرف ظاہری طور پر مسلمانوں میں شامل ہیں۔ دوسرا طبقہ مؤلفۃ القلوب کا تھا جو لوگ مسلمانوں میں گھل مل گئے، ان کے ساتھ غزوات میں شریک ہوئے لیکن فقط دنیاوی اور مالی مفادات کی خاطر۔ اگرچہ ان میں سے سب لوگ ایسے نہیں تھے اور کچھ لوگ ایسے بھی تھے جنہوں نے سچے دل سے اسلام قبول کر لیا تھا۔ مگر بہت سے ایسے تھے جو صرف وقتی مالی و دنیاوی مفادات کی خاطر مسلمانوں کے درمیان رہ رہے تھے۔ چنانچہ عیینہ بن حصن فزاری جو مؤلفۃ القلوب میں سے تھا اور مرتد ہو گیا تھا وہ جب مرتد ہونے کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ کے دور مبارک میں گرفتار ہوا اور اس سے پوچھا گیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کے ساتھ معاملہ اللہ بہت اچھا تھا اور لطف و کرم والا تھا تو وہ کیوں مرتد ہو گیا اس نے کہا واللہ ما امنت قط یعنی اللہ کی قسم میں کبھی ایمان ہی نہیں لایا بلکہ صرف ظاہری طور پر مسلمان بنا رہا[363]۔

---

[361] حمید اللہ ڈاکٹر، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی زندگی، صفحہ ۳۵

[362] القرآن، سورۃ الحجرات، ۱۴

[363] عثمان ذوالنورین، مولانا سعید احمد اکبر آبادی، ناظم آباد کراچی ص ۱۶۰

ان دو طبقوں کے علاوہ یہودی اور نصرانی بھی مدینہ میں رہتے رہے تھے اگرچہ آپ ﷺ کی وفات کے ساتھ ان کا عرب سے خاتمہ ہو گیا تھا مگر وہ اپنے اثرات چھوڑ گئے تھے یہ طبقات اسلام کے لئے خطرہ اور مسلمانوں کی بیخ کنی کرنے کے لئے تیار رہتے تھے۔

حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ تعالی عنہ کے دور مبارک میں ان عناصر سے باقاعدہ مسلمانوں کو تکالیف پہنچی اور مسلمانوں کے لئے یہ عناصر کہیں نہ کہیں فتنہ وفساد کا سبب بنے اور ان میں وبال کی کیفیت ہو گئی تھی اور وہ مختلف شکلوں میں اسلام دشمنی کا مظاہرہ کرنے کے لیے میدان میں آ گئے تھے ان عناصر کے تین بڑے محاذ تھے۔ا۔مدعیان نبوت،۲۔مرتدین،۳۔مانعین زکوۃ

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے بیک وقت تینوں فتنوں کا مقابلہ کرکے ان کو ختم کر دیا اور اسلام کی وحدت اور سالمیت کو محفوظ رکھا۔اس حوالے سے ماقبل میں بالتفصیل ذکر کیا جا چکا ہے اس لئے اختصار سے کام لیا جاتا ہے۔حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ کارنامہ اس قدر عظیم الشان اور اہم ہے کہ جس کی مثال ملنا مشکل ہے۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ حضرت ابو بکرؓ کے اس بے مثال کارنامے کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں

"لولا ابو بکر لما عبد اللہ علی الارض[364]"

ترجمہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ اگر موجود نہ ہوتے تو زمین پر اللہ کی عبادت نہ کیجاتی

عہد نبوی ﷺ اور عہد حضرت ابو بکرؓ میں عناصر فساد صرف عرب تک محدود تھے۔لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے دور مبارک میں فتوحات کی وجہ سے جب عرب اور عجم کا اختلاط ہو گیا تو ان عناصر میں ایک اور عنصر کا اضافہ ہو گیا۔اور اس عنصر نے اسلامی اقدار اور اسلامی معاشرے پر بہت تیزی سے حملہ کیا اور اس عنصر کی ہلاکت انگیزی اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسا رعب دار،عدل و انصاف اور اپنی رعایا کی فلاح و بہبود کا خیال رکھنے والا خلیفہ بھی اس کے نتیجے میں جام شہادت نوش فرما گئے۔گویا حضرت نبی اکرم ﷺ نے دنیا میں تشریف لا کر جس فتنہ وفساد کا خاتمہ فرماء دیا تھا وہ پھر سے جڑ پکڑنا شروع ہو چکا تھا اور ان تمام حالات اور واقعات سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کے دور خلافت میں فتنہ اور فساد کے جو اسباب پیدا ہوئے،ان اسباب کے جراثیم کہیں پہلے سے موجود تھے اور اندہی اندپنپ رہے تھے۔اور عہد بہ عہد ان میں ترقی ہو رہی تھی ہم ان عناصر کا جائزہ لیتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے دور مبارک میں جو فتوحات ہوئیں۔اور اسلامی مملکت میں جو وسعت ہوئی حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کے دور میں ان علاقوں میں استحکام پیدا ہوا۔اور اگر ہم بنظر غائر اسباب کا جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد میں ممالک محروسہ، اسلامیہ میں مختلف قومیں اور قبائل آباد تھے جن کے ساتھ مسلمانوں کا واسطہ پڑ رہا تھا۔جن میں عراق میں قبیلہ مضر اور ربیعہ اور کچھ بشاخیں آباد تھیں۔فارس یعنی آج کے ایران میں آتش پرست تھے۔ایران میں کچھ رومی اور یہودی بھی آباد تھے۔شام زمانہ قدیم سے مختلف اقوام اور قبیلوں کی تہذیب و تمدن کا مرکز تھا۔فراعین مصر،یونانی،رومی اور آخر میں غسانیوں کا جو عربی النسل ہی تھے مرکز رہ چکا تھا۔[365]

---

[364] صدیق اکبر،مولانا سعید احمد اکبر آبادی،ناظم آباد کراچی ص ۱۶۰

[365] اخذ کردہ،الدولۃ العربیۃ الاسلامیہ،قاہرہ،ص ۹۸ تا ۱۰۲

مصر قدیم تہذیب و تمدن کا گہوارہ رہ چکا تھا جس کی تعمیر میں قدیم اہل مصر، یونانیوں اور رومیوں نے حصہ لیا تھا اس کے علاوہ طرابلس، الجزائر، مراکش، جبل الطارق تک کی وسیع و عریض زمینیں حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کے عہد میں فتح ہوئیں جو کہ رومن امپائر کا حصہ تھے۔ مسلمانوں نے جب ان ممالک کو فتح کیا تو مسلمانوں کا مفتوحہ علاقوں کی عوام کے ساتھ بہت ہی گہرا ربط ہو گیا۔ عمومی طور پر مختلف اقوام جب کسی علاقہ کو فتح کرتی ہیں تو ان کے مابین تعلق کی نوعیت حاکم و محکوم کی ہوتی ہے جبکہ مسلمان اور دوسری قوموں میں اختلاط اور ربط بہت گہرا ہو گیا تھا کیونکہ اسلام چھوت چھات اور طبقاتی تفریق کا قائل نہیں ہے اور مفتوحہ علاقے میں سے کوئی بھی کسی بھی قوم سے تعلق رکھنے والا شخص صرف اسلام قبول کر کے وہ تمام حقوق حاصل کر سکتا ہے جو کسی عام مسلمان یا مسلمانوں کے امیر کو حاصل ہوتے ہیں۔ ان تمام علاقوں میں رہنے والوں میں تین طرح کے طبقات موجود تھے۔ ایک وہ طبقہ تھا جس نے صدق دل سے ایمان قبول کر لیا تھا اور اسلام کو ہی اپنا اوڑنا بچھونا بنا لیا تھا۔ ان کی غرض کسی دنیاوی فائدہ یا لالچ کی نہیں تھی نا ہی ان میں کسی قسم کی طبقاتی تفریق یا عصبیت تھی۔

دوسرا طبقہ وہ تھا جو حلقہ بگوش اسلام کا ہو گیا تھا لیکن قومی افتخار اور تہذیبی برتری اور اعلی ہونے کا احساس ان کے دل و دماغ سے ختم نہیں ہوا تھا۔ اور وہ ہمیشہ ہی سے اپنی قومی افتخار اور اپنے انساب کا تفاخر کرنے کا عصبیت میں پڑے ہوئے تھے۔ اور تیسرا طبقہ وہ تھا جنہوں نے اسلام قبول کیا ہی نہیں تھا۔ اب یہ دونوں آخری طبقے تہذیب و تمدن کے افتخار کے احساس میں اکھٹے تھے ان کی وجہ سے ممالک اسلامیہ میں شامل علاقے مختلف میلانات، رجحانات اور افکار و نظریات کے سخت تصادم اور اور نزاع باہمی کا سبب بن چکے تھے[366]۔

حضرت عثمانؓ کے دور مبارک میں معاشرتی امن میں حائل رکاوٹیں: حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کے خلاف بغاوت کے جو اسباب ہیں ان میں سے پہلا سبب یہ ہے کہ اسلامی ممالک کے کچھ لوگ شروع ہی سے اسلامی حکومت کے خلاف تھے اور یہ حقیقت سب سے زیادہ عراق میں نمایاں تھی اگرچہ یہ حقیقت مصر اور شام میں بھی پھیلی ہوئی تھی۔ عرب میں حیرہ کے علاقہ میں رہنے والے موالیوں نے جو فتنہ و فساد برپا کیا ہوا تھا حضرت امیر معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے اس کو ختم فرما دیا تھا[367]۔ اس باہمی نزاع اور ہمہ جہتی کشمکش کی وجہ سے پوری مملکت اسلامیہ اس وقت مختلف نظریات افکار اور میلانات و رجحانات کی معرکہ زار بنی ہوئی تھی۔

اس صورتحال کا زیادہ افسوسناک پہلو یہ تھا کہ یہ تصادم صرف عرب اور غیر عرب میں نہیں تھا بلکہ اسلام نے آکر جس قبائلی عصبیت کو ختم کر دیا تھا وہ پھر سے ابھر کر آئی تھیں اور بنو ہاشم اور بعض ان کے ساتھ ہی کے قبائل جیسے بنو امیہ میں آپس میں کچھ رنجشیں شروع ہو گئیں۔ اس حوالے سے بنو امیہ اور بنو ہاشم کی عداوت اور رقابت اسلام سے قبل بہت ہی زیادہ تھی۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا وقت قریب تھا جب وہ واقعہ پیش آیا جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خلیفہ کے متعلق پوچھا گیا[368]۔ اور اس واقعہ کو بنیاد بنا کر بہت سے معترضین نے بہت سے اعتراضات بھی کئے مگر اصل سمجھنے کی بات یہ ہے کہ ان واقعات سے یہ بات ثابت ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ساتھ ہی عصبیت کا پہلو کسی نہ کسی طور سے مسلمانوں میں پھر سے جڑ پکڑنے لگا تھا۔ اور

---

[366] اخذ کردہ، الدولۃ العربیۃ الاسلامیہ، قاہرہ، ص۹۸ تا ۱۰۲

[367] العقد الفرید، ابن عبد ربہ، ۲/ ۹۰

[368] بخاری، محمد بن اسماعیل، الصحیح للبخاری، باب مرض النبی

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ہی سے بنو ہاشم اور بنو امیہ کی خلافت کے لئے رقابت کا کچھ نہ کچھ ابتداء ہو گئی تھی۔ لیکن حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا دور تو اسلام کو مستحکم کرنے اور مخالفتوں کا قلع قمع کرنے کا دور تھا حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسلم کی وفات ہوئی اور اس کے بعد جو مصائب اور مسائل اسلامی حکومت پر پیش آئے۔ حضرت ابو بکرؓ نے ان مصائب پر قابو پانے میں ہی اپنا تمام تر زور صرف فرما دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں معاشرتی بد امنی کے مسائل اور مصائب تقریبا اختتام تک پہنچ چکے تھے۔ اور آپ ﷺ کی وفات کے وقت پیدا ہونے والے فتنے ظاہری طور پر دب چکے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے زمانے میں تو ویسے بھی کسی کو جرات نہ تھی کہ ان کے سامنے اس طرح کی بات کریں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ چونکہ نرم مزاج کے حامل تھے اور اور انہوں نے بنو امیہ پر جو لطف اور کرم کیا اور کچھ اور وجوہات کی بنا پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف چہ مگوئیاں شروع ہوئی تو بنو ہاشم کا دریںہ جذبہ اسر نو بیدار ہو گیا اور وہ اعلانیہ اس کا چرچا کرنے لگے۔ لیکن یہ بات واضح کر دینا بہت ضروری ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اگرچہ بنو ہاشم میں سے تھے اور بنو ہاشم جو کچھ کیا کرتے تھے وہ حضرت علیؓ ہی کے لیے کیا کرتے تھے۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کبھی کوئی ایسی بات نہیں کی جس سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ وہ خلافت یا حکومت چاہتے ہیں۔ وہ ہمیشہ ہی اسلام کی بالا دستی اور مسلمانوں کی فلاح کے لئے کوشاں رہے اور ہر وقت اسلامی مملکت کے مصائب و مسائل کو حل کرنے میں مصروف کار رہے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ان حضرات کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کا جو مصالحانہ اور تعاون اور اشتراک کا معاملہ رہا وہ تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔ اور جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ منتخب ہوئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی خلافت بطیب خاطر قبول فرمایا۔ اور ان کی خلافت کی جابجا حمایت فرمائی۔

عبد اللہ ابن سبا کی تحریک: حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کے زمانہ مبارک میں حالات کی ابتری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے عبد اللہ ابن سبا نے نہ صرف حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کی خلافت کے خلاف بلکہ اسلام ہی کے خلاف تحریک شروع کر دی۔ یہ پہلا شخص تھا جس نے حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کی الوہیت کا دعوی کیا[369] بعد ازاں وہ رجعت کا بھی قائل تھا اس شخص نے مختلف طرح کے عقائد اور نظریات کو عوام میں پھیلانے میں بھرپور کردار ادا کیا اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ اور ان کی خلافت میں ہر قسم کے عیب نکالنے میں پیش پیش ہوتا تھا۔ عبد اللہ ابن سبا اشتراکی نظریے کا حامل تھا۔ متوسط اور غریب طبقات میں اس کی مقبولیت کی وجہ یہ بھی تھی۔ غرض یہ ہے کہ اس نے شام اور عراق خصوصاً مصر میں اپنے پیروکاروں کا ایک حصہ خاص حلقہ پیدا کر لیا جو حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کی خلافت کے مخالف تھا اور ان کے خلاف جھوٹی منصوبہ بندیوں اور جھوٹی باتیں پھیلانے کی مہم چلانے میں پیش پیش رہتا تھا۔

خوارج: خوارج کا وجود اگرچہ اگرچہ تحکیم کے واقعے کے بعد ایک فرقہ کی شکل میں ظاہر ہوا لیکن دراصل شیعیت کی طرح خارجیت کے جراثیم بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہی پیدا ہونا شروع ہو گئے تھے۔ چنانچہ ابو العاص المبرد نے خوارج کے بارے میں ایک حدیث کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس ایک اعرابی آیا اور پوچھا حضرت میں نے حالت احرام میں ہرن کو مار دیا اب میں کیا کروں حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالی عنہ سے اس حوالے

---

[369] عبد الکریم شہرستانی، الملل والنحل، ۱/۲۰۸

سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا یا کہ ایک بکری ذبح کر دیں۔ اس پر اس شخص نے کہا بخدا حضرت عمرؓ کو یہ معلوم نہیں تھا اس لئے دوسروں سے دریافت کیا حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ سمجھ گئے یہ شخص خارجی ہے آپؓ نے اس کی خبر لی۔

اسی طرح حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ پر قاتلانہ حملہ کرنے کے بعد جب ابن ملجم پکڑا گیا اور اس سے پوچھا کہ ایسا کیوں کیا اس نے جواب دیا کہ میں نے خانہ کعبہ میں حطیم میں بیٹھ کر قسم کھائی تھی کہ میں (نعوذ باللہ) شر الناس علیؓ اور معاویہؓ کو قتل کر دوں گا[370]۔

حضرت عثمانؓ کے خلاف اعتراضات کے پس پردہ عزائم: علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف اعتراضات کے کچھ عوامل یہ تھے۔

منیٰ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دو کے بجائے چار رکعت پڑھنا شروع کر دی جب کہ حضرات شیخین دو ہی رکعت پڑھا کرتے تھے اور قصر کیا کرتے تھے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عبید اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے قصاص نہیں لیا تھا۔ بلکہ دیت ادا فرمادی تھی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں بدامنی کی بڑی وجوہات میں خلیفہ وقت کی ذات پر مختلف اعتراضات تھے۔

ڈاکٹر علی حسن الخربوتلی کے مطابق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی دفتری سیاست ان کی خلافت میں بغاوت کا سبب بنی۔

ولیم میور لکھتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں بغاوت کا اصل سبب بہت سے گورنروں کا ادل بدل ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ذات مبارکہ پر جو پروپیگنڈوں کے ذریعے بہتان طرازی اور اعتراضات کیے گئے تھے ان میں سے کچھ بیان کیے جاتے ہیں تاکہ ہمیں ان عناصر کی پہچان ہو سکے جو کہ اسلامی مملکت کے خلاف منظم محاذ آرائی پر اتر آئے تھے اور اسلامی حکومت کی جڑوں کو کھوکھلا کرنے پر تلے ہوئے تھے[371]۔

۱۔ حضرت عثمان رضی اللہ انہوں نے اکابر صحابہ کو معزول کر کے اپنے اقربا اور اعزہ کو بڑے بڑے عہدوں پر مقرر کیا ہے۔

۲۔ بنو امیہ کے عمال اور منصبدار ان کی بدعنوانیوں اور کرپشن کے کیسز پر چشم پوشی کی ہے۔

۳۔ حضرت عثمان کے چچا حکم بن ابی العاص کو حضور صلی اللہ وسلم نے راز کے فاش کرنے کے جرم میں جلاوطن کر دیا تھا لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو وطن واپس بلایا اور ان کا اعزاز واکرام کیا[372]۔

۴۔ عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دودھ شریک بھائی تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کتابت وحی کی ذمہ داری سونپی تھی لیکن جب اس نے اس کتاب اللہ کی کتابت میں تحریف شروع کر دی اور مرتد ہو گیا تو آپ ﷺ نے اس کو مباح الدم قرار دے دیا تھا۔ لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے دوران اس کی جان بخشی کروادی اور خلیفہ ہوئے تو اسے مصر کا گورنر بھی مقرر کر دیا۔

---

[370] الفخری، محمد علی ابن علی ابن طباطبا، الفخری، اصول ریاست اور تاریخ ملوک، مترجم مولانا محمد جعفر شاہ پھلواری، ادارہ ثقافت اسلامیہ پاکستان ۱۹۶۲ ص ۱۰۰

[371] النووی، ابوزکریا یحیٰی بن شرف، المنہاج فی شرح صحیح مسلم بن الحجاج، مؤسسۃ قرطبۃ، عدد المجلدات: ۱۸، ۲۰۰۹، کتاب الحدود ۱۱/ ۲۱۶

[372] الطبری، محمد ابن جریر، ابو جعفر، علامہ تاریخ الامم والملوک، دار الکتب العلمیہ بیروت ط ۱، تاریخ طبری، نفیس اکیڈمی اردو بازار کراچی، مترجم، ڈاکٹر محمد صدیق ہاشمی ج ۳ ص ۴۰۰، ۳۹۹

۵۔ مصریوں کو راستے میں جو خط ملا تھا اس پر اگرچہ مہر مروان کی شرارت کی وجہ سے لگی تھی لیکن مصریین یہ کہتے تھے کہ مروان کو غیر معمولی طور پر حکومت میں دخل اندازی کرنے کا اختیار کیوں دیا گیا ہے[373]۔

٦۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں بغاوت اور بدامنی میں بڑا دخل آپؓ کا والیوں کو مقرر کرنا اور ہٹانا ثابت ہوا۔ حضرت عثمانؓ کی گورنروں کو تبدیل کرنے کی حکمت تھی حضرت خالد بن ولید و قاص حضرت مغیرہ بن شعبہ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ جیسے کبار صحابہ کو عہدوں سے ہٹا کر ان کی جگہ نئے لوگوں کی تقرری کی گئی جو کہ آپ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے کے خلاف بغاوت کا باعث بنی۔

اعتراضات کی حقیقت: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر ابتدائی طور پر جو عبد اللہ بن ابی سرح کے متعلق اعتراضات اعتراض تھا وہ بالکل بے بنیاد اور پروپیگنڈے پر مشتمل تھا۔ اصل معاملہ یہ تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فتح مکہ کے موقع پر عبد اللہ کو دربار نبوی ﷺ میں لے جا کر اس کی توبہ کرائی اور اس نے نئے سرے سے اسلام کو قبول کیا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی جان بخشی کر دی۔ جب اس نے نئے سرے سے آپ ﷺ کے سامنے اسلام قبول کر لیا تھا تو اس کے اعزاز و اکرام میں کیا قباحت ہو سکتی تھی اور جہاں تک اس کے گورنری کی بات ہے تو اس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بالائی مصر کا اپنے زمانے میں ہی گورنر مقرر کر دیا تھا۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ انہوں نے مصر کو ایک ہی مصر میں تبدیل کر لیا۔ تو اس کو گورنر باقی رکھا جو کہ کسی بھی طرح غلط یا خلاف قانون و شریعت نہ تھا۔[374]

دراصل حقیقت یہ تھی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف باقاعدہ طور پر پر کر کے لوگوں کو مشتعل کیا جاتا اور بغاوت پر ابھارا جاتا تھا۔ اور اس کے پس پردہ وہ چھپی ہوئی طاقتیں اور قوتیں تھیں جن کو اسلام اور اسلامی حکومت کی وسعت اور امن و امن ایک آنکھ نہ بھاتا تھا۔ اس لئے ان کا مقصد یہی تھا کہ کسی بھی طرح اسلامی معاشرے کو فتنہ و فساد کی آگ میں جھونک دیا جائے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف نے بنیاد اور جھوٹے پروپیگنڈے اور اعتراضات اور ان کے اسباب جو خود سے گھڑے گئے تھے ان کے متعلق بہت سی تفصیلی کتابیں تحریر کی گئی ہے جن میں ان اعتراضات کا مکمل جواب دیا گیا ہے۔ یہاں ان کے ذکر کرنے کی وجہ یہ تھی کہ ہم ثابت کر سکیں کہ حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں کن چیزوں بنیاد بنا کر کیسے ایک عظیم الشان اور بہترین سلطنت میں بدامنی اور فساد کے بیج بوئے گئے اور کس طرح خلیفۃ المسلمین کو بے بنیاد اعتراضات کی وجہ سے مظلوماً شہید کر دیا گیا۔ پھر ان واقعات اور اسباب کے ہوتے ہوئے خلفاء راشدین کے طرز عمل کو جب دیکھتیں ہیں اور ان کا اسلام اور مسلمانوں کی جان کی عزت و احترام کو جب دیکھتے ہیں تو دل کے انتہائی گہرائی سے یہ بات نکلتی ہے کہ ہاں واقعتاً وہ خلیفہ راشد ہی تھے اور ایسے معاملات میں اس طرح کا طرز عمل اختیار کرنا ان ہی کا جگر گردہ تھا۔ حضرت عثمانؓ اگر ان کی شہادت کے وقت چاہتے تو سرحدوں اور باقی علاقوں سے اسلامی فوجوں کو بلاتے اور مفسدین کا قلع قمع فرما دیتے مگر انہوں نے یہی ارشاد فرمایا کہ ایک اکیلی جان کی وجہ سے اتنے لوگوں کو ختم کرنا کسی بھی طرح سے مناسب نہیں۔ اگر آج

---

[373] ابن کثیر، امام حافظ عماد الدینؒ، البدایہ والنہایہ، مکتبہ المعارف بیروت، مترجم: محمد اصغر مغل. ناشر: دار الاشاعت، کراچی، ج۳، ص۵۳

[374] ابن اثیر الجزری، عز الدین علی بن محمد الشیبانی، الکامل فی التاریخ، تاریخ ابن اثیر، مترجم، مولوی عبید الرحمٰن، دالاطبع العثمانیہ حیدر آباد دکن جلد۳، ص۱۳۳

کے دور میں ہم جیسا کوئی انسان ہوتا تو دیکھتے جانتے طاقت کے ہوتے ہوئے یوں موت کو گلے نہ لگاتا بلکہ مخالفین کو تہس نہس کر کے رکھ دیتا[375]۔

حضرت علیؓ کے دور میں معاشرتی امن میں حائل رکاوٹیں: اسلام کے ابتدائی دنوں میں حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کا زمانہ نہایت کھٹن اور مشکلات سے بھرپور زمانہ تھا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کی خلافت ایسے وقت میں ہوئی جو تاریخ کا انتہائی نازک وقت تھا اور بہت ہی زیادہ پیچیدگیوں اور مشکلات سے بھرا ہوا تھا۔ ہر طرف افراتفری تھی افواہیں پھیل رہی تھی۔ قیاس آرائیوں کا زور تھا۔ لوگ ایک دوسرے سے پوچھتے، آپس میں تبصرہ کرتے مبادا آگے کیا ہونے والا ہے گویا سب کچھ فتنہ اور فساد کی لپیٹ میں آچکا تھا۔

استاد محمود عباس العقاد اس کٹھن اور انتہائی پیچیدہ صورتحال کو بہت اچھے انداز سے پیش کرتے ہیں۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا صحابہ کی نوجوان نسل میں سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دفاع میں جو کردار تھا اس کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے لیے بیعت اس حادثہ کے بعد کی گئی جو تاریخ اسلام کے کے خونی حوادث میں سے سب سے زیادہ دردناک واقعہ تھا یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت، اس حادثے کا سب سے زیادہ نازک اور المناک پہلو یہ تھا کہ یہ ایک ایسی آزمائش اور پیچیدہ صورتحال تھی جس کا مداوا اختیار سے باہر تھا۔ اس حادثہ کی ذمہ داری جن لوگوں پر عائد ہوتی تھی یعنی قاتلان عثمان یا ان کے حامی وہ بہت کثیر تعداد میں تھے اور متفرق تھے اور ان کی اصلیت تک پہنچنا تقریبا ناممکن تھا دوسری طرف محبین اور مخالفین کے بھی بڑے بڑے گروہ تھے۔ اگر ایک گروہ خاموش ہو جاتا تو دوسرا اٹھ کھڑا ہوتا۔ ایک مصیبت دور ہوتی تو دوسری مصیبت نکل آتی۔ حسن نیت اور سوء نیت دونوں اپنے اثرات دکھا رہیں تھیں اور دونوں برابر کی طاقت تھی جو اپنا کام کر رہی تھی[376]۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ پر یہ ذمہ دار جی آپڑی تھی کہ گھوڑے کی لگام اتنی مضبوطی سے پکڑیں کہ سرکنے نہ پائے اور اس کے ساتھ ساتھ گھوڑے کے راستے میں جو رکاوٹیں اور گھاٹیاں تھی ان کو بھی دور کر دیں تاکہ وہ اپنی تیزی سے اگر چلنا چاہے تو رکاوٹ پیش نہ آئے[377]

یہ بہت ہی بڑی اور سب سے پیچیدہ صورتحال تھی۔ اور کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ قاتلان عثمانؓ سے بدلہ لینے کے پرجوش حامی جس طرح موجود تھے اسی طرح اس کی مخالفت کرنے والے بھی موجود تھے۔ اور یہی مسئلہ آگے چل کر کہ بار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان جنگ و جدل کا باعث بنا۔ اور اس مسئلہ کی وجہ سے دو بڑی جنگیں ہوئیں۔ حضرت علیؓ سے قصاص کا مطالبہ کرنے والوں کو چاہیے تھا کہ وہ خلیفہ وقت کی اتباع کرتے اور معاشرے سے بدامنی اور انتشار کے خاتمہ کی کوشش کرتے تاکہ انصاف کا حصول ممکن ہو۔ حافظ ابن حجر الاصابہ میں لکھتے ہیں

---

[375] ابن کثیر، امام حافظ عمادالدینؒ، البدایہ والنہایہ، مکتبہ المعارف بیروت،، مترجم: محمد اصغر مغل. ناشر: دار الاشاعت، کراچی، ج ۷ ص ۲۲۸

[376] العبقریات الاسلامیہ، لعباس القاد، ص ۹۷۱، بحوالہ المرتضی، سید ابوالحسن علی ندوی، مکتبہ سعید احمد

[377] العبقریات الاسلامیہ صفحہ ۸۸۰، بحوالہ المرتضی، سید ابوالحسن علی ندوی، مکتبہ سعید احمد

"حضرت علیؓ کی رائے یہ تھی کہ اولاً قصاص کے طلب کرنے والے ولی الامر کی اطاعت کریں۔ اور اس کے بعد حضرت عثمانؓ کے وارثین مطالبہ کریں اور ع پھر قاتلین پر حد جاری کی جائے۔[378]"

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دور میں امن کی غیر مستحکم صورتحال کی بنیادی اور اصل وجہ یہی تھی جو آگے چل کر تمام اختلافات کا سبب بنی جس میں جنگ صفین، جنگ جمل، خوارج، سبائی وغیرہ کا ظہور شامل ہیں اور یہ تمام وہ حوادث ہیں جو حضرت علی کی خلافت کو غیر مستحکم کرنے اور اس کے استحکام میں حائل ہونے میں بنیادی درجہ رکھتے ہیں

علامہ ابن سعد الطبقات الکبریٰ میں میں ان کبار صحابہ کی جنہوں نے حضرت علی کی بیعت کی تھی اور ان صحابہ کا نام لینے کے بعد جو مدینہ میں موجود تھے یہ لکھتے ہیں :وہ دونوں حضرات یعنی حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ مکہ گئے۔ جہاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ موجود تھیں۔ پھر مکہ سے دونوں چلے اور حضرت عائشہؓ کو ساتھ لئے بصرہ پہنچ گئے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کا مطالبہ کرنے لگے۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ خبر ملی تو مدینہ سے چل کر عراق کی تشریف لے اور مدینہ میں سہل بن حنیفؓ کو اپنا قائم مقام بنایا۔ پھر ان کو بھی لکھا کہ ان کے پاس آجائیں اور مدینہ پر ابوالحسن المازنی کو والی مقرر کیا اور پھر مقام ذو قار پر منزل کی اور حضرت عمار بن یاسر اور حضرت حسن بن علی رضی االلہ عنہ کو بھیجا کہ وہ کوفہ کے لوگ ساتھ لے کر آئیں۔ وہ لوگ آگئے تو ان سب کو لے کر بصرہ تشریف لے گئے وہاں انہوں نے حضرت طلحہ حضرت زبیر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ اور ان کے حامیوں سے جو بصرہ میں تھے جنگ جمل کے دن مقابلہ کیا[379]۔

یہ واقعہ ۱۷ جمادی الاخر ۳۶ھ میں پیش آیا۔ حضرت علی رضی اللہ نے سب پر غلبہ حاصل کیا۔ مقتولین کی تعداد تیرہ ہزار تک پہنچ گئی حضرت علی رضی اللہ انہوں نے بصرہ میں کچھ راتیں گزاری اور پھر کوفہ تشریف لے آئے[380]۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حامیوں نے مال غنیمت کے تقسیم کرنے کا مطالبہ کیا تو حضرت علی رضی اللہ نے انکے اس مطالبے کو رد کر دیا اس پر سبائیوں نے اعتراض کیا کہ حضرت علی ہم پر ان کے خون کو حلال کرتے ہیں لیکن ان کے مال کو حلال نہیں کرتے ہیں جب اس بارے میں خبر ملی تو آپؓ نے فرمایا کہ تم میں سے کون ہے جو یہ پسند کرتا ہے کہ ام المومنین ان کے حصے میں آئی اس پر سب خاموش ہو گئے۔

۳۶ھ کا سال ایسے وقت میں شروع ہوا جب حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ انہوں نے خلافت کی ذمہ داری اپنے کندھے پر لی تھی۔ حضرت علیؓ نے خلافت کی مسند پر بیٹھنے کے بعد بہت سی اصلاحات کی اور ملک سے فتنہ فساد کا خاتمہ کرنے کے لئے کوششیں کی۔ مختلف جگہ کے عاملوں کو تبدیل فرمایا۔ دارالخلافہ مدینہ سے کوفہ منتقل فرمایا۔ آپؓ نے شام کا گورنر حضرت امیر معاویہؓ کی جگہ حضرت سہل بن حنیف کو مقرر کیا۔ آپ رضی اللہ عنہ مدینہ سے نکل کر تبوک پہنچے تھے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سوار ان سے ملے۔ پوچھا کون ہو تم آپؓ نے فرمایا حاکم پوچھا کونسے علاقے پر جواب دیا شام پر۔ وہ کہنے لگے اگر تمہیں حضرت عثمانؓ نے بھیجا ہے تو ہم

---

[378] الاصابہ فی تمیز الصحابہ، علامہ ابن حجر عسقلانی، ۵۰۸

[379] العبقریات الاسلامیہ، لعباس القاد، ص ۹۷۱ بحوالہ المرتضی، سید ابوالحسن علی ندوی، مکتبہ سعید احمد

[380] بغدادی، محمد ابن سعد، الطبقات الکبریٰ لابن سعد، نفیس اکیڈمی، اردو بازار کراچی، ص ۳۳، ص ۳۲، ۳۱

تمہارا استقبال کریں گے اور اگر کسی اور نے بھیجا ہے تو واپس چلے جاؤ حضرت سہل بن حنیفؓ نے فرمایا کیا آپ کو معلوم نہیں کیا واقعہ پیش آچکا ہے۔ اس دستہ کے لوگوں نے جواب دیا ہاں سب کچھ معلوم ہے۔ چنانچہ وہ واپس آگئے۔ جب حجرت علیؓ کو اس بارے میں خبر ملی تو آپؓ نے اہل شام کے خلاف جنگ کرنے کا فیصلہ فرمایا[381]۔

حضرت امیر المؤمنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کوفہ سے شام کے ارادے کو نکلے۔ ادھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اطلاع ملی کہ حضرت علیؓ خود چل پڑے ہیں تو انہوں نے بھی مقابلہ کی غرض سے اپنی فوجوں کو لکھ کر بلایا آپ کے حکم پر شام کے مختلف علاقوں سے فوجیں جمع ہو گئیں اور والیوں کے علم اور جھنڈے باندھے گئے اور لوگ جنگ کرنے کے لئے کمر بستہ ہوں گئے۔

حضرت علی رضی اللہ اشتر نخعیؓ کو سپہ سالار بنا کر بھیجا۔ جب اشتر نخعی کمانڈر کی حیثیت سے وہاں پہنچے تو ان کے مقابل حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا سپہ سالار فوج بھی کھڑا رہا۔ دونوں آمنے سامنے رہی جب شام ہو گئی تو شام والے واپس چلے گئے۔ دوسرے روز بھی دونوں فوجیں ایک دوسرے کے سامنے صف بستہ رہیں اور انہوں نے ضبط نفس سے کام لیا کچھ نہ کچھ معمولی چھیڑ چھاڑ رہی مگر باقاعدہ جنگ شروع نہیں ہوئی۔ معاملات یوں ہی چلتے رہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت امیر معاویہ کو اطاعت امیر کا پیغام دیا گیا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے قصاص عثمانؓ کا مطالبہ کیا گیا۔ ذی الحجہ کے اختتام اور محرم کی آمد پر لوگوں نے جنگ بندی کے لئے کوششیں کیں کہ شاید حرمت کے مہینہ کے سبب اللہ تعالیٰ فریقین میں صلح فرماء دیں۔ ذوالحجہ کا مہینہ گزر گیا اور محرم کے اختتام تک بھی صلح نہ ہو سکی۔ چنانچہ نئے سرے سے دونوں گروہوں میں سخت جنگ شروع ہوئی۔ شام کو جب دونوں اطراف سے حملے رکے تو اندازہ ہوا کہ جنگ کے لحاظ فریقین کا معاملہ برابر ہے۔ اس کے بعد مسلسل سات دن تک سخت اور مسلسل جنگ جاری رہی۔ آخر کار ساتویں دن اشتر نخعیؓ نے سخت حملہ کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہٗ کے لشکر کا پلہ بھاری ہونے لگا۔ تو شامیوں کی طرف سے نیزوں پر قرآن اٹھالیا گیا کہ ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرنے والی قرآن کتاب ہے[382]۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر والوں نے یہ بات مان لی۔ اور مذاکرات اور مکاتبت کے طویل دورانیہ کے بعد یہ طے ہوا کہ دونوں قائد اپنی اپنی طرف سے ایک شخص کو وکیل بنائیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو وکیل بنایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عباس کو وکیل بنانا چاہا لیکن کسی مجبوری کی وجہ سے آپ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا وکیل بنایا۔ اور ان کے ذمہ یہ لگایا کہ مسلمانوں کے مابین مصالحت کی کوششیں کی جائیں[383]۔

تحکیم: حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہٗ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہٗ دونوں حضرات نے حضرت علی رضی اللہ عنہٗ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور دونوں کی فوجوں سے اقرار لے لیا کہ دونوں کی جانیں اور ان کے خاندان کی جان مامون رہیں گی اور یہ حضرات جو بھی فیصلہ کریں گے اس میں ان کی مکمل مدد اور تائید ان حضرات کو حاصل رہے گی۔

---

[381] بغدادی، محمد ابن سعد، الطبقات الکبریٰ لابن سعد، نفیس اکیڈمی، اردو بازار کراچی، ص ۳۳، ص ۳۲، ۳۱

[382] ایضاً

[383] المرتضی، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، مکتبہ سید احمد شہید، اردو بازار لاہور ص ۲۲۸

دونوں حکم حضرت عمر بن عاص رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ نہ دومۃ الجندل میں آکر ملے۔ رمضان کا مہینہ تھا دونوں نے مسلمانوں کی مصالحت اور حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ طے یہ کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں کو معزول کر دیں اور فیصلہ مسلمانوں کے مشورے پر چھوڑ دیں تا کہ وہ لوگ جس کو بہتر سمجھیں اس کو خلیفہ منتخب کریں۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ پر دباؤ ڈالا کہ تنہا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ولایت سونپ دی جائے۔ جس کے متعلق حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ راضی نہ ہوئے اور آخر کار اس بات پر دونوں کا اتفاق ہوا کہ دونوں حضرات کو معزول کر کے فیصلہ مسلمانوں پر چھوڑ دیا جائے۔ اس کے بعد یہ دونوں مجمع میں آئے۔ حضرت عمر بن عاص رضی اللہ عنہ نے ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ سے کہا کہ وہ فیصلہ سنائیں جس پر ہم دونوں متفق ہو گئے ہیں۔ حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرنے کے بعد فرمایا حضرات ہم نے امت کے معاملات پر غور کیا ہے اور اس سے زیادہ مناسب اور امت کے شیرازہ کو برقرار رکھنے والی کوئی بات نہیں پائی کہ ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں کو معزول کر دیں پھر اصحاب شوریٰ جس کو چاہیں اپنا حاکم اور خلیفہ مقرر کر لیں اس لئے میں اپنی طرف سے حضرت علی اور حضرت معاویہ دونوں کو معزول کرتا ہوں۔ یہ کہہ کے وہ اپنی جگہ سے ہٹ گئے۔ اس کے بعد حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اللہ کی حمد و ثنا بیان کرنے کے بعد فرمایا حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ انہوں نے جو کہا آپ نے سن لیا اور یہ کہ انہوں نے اپنے ساتھی کو معزول کر میں بھی ان کو معزول کرتا ہوں اور ان کی جگہ اپنے دوست حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو متعین کرتا ہوں کیونکہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے رشتے دار اور ان کے قصاص کے طالب ہیں اور ان کے قائم مقام ہونے کے سب سے زیادہ حقدار ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے ان کے ساتھ درشت انداز میں بات کی اور عمر بن عاص رضی اللہ انہوں نے اسی طرح جواب دیا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو شرم آئی کہ وہاں سے سیدھے مکہ چلے گئے۔ اور یوں یہ تحکیم بلا کسی فائدہ اور بلا کسی انجام کے ختم ہو گئی[384]۔

خوارج: خوارج کے اندر مزاجی اعتبار سے لفظی سطحیت، لکیر کا فقیر ہونا، بلاوجہ کا معترضانہ اور تنقیدی ذہن، سلبی نقطہ نظر، انتہائی حد کا غلو اور تضاد اور تناقض تھا۔ اصل میں یہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں تھے اور بنو تمیم سے ان میں سے اکثر لوگوں کا تعلق تھا۔ یہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس بنیاد پر معترض اور خلاف ہوئے کہ کوئی شخص کتاب اللہ کے بارے میں کسی کو کیوں اور کیسے حکم قرار دے سکتا ہے۔ اور ان کا یہ عقیدہ ہو گیا کہ تحکیم گناہ ہے۔ ان کے اس عقیدے اور نظرئے پر کسی نے یہ جملہ فٹ کر دیا لاحکم الا للہ ترجمہ: فیصلہ اور حکم صرف اللہ ہی کا چلتا ہے۔ یہ جملہ اس عقیدہ کو ماننے والوں کے اندر بجلی بن کر سرایت کر گیا اور گوشے گوشے سے اس کی قبولیت کے نعرے لگنے لگے۔ اور یہ اس فرقے کا شعار بن گیا۔ ان لوگوں کو الشراۃ کے نام سے بھی موسوم کیا گیا ہے یعنی وہ لوگ جنہوں نے اپنی جان اللہ کے ہاتھوں بیچ دی ہیں۔ یہ فرقہ انتہائی درجہ بے باک اور انتہائی درجہ ظالم تھا کسی بھی مسلمان کا خون بہانے میں ان کو کوئی عار نہ تھا اور کسی بے گناہ کو جو ان کا عقیدہ نہ رکھتا ہوں ذرا برابر بھی قتل کرنے میں اثر نہیں ہوتا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قاتل عبد الرحمن بن ملجم ان کو شہید بھی کرتا ہے اور پھر خود قرآن بھی پڑتا ہے۔ گویا ان کے نزدیک صرف ان کے

---

[384] ماخوذ، البدایہ والنہایہ، ج ۷ ص ۲۷۸، ۲۷۷

اپنے گھڑے ہوئے عقائد ہی درست تھے اس کے علاوہ سب باطل تھا اور اس کے خاتمہ کے لئے کسی بھی حد تک جانا وہ جائز سمجھتے تھے۔ خوارج کا اسلامی عقائد میں بھی بہت سے اختلافات تھے اور وہ کسی بھی گناہگار کے گناہ کی معافی وغیرہ کے قائل نہ تھے۔[385]

سبائی: عباس العقاد سبائیوں کے متعلق تحریر کرتے ہیں: سبائی دراصل عبد اللہ ابن سبا کے پیروکار ہیں۔ جو ابن سودا کے نام سے مشہور تھا۔ یہ شخص خود یہودی تھا اور اس کی ماں ایک حبشی عورت تھی۔ وہ یمن میں پیدا ہوا اور جس مذہب سے وہ مشہور ہیں وہ مذہب رجعت ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کا یہ مذہب مختلف مذاہب کے عقائد کا ملغوبہ تھا۔ یہ مذہب چند عقیدوں کا مجموعہ تھا اس مزہب کے عقائد کا ایک عنصر اس یہودی عقیدے کا تھا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی اولاد میں ایک نجات دہندہ پیدا ہو گا اور دوسرا عنصر اور اس کی بنیاد اہل ہند کے عقیدے پر تھی کہ خدا انسان کے جسم میں حلول اور ظہور کرتا ہے اور اس کی شکل میں نمودار ہوتا ہے۔ اس کے مذہب کا ایک عنصر نصاری کا عقیدہ تھا کہ حضرت مسیح ظاہر ہوں گے اور چوتھا عقیدہ فارس کے رہنے والے آتش پرستوں کا تھا کہ ملوک اور امراء کی اولاد تقدیس کی مستحق ہے۔[386]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں عبد اللہ ابن سبا اور اس کے ماننے والوں نے بہت زیادہ غلو سے کام کیا انہوں نے ان کو نبی مان کر اس سے زیادہ غلو کیا کہ انکو الٰہ کا درجہ دینے کی کوشش کی۔ اور اس کی دعوت دینا بھی شروع کر دی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خبر ملی تو انہوں نے ان لوگوں کو دو گروہوں میں تقسیم فرما کر دو گڑھوں میں ڈال کر جلانے کا حکم دیا پھر خیال ہوا کہ اگر باغیوں کو جلا کر ختم کر دیا تو یہ بات قابل اعتراض تنقید ٹھہرے گی۔ لہذا ابن سبا کو جلاوطن کر کے بھیج دیا جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا تو ابن سبا نے کہا کہ حضرت علی مقتول ہو ہی نہیں سکتے۔ وہ حضرت عیسی کی طرح آسمان پر چلے گئے ہیں۔ بعض سبائیوں کا عقیدہ تھا کہ حضرت علیؓ بادلوں میں چھپے ہیں اور بجلی کی جو کڑک ہوتی ہے یہ ان کی آواز ہے جب یہ لوگ بجلی کی کڑک سنتے تو کہتے السلام علیکم یا امیر المومنین جب ابن سبا سے کہا گیا حضرت علی کو شہید کر دیا گیا تو اس نے جواب دیا کہ تم ان کا دماغ بھی ایک تھیلے میں لا کر دکھا دو تو ان کی موت کا یقین نہیں کریں گے۔ اور جب تک آسمان سے نزول نہ کریں وہ مر ہی نہیں سکتے اور نہ اس سے پہلے کہ سارے عالم پر ان کی حکومت ہو گی۔[387]

جب ہم حضرات خلفاء راشدین کے اس مبارک دور کا مطالعہ کرتے ہیں جس میں مسلمانوں، غیر مسلموں حتی کہ جانوروں کا بھی حد درجہ تک خیال رکھا جاتا تھا۔ اور وہ خلفاء راشدین کہ جن کے مقابلہ میں قیصر روم اور ایران کی پر شکوہ سلطنتیں پاش پاش ہو گئیں۔ جنہوں نے نہ صرف خشکی بلکہ سمندری حدود کو بھی وسعت دی اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کے عظیم کارناموں کے ذریعے تمام عالم کو اسلام سے روشناس کرایا۔ ان کا زمانہ خیر القرون میں سے تھا۔ حضرت نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا:

"عن عبد الله، عن النبي ﷺ، قال: " خير الناس قرني، ثم الذين يلونهم، ثم الذين يلونهم، فلا ادري في الثالثة، او في الرابعة، قال: ثم يتخلف من بعدهم خلف تسبق شهادة احدهم يمينه، ويمينه شهادته "[388]

---

385 العبقریات الاسلامیہ، لعباس القاد، ص ۹۷۱ بحوالہ المرتضی، سید ابو الحسن علی ندوی، مکتبہ سعید احمد

386 العبقریات الاسلامیہ، لعباس القاد، ص ۹۷۲ بحوالہ المرتضی، سید ابو الحسن علی ندوی، مکتبہ سعید احمد

387 المرتضی، مولانا سید ابو الحسن علی ندوی، مکتبہ سید احمد شہید، اردو بازار لاہور ص ۲۴۳

388 قشیری، نیشاپوری، ابو الحسین مسلم بن حجاج، صحیح المسلم، کِتَاب فَضَائِلِ الصَّحَابَۃِ، حدیث نمبر: ۶۴۶۹

ترجمہ: سب زمانوں میں سے بہترین زمانہ میرا ہے اس کے بعد ان کا جو اس زمانہ سے ملے ہوئے ہیں پھر ان کا جو اس زمانہ سے ملے ہوئے ہیں۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں بہت سے ایسے اسباب بھی نظر آتے ہیں جو کہ فتنہ وفساد کا سبب بنے۔ ہمارا اس مقالہ میں ان فتنہ وفساد اور اس کے متعلق حضرات صحابہ کرام اور حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا طرز عمل جاننا ہے۔ اور یہ جاننا ہے کہ فتنہ کن صورتوں اور اشکال میں معاشرہ میں پھیل سکتا ہے تاکہ آج کے زمانہ میں بھی اگر فتنے سر اٹھاتے ہیں تو ان فتنوں کا پتہ لگایا جا سکے۔ اور حضرات خلفاء راشدینؓ کے طرز عمل کو اپناتے ہوئے اپنے معاشرے کو خیر القرون کی پیروی کرنے والا بنا سکیں۔

فصل دوم: معاشرتی امن کے قیام میں حائل رکاوٹوں کے سدباب کے متعلق خلفاء راشدین کا طرز عمل

مبحث اول: معاشرتی بدامنی اور فساد سے نمٹنے کے طریقے اور خلفاء راشدین کا طرز عمل

کسی بھی معاشرے کا سب سے اہم اور بنیادی مقصد اس معاشرے میں امن واستحکام کا قیام اور معاشرے کے لوگوں کو ان کے حقوق ادا کرنا اور ایسے لوگوں کا قلع قمع کرنا ہوتا ہے جو لوگوں کے حقوق کی ادائیگی میں رکاوٹ بنتے۔ اور معاشرتی عدم استحکام اور افراد معاشرہ کو مصائب و پریشانیوں میں مبتلاء کرنے کا سبب بنتے ہوں۔ کسی ملک یا ریاست کے حکمران کی یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ معاشرتی امن و استحکام کے لئے اقدامات اٹھائے اور ایسے اسباب کی بیخ کنی کرئے جو کہ اس امن و استحکام میں رکاوٹ بن سکتے ہوں۔ اسی طرح ایسے اسباب کا مطالعہ کرنا جو معاشرتی امن واستحکام میں حائل ہوتے ہیں اور ان سے نمٹنے کے لیے لئے ایسے طریقے استعمال کرنا جو قابل عمل ہوں اور زود اثر ہوں یہ معاشرے کو بہتری کی طرف لے کر جاتا ہے۔

یہ بات یقینی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جیسا معلم اور مربی نہ کوئی تھا اور نہ ہی کوئی ہو گا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاشرے میں موجود برائیوں کے تدارک کے لئے ایسے اقدامات اٹھائے ہیں اور معاشرے کو پر امن اور مستحکم بنانے کے لئے ایسے عوامل اور اسباب اختیار فرمائے ہیں کہ ایسا معاشرہ تاریخ انسانیت میں سب سے تاریک ترین دور تھا اس معاشرہ کو خیر القرون میں تبدیل فرمادیا۔ حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور سیرت کا اتباع کرتے ہوئے معاشرتی امن میں حائل رکاوٹوں کا سدباب کیا۔ جب ہم حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہ کے دور میں معاشرتی برائیوں یا امن میں حائل رکاوٹوں کے سدباب کے لیے ان کا طرز عمل دیکھتے ہیں تو ہمیں مختلف جہات میں ان کا طرز عمل ملتا ہے۔ ہم حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے اس طرز عمل کو مختلف عنوانات کے تحت سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ آج کے زمانے میں معاشرتی برائیوں کا تدارک کرنے میں ان کے طرز عمل سے رہنمائی حاصل کی جاسکے۔

ا۔ تمسک بالقرآن والسنۃ: حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشینوں نے زندگی میں کسی بھی معاملے اور کسی بھی مسئلے میں قرآن اور سنت سے اعراض نہیں کیا اور معاشرے کے استحکام اور امن و امان کے لیے، اسی طرح حکومتی معاملات میں توازن کے لیے اور دنیاوی و دینی تمام تر امور و معاملات میں حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین اور احکام خضر راہ بنایا۔ حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہ نہ صرف قرآن وحدیث کو ہمیشہ ہر معاملہ میں مد نظر رکھتے تھے بلکہ اس پر حکمت اور بصیرت کے ساتھ حال کے تقاضے کے مطابق عمل کرتے۔ ان حضرات کا تمسک بالقرآن والسنۃ کا یہ عالم تھا کہ چھوٹے سے چھوٹے معاملہ میں حضرات صحابہ کرامؓ سے اس معاملہ کے متعلق پوچھتے کہ کیا اس جیسا معاملہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ مبارکمیں کبھی رونما ہوا ہے یا اس سے متعلقہ کوئی حکم کسی صحابی کے پاس موجود ہے۔ اگر کسی بھی معاملہ میں حدیث مبارکہ آپ حضراتؓ کے سامنے آجاتی تو اپنی رائے یا اپنی عقل کے استعمال کی کبھی کوشش نہ کرتے بلکہ صرف اور صرف حدیث مبارکہ پر عمل پیرا ہوتے۔

ایک مرتبہ چند غیر مسلم حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ تالیف قلب کے لئے ہمیں فلاں علاقے میں زمین کا حصہ لکھ کر دے دیجئے آپ رضی اللہ عنہ نے ان کو زمین کا وہ حصہ عطا فرمادیا وہ حضرات اس زمین میں اضافہ یا اس قانون کی مزید پختگی کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تو آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکرؓ کا ان کے لئے جاری کردہ فرمان پھاڑ اور

ان سے کہا کہ اب یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے۔ کیونکہ تالیف قلب کا حکم تب تھا جب اسلام کمزور اور ضعیف تھا اب اسلام غالب ہے اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو سطوت اور عزت عطاء فرمائی ہے لہذا اس چیز کی ضرورت نہیں رہی۔ وہ لوگ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ بات کہی۔ حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عمر کے فیصلے کی حمایت کی[389]۔ یہی وجہ ہے کہ موجودہ دور کے علماء کے مطابق جہاں معاشرتی امن و امان کا مسئلہ ہو جائے وہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے طرز عمل کو اپنایا جائے گا نہیں کیا جائے گا چاہے وہ صحابہ کرام کا استاد اجتہاد یا قیاس ہو۔

۲۔ مفسدین کی سرکوبی اور ان کی گمراہی کا عوام کو شعور دینا: خلیفہ اول حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دور مبارک میں جب مانعین زکوۃ سامنے آئے اور انہوں نے یہ مطالبہ کیا کہ ہم اسلام پر عمل کرنا چاہتے ہیں مگر ہم زکوۃ دینے کو تیار نے تو حضرت ابو بکر رضی اللہ انہوں نے ان کی سرکوبی کا فیصلہ کیا کیا اگرچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی نے بھی اس وقت فتنوں اور فساد کی وجہ سے لوگوں کے گمراہ ہو جانے اور مرتد ہو جانے ی کی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے نے یہ بات رکھی دیکھیں کہ ابھی معنی نہیں زکوۃ کو کو کچھ وقت کے لئے موخر کیا جائے آئے لیکن حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"عن أبي هريرة ﷺ قال: قال أبو بكر ﷺ: «والله لو منعوني عناقا كانوا يؤدونها إلى رسول الله ﷺ لقاتلتهم على منعها قال عمر ﷺ: «فما هو إلا أن رأيت أن الله شرح صدر أبي بكر ﷺ بالقتال فعرفت أنه الحق[390]"

ترجمہ بخدا میں اس شخص سے ضرور لڑوں گا جو نماز اور زکوۃ میں سے ایک کو نہ عطا کرے اور ان دونوں کو الگ کریں میری ذات مال کا حق ہے وہ خدا جو شخص حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بکری کا ایک بچہ بھی دیتا تھا وہ اگر اسے روکے گا تو وہ اس سے اس پر لڑائی کرونگا۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہمیشہ ہی اپنی عوام کا خیال رکھتے اور ان کے لیے فکر مند رہتے تھے۔ اور جو بھی عوام یا مملکت اسلامی میں میں فتنہ و فساد پیدا کرنے کی کوشش کیا کرتا تھا اس کی سرکوبی کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہ کا زمانہ امن اور استحکام کا زمانہ تھا اور کچھ واقعات کے علاوہ وہ آپ حضرات کے زمانہ میں عام عوام انتہائی خوشحال اور امن و امان کی زندگی بسر کر رہی تھی۔ اور عوام کو ان کے حقوق ان کے دروازے پر مل رہے تھے جن کے حصول کے لئے ان کو در در کی ٹھوکریں نہ کھانا پڑتی تھی۔ حضرات خلفاء راشدینؓ کے دور میں جتنے بھی فتنہ و فساد برپا ہوئے اور ایسے جو بھی عوامل و اسباب پیدا ہوئے جو معاشرتی بدحالی اور انتشار کا سبب بنتے ہوں ان کی سرکوبی میں حضرات خلفاء راشدینؓ نے کبھی بھی تامل کا مظاہرہ نہ فرمایا۔ اس کے باوجود جو فسادات ظاہر ہو گئے ان کے خلاف موثر کاروائی نہ کرنے کی وجہ ان اسباب و عوامل کا وہ لبادہ تھا جو وہ اوڑے ہوئے تھے۔ اور ان حضرات نے اپنی ذاتی مفاد اور زندگی کو عالم اسلام اور دین الٰہی کی سربلندی کے لئے وقف فرما دیا تھا لہذا ان عوامل کو جو اسلامی لبادہ میں تھے انتشار امت اور فساد امت کے خوف سے خود کو قربان کر دیا مگر دین اسلام یا احکامات اسلام پر حرف نہ آنے دیا۔

---

[389] الصابونی، محمد علی، سیدنا ابو بکر صدیق شخصیت اور کارنامے، مترجم شمیم احمد ص: ۲ ۸۶

[390] بخاری، محمد بن اسماعیل، الصحیح للبخاری، کتاب الزکاۃ باب أخذ العناق في الصدقة، ۱۴۵۷

۳۔ مصلحین کا عمدہ کردار: عوام پر ان کے حکمرانوں اور عمال کے اقوال اور تقاریر کے وزن اور اثر سے زیادہ ان کے کردار کا وزن و اثر ہوتا ہے۔ جس علاقے کے حکمران اعلی کردار کے ہوں اور عوام کا خیال رکھنے والے ہوں۔ اجتماعی طور پر عوام کی فلاح و بہبود کے لئے اقدامات کرنے والے ہوں اوران کا دامن کرپشن، بدعنوانی، ظلم و جبر، ناانصافی اور چوری چکاری جیسے برے افعال واعمال سے پاک ہو ان حکمرانوں کا عمائدین کے لئے عوام کے دل میں خود ہی ان کا بڑا مقام ہو جاتا ہے۔ حاکم اور والی کا عمدہ کردار معاشرے میں امن و استحکام لانے اور کسی بھی معاشرے سے اس معاشرے میں موجود برائیوں کو کو ختم کرنے میں مدد گار ہوتا ہے۔ اور فتنہ اور فساد کے دور میں عوام اور اور حکمرانوں کے درمیان غلط فہمیوں کے بجائے عمال۔ و حکمرانوں کی اطاعت کی فضا پیدا ہو جاتی ہے۔ جب ہم حضرات خلفاءراشدینؓ کے کردار کو دیکھتے ہیں تو وہ ہمیں اپنے کردار سر میں حضرت نبی اکرم ﷺ کی پرچھائی اور پرتو نظر آتے ہیں۔ حضرات خلفاءراشدین میں سے ہر ایک حسن اخلاق و بہترین کردار کا حامل تھا۔ خلیفہ سوم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر اعتراضات ہوئے تو آپ رضی اللہ عنہ نے اعلی ظرفی کی عمدہ مثال پیش کرتے ہوئے بنفس نفیس ان اعتراضات کے جوابات دیے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر بہت سے اعتراضات کیے گئے ان میں سے ایک اعتراض یہ تھا کہ ان کا رضاعی بھائی عبد اللہ ارتداد کا مرتکب ہونے کی وجہ سے واجب القتل ہے اور آپؓ نے ان کی جان بخشی کر دی ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ انہوں نے اس اعتراض کا تفصیلی اور تسلی بخش جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا اگرچہ یہ مرتد ہو گیا تھا لیکن جب مکہ فتح ہو چکا اور ایسے لوگ جن کے متعلق عام معافی کا اعلان نہ تھا ان کے معاملات آپ ﷺ کے سامنے پیش ہوئے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اسے بارگاہ نبوی میں لے کر گئے تھے اور اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے توبہ بھی کی تھی اوراسلام بھی قبول کیا تھا اور آپ ﷺ نے ان کا اسلام بھی بھی قبول کیا تھا[391]۔ لہذا ان کے واجب القتل ہونے سے متعلق کہنا درست ہی نہیں ہے صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ہی نہیں بلکہ حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہاور ان کے ساتھ ساتھ تمام صحابہ کرام کا اسوہ حضرت نبی اکرم ﷺ کی سنت کی پیروی کرنا تھا یہی وجہ تھی کہ خلفائے راشدین میں سے سب ہی کے سب عمدہ کردار اور اعلی اخلاق کے مالک تھے۔

۴۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر: حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے ہمیشہ ہی معاشرتی برائیوں کے تدارک کے لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا طرز عمل اپنایا۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی افادیت اوراہمیت کو بیان کرنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔ قرآن کریم احادیث مبارکہ میں بارہااس بات کی تاکید بیان کی گئی ہے۔ جب ہم اس سے متعلق حضرات خلفاء راشدین کے طرز عمل کو دیکھتے ہیں تو ہمیں ان کے کردار میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا پیغمبرانہ عکس دکھائیدیتا ہے۔ حضرات خلفاء راشدین عمومی طور پر تو یہ عمل سر انجام دیتے ہی رہتے تھے اور اپنے عمال اور منصب داران کو بھی اس کی تاکید فرماتے تھے مگر بالخصوص ایسے مواقع جہاں لوگوں کا اجتماع ہوتا ہو خصوصی طور پر حج کے موقعے پر جب دور دراز کے علاقوں سے لوگ جمع ہو جاتے تھے تو خلیفہ کی طرف سے مقرر کیے لوگ عوام کو وعظ و نصیحت کیا کرتے تھے۔ اسی طرح عمال کے متعلق پیغام عوام تک پہنچاتے اور ان کو مختلف طریقوں سے آگاہ کیا کرتے تھے۔ اور برائیوں کے تدارک اور اچھائیوں پر ابھارا کرتے تھے۔ حضرات خلفاء راشدین اکثر و بیشتر عوام کے درمیان جا کر خود ان سے مخاطب ہوتے اور ان کو تلقین کیا کرتے جس سے عوام حد درجہ مطمئن ہو جایا

---

[391] ندوی، علامہ معین الدین احمد خلفائے راشدین، ناشران قرآن اکیڈمی لاہور، صفحہ ۳۶۸، ۳۶۲

کرتی۔امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تمام انبیاء کرام رضی اللہ عنہ کی سنت ہے۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی انتہائی تاکید کی ہے اور اس کے متعلق ایمان کے ضعیف اور قوی ہونے کی بھی نشاندہی فرمائی ہے آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

"عن أبي سعيد الخدري ﷺ قال سمعت رسول الله ﷺ يقول: "من رأى منكم منكرا فليغيره بيده فإن لم يستطع فبلسانه فإن لم يستطع فبقلبه وذلك أضعف الإيمان"[392]

ترجمہ: حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص تم میں سے کسی برائی کو دیکھے تو اسے چاہیے کہ وہ اسے اپنے ہاتھ سے اور اپنی قوت بازو سے روک دیں اور اگر اس کی استطاعت نہیں رکھتا تو وہ اپنی زبان سے اس کی ممانعت کرے اور اگر اس کی بھی استطاعت نہیں رکھتا تو دل میں اس کو برا جانے اور یہ ایمان کا سب سے کمزور ترین درجہ ہے

۵۔اخوت اور بھائی چارہ کا قیام: حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی انقلابی شخصیت نے ایسا انقلاب برپا کیا جس کی مثال انسانی تاریخ میں کہیں بھی نہیں ملتی۔جب حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو مہاجرین اور انصار میں مواخات کا رشتہ قائم فرمایا۔یہ مواخات کا رشتہ اسلامی اخوت اور بھائی چارہ کہلاتا ہے۔اس رشتہ میں پرونے کا مطلب یہ ہے کہ کے تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔اس حوالے سے کسی بھی طرح کا نسلی و قومی امتیاز کسی کو کسی بھی طرح کا حاصل نہیں ہے۔اسلامی اخوت اور بھائی چارہ کا عالم یہ ہے کہ خطبہ حجۃ الوداع میں نبی اکرم ﷺ نے تمام مسلمانوں کو مساوات اور برابری اور بھائی چارے کا حق دی اور ارشاد فرمایا:

"يا ايها الناس إن ربكم واحد وإن اباكم واحد الا لا فضل لعربي على عجمي ولا عجمي على عربي ولا احمر على اسود ولا اسود على احمر إلا بالتقوى إن اكرمكم عند الله اتقاكم)، الا هل بلغت؟ قالوا: بلى يا رسول الله! قال: فيبلغ الشاهد الغائب"[393]

ترجمہ: حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت نبی اکرم ﷺ نے تشریق کے ایام میں خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمایا اے لوگو تمہارا باپ بھی ایک ہے اور تمہارا پروردگار بھی ایک ہے۔یاد رکھو کسی بھی عربی کو کسی عجمی پر یا کسی بھی عجمی کو کسی عربی پر، کسی احمر کو اسود پر اور کسی اسود کو احمر پر کسی طرح کی کوئی برتری حاصل نہیں مگر جو تقویٰ اختیار کرے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:"اللہ تعالیٰ کے ہاں تم میں سے وہ شخص سب سے زیادہ معزز ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہے"، لوگو خبر دار ہو جاو، کیا میں نے (اللہ کا پیغام) پہنچا دیا ہے؟ تمام لوگوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیوں نہیں۔پھر فرمایا:"حاضر لوگ یہ باتیں غائب لوگوں تک پہنچا دیں۔" اب یہ صرف بھائی چارہ ہینہ تھا بلکہ تمام مسلمانوں کو مساویانہ حقوق بھی عطا فرمائے۔اور تمام مسلمانوں کو ایک دوسرے کے لئے ایک جسد کی مانند قرار دے کر تمام مسلمانوں کے حقوق ایک دوسرے سے متعلق فرمائے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"المؤمنون كرجل واحد اذا اشتكى عينه اشتكى كله واذا اشتكى راسه اشتكى كله"[394]

---

392 قشیری، نیشاپوری، ابو الحسین مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، حدیث نمبر ۳۴

393 سلسلہ احادیث صحیحہ، الایمان والتوحید والدین والقدر، حدیث نمبر: ۲۹۴

394 كِتَاب الْبِرِّ وَالصِّلَةِ وَالْآدَابِ، باب تَرَاحُمِ الْمُؤْمِنِينَ وَتَعَاطُفِهِمْ وَتَعَاضُدِهِمْ، حدیث نمبر: ۶۵۸۹

ترجمہ: تمام مومن اور مسلمان ایک آدمی جیسے ہی جیسے ایک آدمی کو آنکھ میں درد ہو تو پورا جسم درد محسوس کرتا ہے اور سر میں درد ہو تو پورا جسم میں درد محسوس کرتا ہے اسی طرح ملت اسلامیہ ایک جسم کی مانند ہے اور تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے اس اخوت اور بھائی چارے کا کا ہمیشہ اہتمام فرمایا اور حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کے مطابق تمام مسلمانوں کو ان کے حقوق اور اور ان سے متعلقہ تمام تمام اشیاء کی فراہمی یقینی بنائیں عدل و انصاف مساوات اور اور بھائی چارے کا خیال رکھا

۶۔ بنیادی حقوق کی حفاظت کرنا: حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے قابل فخر دور میں انسان کو انسانیت کے مقام کا شعور عطا کیا گیا۔ انسان کو اپنے مقام کی عظمت اور اس کے تحفظ کے اصول بھی بتائے گئے۔ اور پھر نظام خلافت راشدہ کے تحت اس کے مقام کو بھرپور تحفظ بھی دیا گیا۔ انسان کو تمدنی فرائض کی ادائیگی میں اس طرح مشغول کیا گیا کہ معاشرے کے حقوق خود بخود ادا ہونے لگے۔ حضرات خلفاء راشدین نے انسانوں کو ان کی عظمت اور حقوق اور فرائض کا یقین دلایا اور معاشرے میں انسان کے اصل مقام سے روشناس کرایا۔ ان حضرات نے انسانیت کی ایسی خدمت کی کہ رہتی دنیا تک کے لیے اصول اور اقدار کا مینارہ نور بنا دیا۔ خلافت راشدہ نے انسانی مقام کا شعور عام کرنے اور اس کے اس مقام کے تحفظ کرنے میں کسی قسم کی کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔ خلفائے راشدینؓ کا اپنی اطاعت و فرمانبرداری کو اللہ تعالی اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور فرمانبرداری کے ساتھ مشروط کرنا اس سلسلہ کی بنیاد کڑی ہے۔ انسانی مقام کا تصور اور تحفظ خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ نے اپنے پہلے خطبہ میں یوں ارشاد فرمایا تھا:

"والضعيف فيكم قوي عندي حتى اريح عليه حقه ان شاء الله تعالى والقوي فيكم ضعيف عندي حتى اخذ منه ان شاء الله تعالى[395]"

ترجمہ: لوگو جو شخص تمہارے درمیان کمزور سمجھا جاتا ہے۔ وہ میرے نزدیک مضبوط اور قوی ہے یہاں تک کہ میں اس کے اس کا حق دلا دوں اور تم میں سے جو شخص خود کو طاقتور سمجھتا ہے۔ وہ میرے نزدیک کمزور ہے جب تک کہ میں اس سے حق وصول نہ کرلوں۔

انسان کا بطور انسان تقدس ہر آدمی کے ساتھ وابستہ ہے۔ اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ ہر فرد قانون کی نظر میں برابر ہو اور ریاست کے اندر مساوی حقوق رکھتا ہو۔ عہد خلافت راشدہ میں بہت سی مثالیں ایسی ملتی ہیں جن سے یہ بات وضاحت سے نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ حضرات خلفاء راشدین ہر انسان کی بطور انسان تعظیم و توقیر کیا کرتے تھے۔

۷۔ جہاد فی سبیل اللہ: ضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہمیشہ ہی اسلام کی سربلندی اور احکامات الہی ہیں کے نفاذ کے لئے کوشاں رہے۔ حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے دین اسلام کی سربلندی کے لئے اپنا تن من دھن قربان کر دیا۔ اور اللہ کے راستے میں جہاد اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے ہمیشہ کوشاں رہے۔ جہاں بات اور قول سے کام بنا وہاں بات اور اور قول سے امن قائم کیا گیا لیکن اگر معاشرتی بدامنی اور فساد کے خاتمے کے لیے لئے تلوار اٹھانے کی ضرورت پڑی تو وہاں بلا عمل اور تاخیر کے تلوار کا استعمال کیا یا اس کی نظیر رخوارج اور صورت ملتی ہے کہ حضرت صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے ان کے خلاف

---

[395] ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، مصطفی البابی مصر، ۳۲۱، ۱۹۳۶

باقاعدہ جہاد کیا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دور میں جھوٹے مدعی نبوت کے خلاف جہاد کرتے ہوئے سینکڑوں صحابہ کرام نے اپنی جانیں شہادت کے لئے پیش کر دیں۔

۸۔عدل وانصاف کا قیام اور مساوات:: اسلام میں عدل وانصاف اور مساوات کی بہت تاکید کی گئی ہے۔کیونکہ جب تک معاشرے میں عدل وانصاف کا دور دورہ نہ ہو اور مساوات نہ ہو بلکہ معاشرہ مختلف طبقات میں بٹا ہوا ہو تو اس صورت میں معاشرے میں بد امنی اپنی جڑیں مضبوط کر لیتی ہے۔اور معاشرے کے جس فرد کو اس کا حق نہیں ملتا وہ پورے معاشرے کو مفلوج کرنے پر تلا ہوا ہوتا ہے۔اور اس مقصد کے حصول کے لئے وہ کسی بھی حد تک جانے کو تیار ہو جاتا ہے اور ہر جائز ناجائز ذریعہ لگا کر معاشرتی بد امنی پھیلانے کا باعث بنتا ہے۔معاشرتی اور اقتصادی امن و ترقی مکمل معاشرتی امن کے بغیر ناممکن ہے۔اور اس امن کے حصول کے لئے معاشرے میں مساوات کو رواج دینا اور طبقاتی تفریق کو ختم کرنا انتہائی ضروری ہے۔اور معاشرے میں عدل وانصاف کا بول بالا کرنے سے ہی معاشرہ ترقی وخوشحالی کی راہ پر گامزن ہو سکتا ہے۔قرآن کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے بہت سے مقامات پر عدل وانصاف کرنے کا حکم انتہائی تاکید سے فرمایا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ [396]"

ترجمہ:بے شک اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے عدل کا اور اچھائی کرنے کا

فتنہ وفساد پر قابو پانے کے لیے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے ہمیشہ عدل وانصاف کو اپنایا اور ہمیشہ اس بات کو کو اختیار کیا چاہیے وہ عوام کا معاملہ ہو یا خواص کا جس چیز نے ان کو سب سے ممتاز کیا وہ یہ تھی کہ جہاں انہیں اعمال میں کوئی غلطی نظر آئی وہیں اس کی اصلاح فرمائی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس مصر کے گورنر حضرت عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ سے متعلق رپورٹ پہنچی کہ وہ باریک کپڑے پہنتے ہیں۔اگرچہ باریک کپڑے پہننا اسلامی شریعت میں ممنوع نہیں ہے مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے پولیس آفیسر محمد بن مسلمہ کو حکم دیا کہ جاؤ اور حضرت عیاض بن غنمؓ کو جس حالت میں موجود پاؤ پکڑ کر لے آؤ۔جب حضرت عیاض بن غنمؓ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش ہوئے تو انہیں کپڑوں میں تھے۔عمر رضی اللہ انہوں نے کپڑے اتروا کر بالوں کا بنا ہوا کرتا بنوایا پھر بکریوں کا ایک گولہ منگوا کر ان کے سپرد کر دیا اور کہا کے قابل نہیں ہو جاؤ بکریاں چراو [397]

اسی طرح حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جو فاتحہ ایران تھے ان کے متعلق جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ انہوں نے کوفہ میں ایک محل بنایا ہوا ہے آپ نے حضرت محمد بن مسلمہ کو حکم دیا یا کہ جاؤ اور محل کو آگ لگا دوں دو اسی طرح خارجہ بن حذافہ میں مصر میں دو منزلہ مکان بنوایا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مصر کے گورنر عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ اس مکان کی دوسری منزل فوراً دو اس سے ہمسایوں کی پردہ داری ہوتی ہے [398]

---

[396] القرآن، سورۃ النحل۔۱۶/۱۹

[397] الفاروق، علامہ شبلی نعمانی، دارالشاعت کراچی، حصہ ۲، ص ۲۶۷

[398] ایام خلافت راشدہ، مولانا عبدالروف رحمانی، جھنڈا نگری، مکتبہ قدوسیہ اردو بازار لاہور، ص ۲۶۵

۹۔ حدود و تعزیرات کے نفاذ میں غیر جانبداری: کسی بھی معاشرے میں اس وقت تک استحکام اور امن کا قیام نہیں ہو سکتا جب تک اس معاشرے میں مجرموں کو ان کے جرم کے مطابق سزا نہ دی جاتی ہو۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہ نے جب اقبال جرم فرمایا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجرموں کو ان کے جرم کے مطابق سزا دی۔ حضرت خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ انہوں نے بھی اپنے زمانہ خلافت میں مجرموں کی سرکوبی فرمائی اور ان کے جرم کے مطابق ان کی سزا مقرر فرمائی۔ کیونکہ جب مجرموں کو ان کے جرم کی سزاء دی جاتی ہے تو وہ سزاء صرف سزاء نہیں ہوتی بلکہ ان لوگوں کے لئے بھی عبرت ہوتی ہے جو کسی سزا میں ملوث ہوں یا ہونے کا ارادہ رکھتے ہوں۔ اسی طرح جب کسی جرم کی سزا دی جاتی ہے تو اس جرم سے متعلق جن لوگوں کے حقوق ہوتے ہیں ان کا بھی اپنی ریاست اور اس کے قوانین پر اعتبار بڑھتا ہے اور وہ جرم کے بدلے مزید جرائم کی دنیا میں داخل ہونے کے بجائے اپنے لئے انصاف کے حصول کے لئے حکومت اسلامی کا دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں۔ اور یوں ایک معاشرہ اپنے استحکام کی جانب بڑھتا ہے اور معاشرتی امن کا رواج ہوتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ظلم و ناانصافی کی بھی حوصلہ شکنی ہوتی ہے۔ حضرت نبی اکرم ﷺ کے زمانہ مبارک میں ہی اللہ تعالی کی طرف سے بہت سے جرائم کی حدود یا قصاص مقرر ہو گئی تھی مگر اس کے ساتھ ساتھ کچھ جرائم ایسے بھی تھے جن کے متعلق امیر المومنین کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا تھا کہ وہ اپنی صوابدید کے مطابق اس جرم کی سزا دے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے حد خمر جس کی نسبتحضرت نبی اکرم ﷺ کا طرز عمل مختلف تھا لیکن انہوں نے اپنے دور خلافت میں شرابی کے لیے چالیس درے کی سزا لازمی کر دی۔ اسی طرح کچھ جرائم ایسے تھے جو خلفاء راشدین کے زمانے میں نئے سامنے آ رہے تھے۔ اس کے حوالے سے بھی انہوں نے اجتہاد اور مشاورت کے بعد ان کی سزائیں مقرر کی۔ جیسے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کے زمانے میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالی عنہ نے ان کو لکھا کہ حوالی مدینہ میں ایک شخص علۃ ابناء میں مبتلا ہے۔ جو کہ اہل عرب کے لیے ایک نیا جرم تھا اور قرآن و حدیث میں اس کی سزا مقرر نہ تھی۔ اس لیے حضرت ابو بکر صدیقؓ نے تمام صحابہ سے اس حوالے سے مشاورت کی حضرت علیؓ نے جلانے کی سزا تجویز کی اور تمام صحابہ نے اس پر اتفاق کر لیا۔[399] حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ ذاتی طور پر مجرموں کے ساتھ انسانیت کی وجہ سے کے ہمدردانہ برتاؤ کیا کرتے تھے۔ عہد نبوی میں میں اسلم نامی قبیلہ کے ایک شخص (حضرت ماعز اسلمیؓ) نے ان کے سامنے جب بدکاری کا اعتراف کیا تو وہ بولے کیا تم نے میرے سوا کسی اور سے بھی اس کا تذکرہ کیا ہے اس نے کہا نہیں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے توبہ کرو اور اس راز کو پوشیدہ رکھو خدا تعالی بھی اس راز کو چھپا دیں گے۔ کیونکہ وہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتے ہیں۔ حضرت ماعز اسلمی اگر ان کے مشورے پر عمل کرتے تو وہ رجم سے بچ جاتے مگر وہ خود دربار رسالت میں حاضر ہوے اور چار دفعہ جرم کا اقرار کیا اور خوشی خوشی سزاء کو قبول فرمایا۔[400]

---

[399] الترغیب والترہیب، ج ۲، ص ۱۶

[400] ابن حنبل، الامام، مسند امام احمد، مترجم مولانا محمد ظفر اقبال، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ج ۱، ص ۳۴۴

مبحث دوم: بدامنی کی وجوہات اور قیام امن کے لئے ممکنہ اقدامات

دور حاضر کی بدامنی، دہشت گردی، معاشرتی عدم استحکام اور برائیوں کے اسباب کا پتہ چلانا اور ایسے تمام اسباب و عوامل کا سدباب کرنا جو معاشرتی انارکی کا سبب بنتے ہیں نہایت ہی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ اسی طرح اور کچھ برائیاں اور بدامنی کے کچھ اسباب و عوامل معاشرے کے فساد میں بہت ہی عمل دخل رکھتے ہیں۔ ایسے اسباب کسی بھی مستحکم معاشرے کی بنیادوں کو کھوکھلا کر کے رکھ دیتے ہیں۔ ہر ملک اور معاشرہ میں دہشت گردیاور بدامنی کی صورتیں مختلف ہو سکتی ہیں۔ لیکن ان صورتوں کے پس پردہ عوامل میں کہیں نہ کہیں یکسانیت پائی جاتی ہے۔ اگرچہ معاشروں کے اختلاف سے برائیوں کے عوامل میں بھی اختلاف ہو سکتا ہے مگر بنیادی عوامل کا اثر ہر معاشرے اور ہر قوم و ملت پر ہوتا ہے۔ دور حاضر میں ہم اپنے آپ کو دہشت گردی سے غیر محفوظ تصور کرتے ہیں۔ موجودہ معاشرہ معاشرتی طور پر اثرورسوخ رکھنے والے ممالک اور عالمی طور پر طاقت کے حصول کے لئے کوششوں میں مصروف معاشرے کمزوراور بدحال معاشروں میں بدامنی اور بدحالی کے عزائم کو بظاہر خوبصورت اور ایسے نعروں سے مزین کیا جاتا ہے جو لوگوں کو متاثر کرتے ہیں۔ اوران نعروں اور جملوں کی طرف عوام کھچی چلی جاتی ہے۔ امریکہ گلوبل ولیج کے بہانے اپنے مذہبی اور سیاسی بالادستی کو پوری دنیا پر غالب کرنے کے لئے ہر جائز اور ناجائز کوششیں کرنے میں لگا ہوا ہے اور اپنی سیاسی بالادستی کو قائم رکھنے کے لیے کسی بھی طرح کے حربے کو استعمال کرنے سے گریز نہیں کرتا۔ کبھی سیکولرزم، کبھی کس نام سے معاشرے کی بنیادوں کو کھوکھلا کیا جاتا ہے۔ معاشرے میں جو شخص طاقتور ہے وہ کمزور کو دبا کر اس پر راج کرنا چاہتا ہے اور اس کے لئے کبھی زبردستی کا طریقہ استعمال کیا جاتا ہے اور کبھی اقوام کے اذہان کو اپنے زیر اثر کر لیا جاتا ہے۔ کبھی کسی معاشرے کو اپنے زیر اثر کرنے کے لئے اس پر طرح طرح کے دباؤ ڈالے جاتے ہیں اوراس قوم کے سرکردہ لوگوں کو عالمی طور پر دہشتگرد متعارف کرا کے ان کے خلاف پنجہ کسا جاتا ہے۔ ڈاکٹر خورشید احمد اس صورت حال کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

> مغربی ممالک چاہے وہ امریکہ ہو، یورپ ہو یا دیگر سرکردہ ممالک ہوں انکو اس پہلو پر غور کرنا چاہیے کہ جس چیز کو وہ از خود دہشت گردی قرار دے رہے ہیں اس کی حقیقت کیا ہے۔ پھر اس طرح کے مسائل سے کیسے نمٹا جا سکتا ہے۔[401]

دہشت گردی کا جو پہلو قابل مذمت ہے وہ صحیح حقوق کے حصول کیلئے ایسے راستے اور ایسے طریقوں کو اختیار کرنا ہے جن کی وجہ سے لوگوں کے حقوق ضائع ہوں۔ اور انسانی جانوں کے ضیاع کا خطرہ ہو۔ اگرچہ یہ عمل صحیح حقوق کے حصول کے لیے ہو یا کسی اور مقصد کے لئے۔ یا چاہے لوگوں کے حقوق کو ضبط کرنے کے لئے لیکن اگر ایسا طریقہ اختیار کیا جائے جو دوسروں کے حقوق کی پامالی اور ان کے کے بنیادی حقوق، جان، مال، عزت کو خطرے میں ڈالنے والا ہو تو یہ اخلاقی طور پر ناقابل معافی جرم ہے۔ ایسی دہشت گردی کا قلع قمع کرنا اور اس کے پس پردہ عوامل کو انصاف کے کٹہرے میں کھڑا کرنا ہر ملک اور ریاست کے سربراہ کا ذمہ ہے۔ لیکن اس میں اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ لوگوں کے لئے ان کے جائز حقوق کا حاصل کرنا اور اس کے لئے کام کرنا ممکن ہو۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ لوگوں کے لئے ان کے معاملات اور ان کے جائز حقوق کے حصول کے جائز طریقے بھی بند کر دیے جائیں۔ کوئی بھی معاشرہ اس وقت بدامنی اور بدحالی کا شکار ہو جاتا ہے جب اس معاشرے کے عوام کو اور افراد معاشرہ کو ان کے بنیادی حقوق نہیں ملتے اور پھر وہ ان حقوق

---

401 خورشید احمد، ڈاکٹر، سوشلزم یا اسلام، انٹرنیشنل اسلامک فیڈریشن آف اسٹوڈنٹ آرگینائزیشن، کویت، ص، ۲۷۸

کے حصول کے لیے جائز ناجائز ہر طریقے کو اختیار کرنے کی کوشش کرتے ہیں جس سے معاشرتی انتشار اور بدامنی کا خدشہ پیدا ہو جاتا ہے۔

اس لئے ہمارے اس مقالہ کا اصل مقصد خلفاء راشدین کے معاشرے کا مطالعہ کرتے ہوئے ایسے عوامل اور اسباب کا تلاش کرنا بھی ہے جن کی وجہ سے وہ معاشرہ بہترین معاشروں میں سے ایک تھا۔ اور اس معاشرے میں ہر رنگ و نسل کے لوگوں کو ان کے حقوق اور فرائض کے متعلق آگاہی اوران کی ادائیگی لئے لئے بھرپور شوق و محنت کا موجود ہونا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہمارے لئے اس معاشرے میں بدامنی اور دہشتگردی کو تلاش کرنااور اس کے اسباب کے اوپر غور کر کے پھر اس کی اصلاح کرنے کے لئے ان کی کاوشوں کو تلاش کرنا ہے۔ تاکہ ہم آج کے معاشرے کی اصلاح کر سکیں۔ ہمیں حضرات خلفاء راشدین کا اس دور کے فتنہ و فساد کی سرکوبی کے لئے طرز عمل جاننا بے حد ضروری ہے تاکہ ہم آج کے زمانہ میں دہشتگردی اور بدامنی کا علاج کر سکیں۔ دہشت گردی کے خلاف جنگ اسی صورت میں لڑی جاسکتی ہے جو صورت جائز اور قابل عمل ہو۔ اگر ہم تاریخ عالم پر نظر دوڑائیں تو ہمیں یہ بات معلوم پڑتی ہے کہ جب بھی کسی نے عوامی تحریک کو قوت اور عسکری زور پر ختم کرنے کی کوشش کی ہے۔ یالوگوں کے حقوق ضبط کئے ہیں یالوگوں کے جائز مطالبات ماننے کے بجائے لوگوں کو دبانے کی کوشش کی ہے ایسے تمام حربے اورایسے تمام ارادے ناکام رہے ہیں۔

اس لئے ہمیں اس بات کو سمجھنا ہو گا کہ معاشرے کی اصلاح کے لئے ایسے عوامل کا اختیار کرنا ضروری ہوتا ہے جن عوامل کو اپنانے سے معاشرے کے افراد کی اصلاح کے ساتھ ساتھ اجتماعی معاملات کے لئے لوگوں کے اندر قربانی کا جذبہ پیدا ہو سکے۔ اس کے برخلاف اگر عوام کو دبایا جائے اور ان کے حق کو ادا نہ کیا جائے۔ اورزورزبردستی سے کام لیا جائے تو اس کی وجہ سے دہشت گردی اور بدامنی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اگر ہم آج کے معاشرے میں اس طرح کی مثالوں کو دیکھیں تو ہر طرف یہی نظر آتا ہے کہ جس بھی ملک یا معاشرے نے لوگوں کے حقوق کی پامالی کی اور لوگوں پر زبردستی اپنا تسلط جمانے کی کوشش کی وہ وقتی طور پر تو کامیاب ہو سکتا ہے مگر اس کا اس عوام پر اثر دیرپا یا مستقل نہیں ہوتا۔ اگر ہم امریکہ کا طرز عمل دیکھیں تو امریکہ نے اپنی اسی قوت اور اور اسلحہ کے زور پر بہت سے ممالک پر زور آزمائی کرنے کی کوشش کی لیکن ہمیشہ ہی منہ کی کھانی پڑی۔ روس نے ظلم، بدامنی اور دہشتگردی کو افغانستان پر مسلط کرنے کی کوشش کی اور اس کو بھی ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ یہی کھیل اسرائیل فلسطین اور غزہ کی پٹی پر مسلسل کھیلے جارہا ہے اور بھارت جموں و کشمیر پر رکھے جارہا ہے۔ لیکن اگر ہم اسلامی طرز عمل دیکھتے ہیں تو خلفاء راشدین کے زمانہ مبارکہ میں جو بھی علاقے اسلامی مملکت میں شامل ہوئے ان میں آج بھی اسلام کا بول بالا ہے اور وہ معاشرے اسلامی معاشرے کہلانے کے قابل ہیں۔ اس لئے حقیقی بات یہ ہے کہ اس مسئلے کا حل صرف اور صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ ٹھنڈے دل سے امن اور آشتی کا بول بالا کرنے کی کوشش کی جائے اور ایسے عناصر پر غور و فکر کیا جائے جو معاشرتی بدامنی کا سبب بنتے ہیں اور دہشت گردی اور معاشرتی زوال کی طرف لے کر جاتے ہیں ان عوامل پر غور کرنے کے بعد ان سے چھٹکارہ حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔ اگر ہم معاشرتی بدحالی اور بدامنی کے اسباب کا جائزہ لیں تو کچھ اسباب ایسے ہیں جو تمام معاشروں میں مشترک اور یکساں نظر آتے ہیں۔

۱۔ مذہبی تنگ نظری اور معاشرے میں رواداری کا نہ ہونا۔

۲۔ اپنے مذہب اور تہذیب میں دوسروں کو ضم کرنے کی کوشش کرنا

۳۔ ملکی توسیع کے لیے ظلم اور زیادتی کی کوشش کرنا

۴۔ دوسرے ممالک کے قدرتی مسائل پر غاصبانہ نظر رکھنا، اور قبضہ کرنے کے لئے اپنے تئیں کوششیں کرنا۔

۵۔ پوری دنیا پر اپنی اجارہ داری استعماریت اور برتری قائم رکھنے کی کوشش کرنا

اس کے ساتھ ساتھ اگر ہم اجتماعی طور پر معاشرے کو برائی کی طرف لے جانے والے عوامل کے علاوہ انفرادی طور پر معاشرے کے افراد میں موجود برائی، بدامنی اور دہشت گردی کے اسباب دیکھیں تو ہم درج ذیل اسباب کو بنیادی سبب کا درجہ دے سکتے ہیں۔

۱۔ مساوات اور حق اور انصاف سے روگردانی اور انحراف

۲۔ مذہبی معاملات میں تعصب اور تعلیمات کی غلط تشریح اور غلط رہنمائی

۳۔ معاشرے کے کمزور طبقات میں احساس محرومی کا پایا جانا

۴۔ قانونی راستے سے حقوق حاصل کرنے اور ناانصافیوں کو دور کرنے میں رکاوٹ کا موجود ہونا۔

۵۔ معاشی محرومی، یعنی کسی خاص طبقے کا معاشی طور پر محروم ہونا یا خود کو محروم تصور کرنا

تلخیص

کسی بھی معاشرے میں امن و استحکام کے لئے اسلام میں افراد کے تمام معاملات کے متعلق اسلامی اصول و ضوابط موجود ہیں۔ اسلامی اصول و ضوابط کی عملی تطبیق میں جب خلفاء راشدین کے اقدام کی تحقیق کی گئی تو کچھ ایسے بنیادی اصول و ضوابط ملے ہیں جو سب خلفاء نے اپنائے ہیں۔ جن میں سے کچھ اہم یہ ہیں: ۱۔ تمسک بالقرآن والسنۃ، ۲۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، ۳۔ تمام انسانوں کے بنیادی حقوق کی حفاظت، ۴۔ فتنہ و فساد اور اس کے عوامل کی سرکوبی، ۵۔ اخوت اور بھائی چارہ، ۶۔ عوام کی فلاح و بہبود کے لئے کوششیں، ۷۔ عوام کی تربیت اور اصلاح کے لئے کوششیں، ۸۔ عدل و انصاف، ۹۔ احتساب کا مرطوط و مکمل نظام، ۱۰۔ حدود اور تعزیرات میں مکمل غیر جانبداری، ۱۱۔ مشاورت اور مجلس شوریٰ۔ اس کے علاوہ بھی ایسے تمام اقدام کئے گئے جو کسی معاشرے اور اس کے افراد کی تربیت، اصلاح اور معاشرتی امن و امان میں بنیادی اہمیت رکھتے ہوں۔ اگر ہم خلفاء راشدین کے اقدام کو الگ ذکر کریں تو ہمیں مشترکہ کامشوں کے علاوہ کچھ الگ امور بھی ملتے ہیں جیسا کہ: حضرت ابو بکر صدیقؓ کا دور خلافت فتنوں کی سرکوبی میں گزرا۔ حضرت عمرؓ نے ایک پر امن اور مستحکم سلطنت کے لئے ایسے تمام بنیادی اقدام کئے جو ما قبل میں گزر چکے۔ ان کے بعد خلفاءؓ نے ان تمام اقدام کو جاری رکھا اور حسب موقع ان میں اضافہ کرتے رہے۔ جیسے کہ حضرت عثمانؓ مجلس شوریٰ کے ساتھ ساتھ عمال کی مجلس شوری بھی رکھی، تعبیہ یعنی فوجوں کے دستوں کے لئے باقاعدہ جگہیں مقرر کیں، پہلا بحری بیڑا تیار کرایا۔ انسانی حقوق کا خیال رکھتے ہوئے اپنے محاصرین کے خلاف قتال بھی نہ کرنے دیا۔ حضرت علیؓ نے عامل الشرطہ مقرر کئے۔ عدل و انصاف کے معاملہ میں کسی کی بھی بات نہ سنتے۔

نتائج:

کسی بھی معاشرے میں بدامنی اور بدحالی کے عناصر سے نمٹنے اور دہشت گردی سے رکاوٹ اور بچاؤ کے لئے ایسے اسباب کا استعمال کرنا ضروری ہوتا ہے جن کے دور رس نتائج ہوں اور معاشرے کی بحالی اور ترقی کا سبب بنیں۔ اس وقت پاکستان پر کو بڑے بڑے چیلنجز کا سامنا ہے، مختلف جہات سے خصوصاً ہمسائے ممالک میں سے افغانستان اور بھارت کی طرف سے دہشت گردی اور بدامنی کے واقعات پیش آرہے ہیں۔ تمام طرح کے اندرونی معاملات میں بیرونی مداخلت اور دخل اندازی بہت زیادہ ہو چکی ہے۔ معاشی بحران کی کیفیت کا سماں ہے اور عالمی ادارے ملک کی سالمیت کیلئے خطرہ بنے ہوئے ایسے فیصلے کرانے پر مجبور کئے جارہے ہیں جو کہ عوام کے لئے بہت سی مشکلات کا باعث بنے ہوئے ہیں۔ ایسے حالات میں ملک کے اندر امن و امان کا کام کرنا اور ہر طرح کی بدحالی اور ابتری سے بچاؤ کے لیے ملکی سطح پر کوشش کرنا انتہائی ناگزیر ہے ایسے مشکل حالات میں ایک ایسی پالیسی بنائی جانی چاہیے جس سے پاکستان اور اس کے نظریہ اور قومی سلامتی کو یقینی بنایا جائے اور سب سے پہلے پاکستان کا جذبہ قوم میں بیدار کیا جائے۔ اس کے لیے بنیادی طور پر درج ذیل کام کرنے کی ضرورت ہے۔

1- چونکہ کسی بھی معاشرے کی اصلاح کے لئے اس معاشرے کے افراد کی اصلاح کرنا انتہائی ضروری ہے اس وجہ سے افراد معاشرہ کی اصلاح اور ان کی ذہن سازی کے لیے حکومتی سطح پر اقدامات کرنے چاہییں اور ایسے عوامل کو اختیار کرنا چاہیے جن کی وجہ سے معاشرے کے افراد کی مثبت ذہن سازی ہو اور ان کی تعلیم اور تربیت کا خیال کیا جائے۔ جیسے میں نے اپنی تحقیق کے باب اول فصل دوم میں خلفاء راشدین کا انداز امن ذکر کیا ہے۔

2- حکومت کو اپنی عوام کو مکمل بھروسہ اور اعتماد میں لینا چاہیے اور ایسے عناصر اور عوامل اختیار کرنے چاہیے جن کے ذریعے قومی سلامتی اور تعمیر نو کے لیے عوام کو ابھارا جائے۔ جیسے خلیفہ ثانی کے انداز کو اس تحقیق کے باب دوم کے فصل اول میں تفصیلی ذکر کیا گیا ہے۔

3- ملک کی دفاعی قوت کی حفاظت کو اولیت حاصل ہونی چاہیے اور کسی بھی طرح کی بیرونی مداخلت کو ملک کے لئے خطرہ سمجھا جانا چاہیے اس کے ساتھ ساتھ ملک کے دوسرے ممالک کے ساتھ معاملات کو از سر نو جائزہ لے کر اقدامات کئے جانے چاہیئے جو ملک کی سلامتی کے لئے راہ ہموار کریں۔ جیسے خلیفہ اول سیدنا ابو بکر صدیق نے منصب سنبھالتے ہی داخلی اور خارجی انتشارات کی سرکوبی کی جو حکمت عملی اقدامی صورت میں تشکیل دی۔

4- معاشرتی امن کے لئے معیشت کا بحال ہونا اور معاشی طور پر استحکام بہت ضروری ہوتا ہے۔ اسی لیے معیشت کی بحالی کے لیے قومی معاشی مشاورت کے ساتھ ساتھ تجارت، صنعت، زراعت جیسی اہم چیزوں کی بحالی کی طرف توجہ مرکوز کی جانی چاہیے۔ اس تحقیق میں ہر ممکن کوشش کی کہ باب دوم کے فصل اول معیشت کی بحالی کو فکر بنیاد پر واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔

5- عصر حاضر میں معاشرتی امن کے استحکام میں ملک میں جدید ٹیکنالوجی اور آئی ٹی کے شعبہ کو فعال کیا جائے اور عوام کو اس کے متعلق آگاہی کے ساتھ ساتھ حکومتی سطح پر اس فیلڈ میں جانے والے طلباء کرام کی سرپرستی بھی کی جائے اور اس حوالے سے بین الممالک مقابلہ جات بھی کرائے جائیں جو کہ حکومتی سرپرستی میں منعقد ہوں۔ تاکہ ملک ٹیکنالوجی میں خود کفیل ہونے کے

ساتھ ساتھ دوسروں کی راہنمائی کرنے کے قابل بھی ہو سکے۔ تحفظ کے جدید انداز اس ٹیکنالوجی کے ساتھ وابستہ ہیں، میری تحقیق نے خلفاء نے نت نئے اسالیب کی طرف جو اشارات کئے ان کو سامنے رکھتے ہوئے یہ شعبہ امن کے قیام میں انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔(اس پر آیت لکھیں)

6- معاشرتی استحکام اور مضبوطی کیلئے مسلم ممالک سے تعلقات کا از سر نو جائزہ لے کر مشترکہ خطرات سے نمٹنے کے لیے مشترکہ پالیسی بنانے کی کوشش کی جائے۔ اس کی جہات کو فکری بنیادوں پر باب دوم کی فصل دوم میں واضح کیا گیا ہے اور بنیادوں جہات کو واضح کیا گیا ہے تاریخ اسلامی کی روشنی کامیاب مسلم حکومتوں نے کیا منصوبہ بندی کر کے کامیابی حاصل کی۔

مکمل اسلامی نظام معاشرتی امن و استحکام کا ضامن: معاشرتی امن اور استحکام کے لیے سب سے اہم اور بنیادی راستہ اسلام کا راستہ ہے ۔اسلام کی تمام تر تعلیمات بہت صاف اور بہت واضح ہیں اسلام ہمیں زندگی گزارنے کا ایک مکمل نظام عطا کرتا ہے۔ معاشرتی امن و استحکام اور اس کی ضرورت و اہمیت کے متعلق باب اول میں بالتفصیل ذکر کیا جا چکا ہے۔

اللہ تعالی نے اسلام کو اپنے بندوں کے لئے بطور دین پسند کیا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے:

الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا[402]

ترجمہ: آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کر دیا ہے اور تمہارے اوپر اپنی نعمت تمام کر دی ہے اور اسلام کو بطور دین تمہارے لئے پسند کر لیا ہے۔

چونکہ اس مقالے کی اصل بنیاد معاشرتی امن کے لئے خلفائے راشدین کا اسوۃ حسنیٰ اور امن و استحکام کے لیے ان کی خدمات سے کا مطالعہ کر کے انکے اقدامات سے فائدہ اٹھانا ہے اور معاشرتی بدامنی اور فتنوں کے سدباب کے لئے ان کے اٹھائے گئے اقدامات سے استفادہ کرنا ہے۔ اس لئے ہم نتائج البحث میں اس مقالے سے حاصل ہونے والے نتائج کو اختصار سے بیان کرتے ہیں۔

7- جیسے حضرت نبی اکرم ﷺ کا زمانہ مبارک میں آخری دور اللہ کے راستہ میں جہاد سے بھرپور تھا اسی طرح حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا زمانہ بھی اللہ کے راستے میں جہاد اور قتال سے بھرپور زمانہ تھا۔ لیکن ہمیں یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ ان کے زمانے میں کی جانے والی جنگیں دنیاوی اغراض و مقاصد کے لیے نہیں بلکہ اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کے لئے تھی اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نے غزوہ بدر اور غزوہ احد اور دیگر غزوات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو تعلیمات حاصل کی تھی ان تعلیمات کا ہمیشہ خیال رکھا اور ہمیشہ ہی دشمنوں کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم اور نبی اکرم ﷺ کا طرز عمل تھا۔

8- حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے دور میں کئی ایسے فتنے آئے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے ہی در پردہ وجود میں آ چکے تھے لیکن ان میں ظاہر ہونے کی ہمت نہیں تھی۔ جب حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے رحلت فرما

---

[402] القرآن، سورۃ المائدۃ:۳

گئے تو وہ فتنے بھی رونما ہو گئے۔ لیکن حضرات خلفاء راشدین کے نے ان کے خاتمے کے لیے جو طریقہ کار اختیار فرمایا اس طریقہ کو اختیار کرتے ہوئے ہم اپنے معاشرے کو مضبوط و مستحکم کر سکتے ہیں۔

9- حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر عمل کرتے ہوئے حضرات خلفائے راشدین نے مساوات کا ایک بہترین عملی نمونہ پیش کیا۔ مسلم، غیر مسلم معاہد، یا مسلمانوں کا حاکم کسی میں بھی کسی طرح کا کوئی فرق روانہ رکھا۔ ان اہم جوانب کو تمام ابواب میں مختلف انداز سے زیر بحث لایا گیا ہے۔

10- تمام ایسے بین الاقوامی ادارے جو امن کے قیام کے لیے کام کر رہے ہیں جیسے یونیسکو، یو، این، او، وغیرہ ان تمام کو اپنے امن کی کوششوں میں وسعت پیدا کرنی چاہیے۔ اور اس میں مذہب و رنگ و نسل کی تفریق سے بالا ہو کر کام کرنا چاہئے۔

اس مقالہ میں حضرات خلفاء راشدین کے دور کا مطالعہ کیا گیا ہے اور بالخصوص ان کے دور میں معاشرتی امن کے اقدامات کا مطالعہ کیا گیا ہے۔ اس مضمون میں بہت سے ایسے پہلو ہیں جن پر معتد بہ کام نہیں ہوا اور ان پر باقاعدہ طور پر کام ہو سکتا ہے۔

سفارشات

معاشرتی بدامنی کے کچھ بنیادی اسباب کے متعلق حضرات خلفاء راشدین میں سے ہر ایک کے دور کا تخصیصی مطالعہ کیا جانا چاہیئے۔ حضرت عثمانؓ کے دور مبارک کے متعلق خاندانی عصبیت اور معاشرتی فساد میں اس کے کردار کا تخصیصی مطالعہ ہونا چاہیئے۔ حضرت علیؓ کا دور مبارک اور خوارج وسبائیوں کے فتنہ کا اسلامی معاشرے کی تقسیم اور فساد میں اثر اور اس کے پس پردہ نفسیاتی عوامل کے مطالعہ کی بھی ضرورت ہے۔ حضرات خلفاءراشدین کی جنگی حکمت عملی اور عوام کے ساتھ رابطہ اور معاشرے کے استحکام پر اس کا اثر اس حوالے سے بھی آرٹیکل لکھا جانا چاہیئے۔

اسی طرح عصر حاضر میں اقوام متحدہ اور اس جیسی دیگر تنظیموں نے عالمی سطح پر قیام امن کی کوششیں شروع کی ہیں۔ اس مقصد کے لئے بالعموم دنیا کی اور بالخصوص عالم اسلام میں قیام امن کے حوالے اس ان کوششوں کا جائزہ لینے اور اس کے اثرات کے حوالے سے باقاعدہ ایک مقالہ تحریر کیا جا سکتا ہے۔ جس میں اس کے اصول وضوابط اور اہداف کے بارے میں دیکھا جا سکتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ آج کل کی جانے والی کاوشوں کا حضرت نبی اکرم ﷺ اور حضرات خلفاء راشدینؓ کی قیام امن کے لئے کی گئی کاوشوں کے ساتھ تقابلی مطالعہ بھی باقاعدہ ایک پروجیکٹ کی صورت میں شروع کیا جا سکتا ہے۔

فہرست آیات

نمبر شمار	آیت	سورۃ	صفحہ نمبر
i.	''يٰاَيُّهَاالنَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا	سورۃ النساء	۱۱
ii.	''الَّذِىْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْ عٍ وَّ اٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ''	سورۃ القریش	۱۲
iii.	''وَمَآ أَنتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِينَ	سورۃ یوسف	۱۳
iv.	''وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّ اجْنُبْنِىْ وَ بَنِىَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَؕ''	سورۃ ابراہیم	۱۶
v.	''انّ اوّلَ بیت وُضِعَ للنَّاسِ للّذی بِبَكَّةَ مُبٰرَكاً و هدیً لّلعٰلَمینَ فیهِ اٰیاتٌ بیّنٰتٌ مَقَامُ ابراہِیمَ وَمن دَخَلَهُ كانَ اٰمِناً	سورۃ آل عمران	۱۷
vi.	''وَ لَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَ بِيَعٌ	،سورۃ الحج	۱۷
vii.	''وان جَنَحُوا لِلسَّلم فاجنَح لها	سورۃ الانفال	۱۸
viii.	''وان طائفتٰنِ من المؤمنینَ اقتتلُوا فاصلِحوا بینهما فاِن بغت اِحدٰهما علی الأُخرٰی فقاتِلوا الّتی تبغی حتّی تفیءَ اِلی امرِاللّٰهِ	سورۃ الحجرات	۱۸
ix.	''وَإِذَاحَكَمْتُم بَيْنَ ٱلنَّاسِ أَن تَحْكُمُواْ بِٱلْعَدْلِ'	سورۃ النساء	۱۹
x.	''يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْاؕ اِعْدِلُوْاهُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَ اتَّقُوا اللّٰهَؕ اِنَّ اللّٰهَ خبیرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ	سورۃ الماءدہ	۲۰

xi.	و فِی اَموَالِهم حقٌّ للسَّائِلِ و المَحرُومِ	سورة الذاريات	۲۲
xii.	"یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُواْ أَوْفُواْ بِالْعُقُودِ	سورۃالمائدۃ۵/۵۱	۲۶
xiii.	"ویلٌ لّلمُطَفِّفِینَ اَلَّذِینَ اِذَا اکتَالُوا عَلی النّاسِ یَستَوفُونَ وَاِذَا کَالُوهُم اَو وَزَنُوهُم یُخسِرُونَ	سورة المطففین آیت ۱،۲	۲۷
xiv.	"ولقد خلقنا الانسان و نعلم ما توسوس به نفسه و نحن اقرب الیه من حبل الورید	سورة ق	۳۵
xv.	"یٰاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ	النساء،آیت ۱	۳۷
xvi.	اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ وَّ زِیْنَةٌ وَّ تَفَاخُرٌ بَیْنَکُمْ وَ تَکَاثُرٌ فِی الْاَمْوَالِ وَ الْاَوْلَادِ	سورۃالحدید،آیت۲۰	۳۹
xvii.	"وَٱلْوَٰلِدَٰتُ یُرْضِعْنَ أَوْلَٰدَهُنَّ حَوْلَیْنِ کَامِلَیْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَن یُتِمَّ ٱلرَّضَاعَةَ ۚ وَعلی ٱلْمَوْلُودِ لَهُۥ رِزْقُهُنَّ وَ کِسْوَتُهُنَّ بِٱلْمَعْرُوفِ ۚ لَا تُکَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا'	سورۃبقرۃ،۲۳۳	۴۲
xviii.	"ان الله یامرکم ان تُودوالا مٰنٰت الی اهلها واذاحکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل ان الله نعمّا یعضکم به	النساء آیت،۵۸	۵۲
xix.	"لَااِکْرَاهَ فِی الدِّیْنِ	سورة بقرہ،آیت ۲۵۶	۵۶
xx.	"ولا یحسبن الذین یبخلون بما آتاهم الله من فضله هوخیر لهم بل هو شر لهم سیطوقون ما بخلوا به یوم القیامة	سوره آل عمران،۱۸۰/۳	۵۸

فہرست احادیث

نمبر شمار	حدیث	کتب حدیث	صفحہ نمبر
i.	’’عن أبي عبد الله خباب بن الأرت رضي الله عنه قال: شكونا إلى رسول الله ﷺ وهومُتَوَسِّدٌ بُرْدَةً له في ظِلِّ الكعبة...	،الصحیح البخاری۳۶۱۲	۱۵
ii.	عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ، وَالْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَا نَهَى اللَّهُ عَنْهُ	صحیح المسلم،کتاب الایمان۔حدیث ۱۶۲	۱۸
iii.	فَإِنَّمَا هَلَكَ النَّاسُ قَبْلَكُمْ أَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا سَرَقَ فِيهِمْ الشَّرِيفُ تَرَكُوهُ وَإِذَا سَرَقَ فِيهِمْ الضَّعِيفُ أَقَامُوا عَلَيْهِ الْحَدَّ وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا	سنن النسائی ،حدیث نمبر ۴۹۰۷	۲۱
iv.	”عن سعيد بن زيد، عن النبي ﷺ- قال: «من قُتِلَ دُون مَالِهِ فهو شَهيدٌ، ومن قُتِلَ دُون أهْلِهِ، أو دُونَ دَمِهِ، أو دُون دِيْنِهِ فهو شَهيدٌ	سنن الترمذی،کتاب الدیات،باب ما جاء فی من قتل دون مال فهو شهید، حدیث نمبر ۱۴۲۱	۲۳
v.	قَاتِلُهُ قَالَ أَرَأَيْتَ إِنْ قَتَلَنِي قَالَ فَأَنْتَ شَهِيدٌ قَالَ أَرَأَيْتَ إِنْ قَتَلْتُهُ قَالَ هُوَ فِي النَّارِ	، الصحیح للبخاری،کتاب الحج حدیث نمبر:۱۷۴۱	۲۳
vi.	”عن ابي هريرة قال : قال رسول الله ﷺ: كل المسلم على المسلم ، حرام دمه ، وماله ، وعرضه	، صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب تحریم ظلم المسلم حدیث نمبر:۶۵۴۱	۲۴
vii.	عن ابي شريح الخزاعي ان النبي صلى الله عليه وسلم قال من كان يؤمن بالله واليوم الآخر ، فليحسن إلى جاره	صحیح مسلم ،کتاب الإیمان باب الحث على إكرام الجار والضيف رقم الحديث: ۱۷۶	۲۴
viii.	عن ابي شريح ، ان النبي صلى الله عليه وسلم قال : والله لا يؤمن والله لا يؤمن والله لا يؤمن قيل : ومن يا رسول الله ؟ قال : الذي لا يامن جاره بوايقه	الصحیح البخاري کتاب الادب باب إثم من لا يامن جاره بوايقه حدیث نمبر: ۶۰۱۶	۲۵
ix.	خرج النبي ﷺ زمن الحديبية في بضع عشرة مائة من اصحابه حتى إذا كانوا بذي الحليفة قلد الهدي واشعره واحرم بالعمرة وساق الحديث۔۔۔	سنن ابي داود ، کتاب الجهاد ، باب في صلح العدو،رقم الحدیث: ۲۷۶۵	۳۲
x.	قال : إن المؤمن يرى ذنوبه كانه قاعد تحت جبل يخاف ان يقع عليه ، وإن الفاجر يرى ذنوبه كذباب مر على انفه	مسند احمد بن حنبل،رقم ،۶۳۰۸	۳۷

xi.	”عن ابي سعيد الخدري ، قال : قال رسول الله ﷺ : من عال ثلاث بنات فادبهن وزوجهن واحسن إليهن فله الجنة	سنن ابي داود،باب فضل من عال يتامىٰ،٥١٤٦	۴۳
xii.	اطعموهم مما تاكلون واكسوهن مما تكسون	ابو داؤد،كتاب النكاح١٢٣١	۴۶
xiii.	من احب ان يبسط له فى رزقه و ينسا له اثره فليصل رحمه	، الصحيح للبخارى،كتاب الادب،باب من بسط لہ فى الرزق لصلۃ الرحم٥٩٨٥	۴۷
xiv.	: إنَّ دِماءَكُم، وأمْوالَكم وأعْراضَكُم حرامٌ عَلَيْكُم كَحُرْمة يومِكُم هَذَا، في شهرِكُمْ هَذَا، في بلَدِكُم هَذَا، ألا هَلْ بلَّغْت	الصحيح للبخارى،كتاب العلم ،باب قول النبىﷺ رب مبلغ اوعىٰ من سامع ،٢۴٥١	۵۲
xv.	والذي نفسي بيده لو ان فاطمة بنت محمد سرقت ، لقطعت يدهاثم امر بتلك المراة التي سرقت فقطعت يدها	الصحيح للبخارى،كتاب احاديث الانبياء،رقم الحديث،٣۴٧٥،	۵۴
xvi.	ومن بايع إماما فاعطاه صفقة يده وثمرة قلبه، فليطعه إن استطاع، فإن جاء آخر ينازعه فاضربوا عنق الآخر	صحيح المسلم،كِتَاب الْإِمَارَةِ ،حديث نمبر: ۴٧٧۶	۶۳

فہرست مصادر و مراجع:

1. ابو الحسن، علی بن حسن، المنجد فی اللغۃ، عالم الکتب القاہرہ، ۱۹۸۸، ص ۵۰۷
2. سرہندی، وارث، قاموس مترادفات، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۱۹۸۶، ص ۱۱۷۳
3. مولوی، الحاج، فیروز الدین، فیروز اللغات، اردو، جامع، فیروز سنز لاہور، ص ۱۰۹۹
4. نیاز احمد، اردو جامع انسائیکلوپیڈیا، شیخ، ص ۱۵۸۸
5. ولی اللہ، شاہ، احمد بن عبد الرحیم، حجۃ اللہ البالغۃ، دار الجیل، بیروت، ۲۰۰۵ ص ۴۰
6. مظہری، مرتضی، اسلامی تصور کائنات پر ایک تمہید، سازمان تبلیغات اسلامی تہران، ۲۰۰۰ ص ۴۰۰
7. علوی، خالد، اسلام کا معاشرتی نظام، الفیل ناشران و تاجران کتب، لاہور ۲۰۰۹، ص
8. عبد الرحمٰن ابن خلدون، علامہ، مقدمہ ابن خلدون، نفیس اکیڈمی اردو بازار کراچی ۲۳/ ۱
9. عبد الرحمٰن ابن خلدون، علامہ، تاریخ ابن خلدون، نفیس اکیڈمی اردو بازار کراچی، ص: ۵۹
10. عبد الرحمٰن ابن خلدون، علامہ، مقدمہ ابن خلدون، نفیس اکیڈمی اردو بازار کراچی، ۲۹/ ۱
11. احمد عبد العلی، علم عمرانیات، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد ا ص ۱۴
12. علوی، خالد، اسلام کا معاشرتی نظام، الفیل ناشران و تاجران کتب، لاہور ۲۰۰۹، ص ۳۲
13. محمد احمد، مرزا معاشرتی تحقیق، پروگریسو پبلیکیشنز، لاہور، ۱۹۸۹، ص ۳۱
14. محمد عبدہ، علامہ شیخ الاسلام، عباس محمد، الموسسہ المصریہ العامۃ، قاہرہ ۱۹۶۲
15. محمد عبدہ، علامہ شیخ، الاسلام والنصرانیہ مع العلم المدنیہ، دار الحداثہ، بیروت، ۱۹۰۳، ص ۱۵۰
16. ابن منظور محمد بن مکرم بن علي، جمال الدين ابن منظور، لسان العرب، دار صادر، ص ۱۶/ ۱۶۲
17. المرتضى الزبيدي، محمد بن محمد بن عبد الرزاق، تاج العروس من جواهر القاموس، ص ۱/ ۱۲۴
18. ابراہیم مصطفیٰ، المعجم الوسیط، دار الدعوۃ، استنبول ص ۲، ۱/ ۱۲۸
19. الشرتونی، سعید، اقرب الموارد، بیروت منظمۃ الاوقاف و الشؤون الخیریۃ، دار الأسوۃ للطباعۃ و النشر، تہران، ایران، ص ۱/ ۲۰

20. حاصل مطالعہ، معجم متن اللغۃ، الشیخ محمد رضا، مکتبہ الحیاۃ، بیروت، ص ۱/ ۲۰۸

21. إبراهيم أنيس، محمد خلف الله أحمد، المعجم الوسيط، مجمع اللغة العربية، مكتبة الشروق الدولية، ص ۲/ ۲۹

22. بخاری، محمد بن اسماعیل، الصحیح للبخاری، کتاب المناقب باب علامات النبوۃ حدیث نمبر ۳۶۱۲

23. حمیری، ابو محمد عبد الملک بن هشام بن ایوب، السیرۃ النبویۃ، سیرت ابن ہشام، ص ۱/ ۱۳۴

24. قشیری، نیشاپوری، ابو الحسین مسلم بن حجاج، صحیح المسلم، کتاب الایمان۔ حدیث ۱۶۲

25. محدث، النیشاپوری، امام الحافظ ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الحاکم المستدرک للحاکم، المستدرک علی الصحیحین، مترجم: ابو الفضل محمد شفیق الرحمن قادری رضوی، ۲۳۳

26. ابن حنبل، الامام، مسند امام احمد، مترجم مولانا محمد ظفر اقبال، مکتبہ رحمانیہ، لاہور ص ۱/ ۱۵۵

27. النسائی، احمد بن شعیب، المجتبی من السنن، سنن النسائی، حدیث نمبر ۴۹۰۷

28. ابو عیسی محمد بن سورہ بن شداد، سنن الترمذی، کتاب الدیات، باب ما جاء فی من قتل دون مال فھو شھید۔ حدیث نمبر ۱۴۲۱

29. بخاری، محمد بن اسماعیل، الصحیح للبخاری، کتاب الحج حدیث نمبر: ۱۷۴۱، رواه أَبُو داود، والترمذي

30. المنذری، حافظ، الترغیب الترہیب، مکتبہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ۱۴۱۷ج ۲، ص ۱۲۶، صحیح مسلم، حدیث نمبر ۵۳۳/ ۹۳

31. قشیری، نیشاپوری، ابو الحسین مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب تحریم ظلم المسلم حدیث نمبر: ۶۵۴۱

32. ہیکل، محمد حسین عبد اللہ، حیاۃ محمد، ۱۹۳۳، ص ۱۲۳

33. السجستانی، سلیمان بن الاشعث، سنن ابي داود، کتاب الجهاد، باب في صلح العدو، رقم الحدیث: ۲۷۶۵

34. مودودی، ابو الاعلی، تفہیم القرآن، سورہ ابراہیم، آیت ۲۷، حاشیہ ۳۹

35. سید قطب، امن عالم اور اسلام، لاہور: مکتبہ اردو ڈائجسٹ مدنی پبلشرز، ص: ۱۱۲

36. قزوینی، ابن ماجہ ابو عبد اللہ محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ، کتاب العتق، باب: المکاتب، حدیث نمبر: ۲۵۱۸

37. الفاروق، علامہ شبلی نعمانی، دار الشاعت کراچی، ج ۲، ص ۱۳۷

38. الشيباني، الجزري، ابن الأثير، المبارک بن محمد بن عبد الکريم، جامع الاصول فی حديث الرسول، ج ا، ص ۲۵۲

39. الصابونی، محمد علی، سیدنا ابو بکر صدیق شخصیت اور کارنامے، مترجم شمیم احمد ص:۲۰۷

40. ابن کثیر، امام حافظ عماد الدینؒ، البدایہ والنہایہ، مکتبہ المعارف بیروت، ۵/۲۴۸، مترجم: محمد اصغر مغل. ناشر: دار الاشاعت، کراچی

41. بغدادی, محمد ابن سعد، الطبقات الکبریٰ لابن سعد، نفیس اکیڈمی، اردو بازار کراچی، ص ۳/ ۲۷۴

42. حمدی، شاھین، الدکتور، الدولۃ الاسلامیہ، ص، ۱۲۰

43. عون الاخبار، ص ۲۵۵،

44. ایام خلافت راشدہ، مولانا عبد الروف رحمانی، جھنڈا نگری، مکتبہ قدوسیہ اردو بازار لاہور، ص ۱۲۵

45. الطبری، محمد ابن جریر، ابو جعفر، علامہ تاریخ الامم والملوک، دار الکتب العلمیہ بیروت ط ا، تاریخ طبری، نفیس اکیڈمی اردو بازار کراچی، مترجم، ڈاکٹر محمد صدیق ہاشمی، ص ۳/ ۲۵۲

46. الحصكفي، محمد بن علي بن محمد بن عبد الرحمن الحنفي، الدر المختار شرح تنوير الأبصار وجامع البحار، دار الكتب العلمية، ۲/ ۵۶۵

47. علاوالدین، علامہ، علی متقی بن حسام الدین، کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، مترجم احسان اللہ شائق، دار الاشاعت اردو بازار کراچی، جلد ۳ صفحہ ۱۳۴

48. ابن خلکان، دفیات الاعیان ج2 ص203،

49. سیوطی تدریب الراوی ص193،

50. ابن سبکی طبقات الشافیعہ ج5 ص135،

51. ابن اثیر الجزری، عزالدین علی بن محمد الشیبانی، الکامل فی التاریخ، تاریخ ابن اثیر، مترجم، مولوی عبید الرحمٰن، دالاطبع العثمانیہ حیدرآباد دکن جلد ۳، صفحہ ۱۱۷

52. القاضی، ابوالحسین، عبد الباقی، بن تابع البغدادی، معجم الصحابہ، مترجم، غلام دستگیر چشتی، اعظم پبلیکشنز دہلی، صفحہ ۲/ ۲۷۰

53. منصور الحرابی، الدول العربیہ الاسلامیہ، صفحہ ۹۶،۹۷ بحوالہ سیدنا ابو بکر صدیق، شخصیت اور کارنامے، ص ۲۳۷

54. سیوطیؒ، جلال الدین، تاریخ الخلفاء، مترجم شمس بریلوی، پروگریسو بکس اردو بازار لاہور، صفحہ ۱۵

55. البلاذری، احمد بن یحیٰ بن جابر، فتوح البلدان، مترجم، ابوالخیر مودودی، مکتبہ تخلیقات لاہور، ۲۰۱۰ صفحہ ۱۱۴

56. قاضی امام ابو یوسف، کتاب الخراج،، مترجم نیاز احمد اوکاڑوی، مکتبہ رحمانیہ لاہور ص ۲۴،

57. ابوالعباس تقی الدین احمد بن علی مقریزی، المواعظ والاِعتبار فی ذکر الخطط والآثار۔ تاریخ مقریزی، ج ا ص ۹۲

58. ابوعبیدہ قاسم بن سلام، کتاب الاموال، مترجم عبدالرحمٰن بن طاہر سواتی، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد صفحہ ۱۲۰

59. ابن جوزیؒ، جمال الدین، ابوالفرج، عبدالرحمن، صفۃ الصفوۃ، دارالمعرفۃ، بیروت لبنان، جلد اول صفحہ ۲۷۵

60. ابو نعمان سیف اللہ خالد، سیرت عمرؓ،، دارالاندلس، کراچی، صفحہ ۵۸

61. یاقوت بن عبد اللہ البغدادي شهاب الدين أبو عبد الله، معجم البلدان، تذکرہ، کوفہ، فسطاط جیزہ، دار صادر، ۱۹۹۳

62. ندوی، علامہ معین الدین احمد خلفائے راشدین، ناشران قرآن اکیڈمی لاہور، صفحہ ۳۲۲

63. البستانی، بطرس، دائرۃ المعارف، مکتبہ اسلامیہ، ۱۹۹۶، ص ۲۱۸

64. ہاشمی سید محمد متین، اسلامی حدود اور ان کا فلسفہ مع اسلام کا نظام احتساب، مرکز تحقیق دیال سنگھ لائبریری، ۳۲۴

65. نیازی، لیاقت علی خان، ڈاکٹر، اسلام کا انتظامی قانون، دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور ۲۵

66. ذہبی تذکرۃ الحفاظ۔

67. شاہ عبد اللہ العزیز محدث دہلوی بستان المحدثین

68. الطبرانی، حافظ ابوالقاسم سلیمان بن احمد بن ایوب، المعجم الکبیر للطبرانی، باب ام الحصین الاحمسیہ، مترجم، غلام دستگیر چشتی، پروگریسو بکس، صفحہ ۲۵/۱۵۸

69. فتحی عبدالکریم، الدولۃ والسیادۃ، صفحہ ۲۶۸

70. الیعقوبی، احمد ابن ابی یعقوب جعفر، تاریخ الیعقوبی، مترجم، مولانا اختر فتح پوری جلد ۲ صفحہ ۱۴۸

71. ابن تیمیہ، شیخ الاسلام، امام، السیاسۃ الشرعیہ، حکمران، بیوروکریسی اور عوام، دائرہ نورالقرآن اردو بازار کراچی صفحہ ۱۸۷

72. الماوردی، امام ابو الحسن علی بن محمد بن حبیب بصری، الاحکام السلطانیہ ترجمہ مولوی سید محمد ابراہیم، نفیس اکیڈیمی کراچی ص ۲۲۱

73. ابن حجر عسقلانی، شیخ الاسلام احمد بن علی، تہذیب التہذیب، تحقیق شیخ عادل احمد عبد الموجود، ادارہ شئون الاسلامی، السعودیہ العربیہ ۳/۱۷۷

74. علاوالدین، علامہ، علی متقی بن حسام الدین، کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، مترجم احسان اللہ شائق، دار الاشاعت اردو بازار کراچی، جلد ۳ صفحہ ۱۷۴

75. ابو عمر احمد بن محمد بن عبد ربہ بن سالم القرطبی، عقد الفرید، قاہرہ، جلد ۱، صفحہ ۱۰۳، ۱۰۲

76. ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ، ج ۳ ص ۱۱۹

77. الجاحظ، عمرو بن بحر بن محبوب الكناني بالولاء، الليثي، أبو عثمان، البيان والتبيين، محقق ومترجم، عبد السلام هارون، مكتبہ الخانجي، ۱۹۹۸ ج ۲، ص ۷۵

78. الدارمي، عبد اللہ بن عبد الرحمن، مترجمہ، بنت حافظ عبد الستار حماد، سنن دارمی، انصار السنۃ پبلیکیشنز لاہور

79. ابن اثیر، عزالدین، ابو الحسن علی بن محمد الجزری، ترجمہ مولانا عبد الشکور لکھنوی، اسد الغابہ فی امعرفۃ الصحابہ، المیزان تاجران کتب، لاہور،

80. ابو عمر، یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر، نمری، قرطبی، مالکی، الاستیعاب في معرفة الأصحاب، المعروف الاستیعاب

81. الاصابہ فی تمییز اَسماء الصحابہ، حافظ ابن حجر، احمد بن علی، عسقلانیؒ

82. حافظ ابن ہمامؒ، محمد بن عبد الواحد بن عبد الحمید، فتح القدیر حاشیہ ہدایہ، دالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ج ۱، ص ۲۴۷

83. حیان، محمد بن خلف، ابن الوقیع، اخبار القضاۃ، بیروت عالم الکتب ص ۲۳۳

84. ابن حنبل، الامام ابو عبد اللہ، فضائل الصحابہ، مترجم نوید احمد بشار، بک کارنر جہلم، ص ۲/ ۷۰۸

85. ڈاکٹر محمد رواس، قلعہ جی، موسوعۃ فقہ عثمان ابن عفان، مترجم الیف الدین ترابی، ادارہ معارف اسلامی منصورہ، لاہور ۱۹۹۳ ص ۹۳

86. قاضی مظہر حسین، حضرت عثمان ذوالنورینؓ مترجم مولانا عبد الوحید الحنفی، مرحبا اکیڈمی، صفحہ ۱۴۴

87. ابن قیم الجوزیۃ، محمد بن أبي بکر بن أیوب بن سعد شمس الدین، زاد المعاد في ھدي خیر العباد

88. العینی، علامہ بدر الدین محمود بن احمد، عمدۃ القاری فی شرح صحیح البخاری، محقق علامہ محمود محمد عمر، دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان

89. طنطاوی، محمد سیّد، عمر بن خطاب ۱۸۴،

90. عمری، جلال الدین، عورت اسلامی معاشرہ میں، مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور، ۱۹۸۳،۱۷۹

91. مودودی سید، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن لاہور ۵ /۸۹

92. احمد محمود، خواجہ، کتاب دستور الاحتساب، المکتبہ السلفیہ، ۱۹۸۶، ص ۲۳۳

93. مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، اسلامی ریاست، اسلامک پبلی کیشنز (پرائیوٹ) لمیٹڈ، منصورہ ملتان روڈ، لاہور

94. ڈاکٹر حمید اللہ، اسلامی ریاست، الفیصل ناشران وتاجران کتب اردو بازار لاہور، ۲۰۰۵ ص ۱۳۴

95. حمید اللہ، ڈاکٹر، عہد نبوی میں نظام حکمرانی، کراچی، اردو اکیڈمی ۱۹۸۱

96. وہبہ الزحیلی، ڈاکٹر، آثار الحرب فی فقہ الاسلامی ط ۱۹۱، ۲

97. نجیب الارمنازی، ڈاکٹر، الشرع الدولی فی الاسلام، مطبعہ ابن زیدون، ۱۹۰

98. عبد الرازق ابو بکر عبد الرازق ابن ہمام الصنعانی، المصنف تحقیق حبیب الرحمن اعظمی میں بیروت، مکتبہ اسلامیہ ۱۹۸۳ اص ۱۰۱

99. خطابی احمد بن محمد ابو سلیمان علیہ معالم السنن حلب، مکتبہ علمیہ، ۱۹۲۳۔ ص ۱۷ / ۴

100. الکاساني، ملک العلماء، علاء الدین، أبو بکر بن مسعود الحنفي،، بدائع الصنائع في ترتیب الشرائع، مطبعۃ شرکۃ المطبوعات العلمیۃ بمصر ۷ / ۲۹۲

101. ابن عابدین محمد أمین، حاشیۃ رد المحتار، علی الدر المختار، شرح تنویر الأبصار، کوئٹہ، مکتبہ ماجدیہ طبع ثانیہ دار الفکر-بیروت، ۵ / ۱۵۵

102. حمید اللہ، ڈاکٹر محمد، مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ للعہد النبوی والخلافۃ الراشدہ، مترجم، مولانا ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی، مجلس ترقی ادب لاہور، ۲۰۰۵ ص ۳۲۳، وثیقہ ۲۹۸

103. مقریزی، تقی الدین احمد بن علی، الخطط المقریزیہ مطبع النیلی، ۱۳۳۴، ص ۱ / ۱۷۴

.104 ولی اللہ، حضرت، شاہ محدث دھلوی، ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء، اردو، مترجم، مولانا عبد الشکور فاروقی، قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی، صفحہ ۲۰۳

.105 خلیفہ عبد الکریم، بنیادی انسانی حقوق، لاہور، ارادہ سماجیات، ۱۲۳

.106 تھانوی، اشرف علی، مولانا، حقوق العباد، مکتبہ البشری ۲۰۱۲۔ صفحہ ۱۳۳

.107 محمد احمد خان، فرد اور معاشرہ، اقبال اکیڈمی لاہور ۱۹۷۸ صفحہ ۷۲

.108 النووی، ابو زکریا یحییٰ بن شرف، المنهاج فی شرح صحیح مسلم بن الحجاج، مؤسسة قرطبة، عدد المجلدات: ۱۸، ۲۰۰۹